إن أول بيت وضع للناس للذي ببكة

تاریخ مکہ مکرمہ

جلد اوّل

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کی چار ہزار سالہ

مکمل مفصل اور مدلل تاریخ

مؤلفہ

محمد عبدالمعبود

راولپنڈی

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

مکتبۃ الحبیب
پھولوں والی مسجد۔ رحمن پورہ۔ راولپنڈی

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

نام کتاب — تاریخ مکۃ المکرمہ جلد اوّل

مؤلف — محمد عبدالمعبود

خطاط — محمد عبدالواحد اختر

سرورق — سیّد انور حسین نفیس رقم

مطبع — پرنٹیکس پریس۔ لاہور

تعداد

تاریخ طباعت — یکم جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ
۱۷ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء

صفحات ۴۸۰ — قیمت ۳۰ روپے

ہمارے سٹاکسٹ

کتب خانہ رشیدیہ — مدینہ مارکیٹ — راولپنڈی
مکتبہ مدنیہ — شاہی روڈ خانپور — ضلع رحیم یارخان
تاج بک سنٹر — فیڈرل بی ایریا کریم آباد — کراچی
کتب خانہ رشیدیہ — مین بازار — چکوال
سعید بک ایجنسی۔ ریگل بس اسٹاپ فرئیر روڈ۔ صدر کراچی

Marfat.com

3/-
حمد لطفی ارکان
۱۰/۸۵

اِنتساب

سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی رُوح

پُرفتوح کے نام جنہوں نے عرب کے ایک

وحشتناک صحرا میں رشد و ہدایت کی ایسی

شمع فروزاں فرمائی۔ جس کی ضیاگستری

اور نور فشانی سے آج بھی مومنین کے قلوب

منوّر ہو رہے ہیں ؎

عبد المعبود

Marfat.com

آئینہ کتاب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	باب اوّل	
	بسم اللہ	۱
۲	نام کتاب وغیرہ	۲
۳	انتساب	۳
۴	آئینہ کتاب	۴
۵	پیش گفتار	۹
۶	نقشہ	۱۴
۷	مکتوب شریف	۱۶
۸	المکۃ المکرمہ	۱۷
۹	وجہ تسمیہ	۱۹
۱۰	اسمائے مقدسہ	۲۱
۱۱	ارض مکہ کی پیدائش	۲۷
۱۲	محل وقوع	۲۹
۱۳	حدود اربعہ	۳۳
۱۴	موسم	۳۷
۱۵	مردم شماری	۳۹
۱۶	مکہ کے محلے	۴۱
۱۷	سڑکیں	۴۵
۱۸	مکہ سے مدینہ کا راستہ	۴۷
۱۹	مکہ کو آنے والی چند شاہراہیں	۵۱
۲۰	مکہ سے بعض مشہور شہروں کا فاصلہ	۵۲
۲۱	فضائل مکہ	۵۵
۲۲	فضل مکہ (نظم)	۶۰
۲۳	شہر خوباں کی آبادکاری	۶۱
۲۴	پُرشکوہ تعارفی جھلک	۶۵

Marfat.com

۲۵	سیدہ ہاجرہ	۷۹
۲۶	سیدنا اسماعیل	۸۱
۲۷	خاندان براہیمی کا مکہ میں ورود	۸۳
۲۸	دعائے ابراہیمی	۸۶
۲۹	مہمان ذی شان	۸۹
۳۰	جرہم کی آمد	۹۴
۳۱	ذبیح اللہ	۹۷
۳۲	سیدنا اسماعیل کا عقد	۱۰۵
۳۳	عقد ثانی	۱۰۸
۳۴	سیدنا اسماعیلؑ کا وصال	۱۱۱
	باب دوم	
۳۵	مکہ معظمہ یورپین مورخین کی نظر میں	۱۱۳
۳۶	مغربی مورخین کا مبلغ علم	۱۱۶
۳۷	یورپ علوم وفنون میں عربوں کا شاگرد ہے	۱۱۸
۳۸	عربوں سے یورپ کا تعصب موروثی ہے	۱۲۲
۳۹	مکہ کی قدامت پر تورات، انجیل اور زبور کی شہادت	۱۲۵
۴۰	یونانی اور مسیحی تاریخ میں مکہ اور بیت اللہ کا تذکرہ	۱۳۷
۴۱	دیوتاؤں کا ذکر	۱۴۱
۴۲	حج بیت اللہ کا ذکر	۱۴۳
۴۳	جزیرۃ العرب کی تقسیم اور اولاد اسماعیل کے مساکن	۱۴۷
۴۴	عالمی تجارتی منڈی میں مکہ کا مقام	۱۵۷
	باب سوم	
۴۵	عہد ابراہیمی سے ظہور اسلام تک اور شہ کونین کے اجداد کا نسب نامہ	۱۶۳
۴۶	عہد ابراہیمی میں مکہ	۱۶۵
۴۷	عہد اسماعیلی میں مکہ	۱۶۷
۴۸	جرہم کے زمانہ میں مکہ	۱۶۸
۴۹	خزاعہ کے زمانہ میں مکہ	۱۰۳
۵۰	شاہ تبع کی مکہ میں آمد	۱۰۵
۵۱	قریش کا درخشندہ دور اور شہ کونین کا نسب نامہ	۱۷۷
۵۲	قریش کی اقسام	۱۸۱
۵۳	قریش کے قبائل اور مساکن	〃
۵۴	قصی بن کلاب	۱۸۳
۵۵	قصی کے تابندہ کارنامے	۱۸۸
۵۶	علامہ قطب الدین کا ہدیہ سپاس	۱۹۳
۵۷	قصی کا زمانہ	۱۹۴
۵۸	معاشی استحکام	۱۹۵
۵۹	ہاشم	۱۹۶
۶۰	عبدالمطلب	۱۹۸
۶۱	واقعہ فیل	۲۰۲

Marfat.com

باب چہارم

۶۲	ظہور قدسی سے خالد بن عبدالعزیز تک	۲۰۷
۶۳	ظہور قدسی	۲۰۹
۶۴	سفر مدینہ	۲۱۴
۶۵	ابوا اور مستورہ	۲۱۵
۶۶	جنگ نجار	۲۱۹
۶۷	حلف الفضول	۲۲۰
۶۸	شغل تجارت	۲۲۱
۶۹	غار حرا میں عبادت	۲۲۲
۷۰	تبلیغ کی ابتداء	۲۲۳
۷۱	وصال سیدہ خدیجہؓ	۲۲۴
۷۲	معراج النبیؐ	۲۲۶
۷۳	ہجرت مدینہ	۲۳۰
۷۴	ہجرت کے لئے روانگی	۲۳۲
۷۵	صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک	۲۳۷
۷۶	حضرت عثمان کی سفارت	۲۴۰
۷۷	صلح حدیبیہ کے سیاسی اثرات	۲۴۴
۷۸	عمرۃ القضاء	۲۴۶
۷۹	فتح مکہ	۲۴۹
۸۰	فتح مکہ کے سیاسی اثرات	۲۵۳
۸۱	حجۃ الوداع	″
۸۲	شق القمر	۲۵۷
۸۳	خلافت فاروقی	۲۶۲
۸۴	خلافت اموی	۲۶۳
۸۵	خلافت عباسی	۲۶۴
۸۶	خلافت عثمانیہ	۲۶۶
۸۷	خاندان سعود	۲۷۰
۸۸	محمد بن عبدالوہاب	۲۷۱
۸۹	عہد ساز رفاقت	۲۷۳
۹۰	علماء دیوبند کا ابتلاء	۲۷۷
۹۱	مکہ کی جیل	۲۸۰
۹۲	سلطان حجاز کا اعزاز	۲۸۷

باب پنجم

۹۳	سیادت وقیادت اور مد	۲۹۱
	مقامات مقدسہ	
۹۴	سیاسی نظام	۲۹۳
۹۵	مذہبی عہدے	۲۹۷
۹۶	عدالتی، سیاسی اور جنگی عہدے	۲۹۸
۹۷	کرنسی	۳۰۰
۹۸	مالیاتی نظام	″
۹۹	معلم	۳۰۲
۱۰۰	امرائے مکہ	۳۰۳
۱۰۱	امرائے حج اور حوادثات	۳۱۶
۱۰۲	ایام حج میں آتشزدگی	۳۲۷

Marfat.com

۱۰۳	محلہ جیاد میں آتش زدگی	۳۲۹
۱۰۴	حرم کعبہ میں خوفناک جنگ	۳۳۰
۱۰۵	مکہ یونیورسٹی کے سکالر کا خط	۳۳۵
۱۰۶	سزائے موت	۳۳۶
۱۰۷	مساجد مکہ	۳۳۹
۱۰۸	چند متبرک مکانات	۳۵۳
۱۰۹	سیدہ خدیجہ کا مکان	۳۵۵
۱۱۰	سیدنا علیؓ کا مکان	۳۵۷
۱۱۱	سیدنا عباسؓ کا مکان	۳۵۸
۱۱۲	سیدنا ابی سفیان کا مکان	"
۱۱۳	دار ارقم	۳۵۹
۱۱۴	سیدہ ام ہانی کا مکان	۳۶۱
۱۱۵	جبال مکہ	۳۶۲
	باب ششم	
۱۱۶	رفاہی امور	۳۶۵
۱۱۷	مکہ کے کنوئیں	۳۶۷
۱۱۸	نہر زبیدہ	۳۶۹
۱۱۹	مکہ میں سیلابوں کا تذکرہ	۳۷۳
۱۲۰	سیلاب کی روک تھام کے لئے بند کی تعمیر	۳۸۹
۱۲۱	مکہ کے ہسپتال	۳۹۰
۱۲۲	پرنٹنگ پریس	۳۹۳
۱۲۳	اخبارات و رسائل	۳۹۷
۱۲۴	کتب خانے	۴۰۰
۱۲۵	فونٹن پین کا استعمال	۴۰۲
۱۲۶	نظام مواصلات	۴۰۳
۱۲۷	ڈاک خانہ	"
۱۲۸	ٹیلیگرام	۴۰۷
۱۲۹	ٹیلیفون	"
۱۳۰	مکہ میں موٹر گاڑیوں کی آمد	۴۰۸
	باب ہفتم	
۱۳۱	تہذیب وتمدن	۴۱۳
۱۳۲	زبان	۴۱۵
۱۳۳	مذہب	۴۱۸
۱۳۴	تعلیم	۴۱۹
۱۳۵	لباس	"
۱۳۶	خوراک	۴۲۲
۱۳۷	روٹی پکانے کا طریقہ	۴۲۳
۱۳۸	مشروبات	۴۲۵
۱۳۹	حلاوات	۴۲۸
۱۴۰	مچھلی کی درآمد	۴۲۹
۱۴۱	مرغی خانے	۴۳۰
۱۴۲	شادی کی رسومات	۴۳۱
۱۴۳	تجہیز وتکفین	۴۳۲
۱۴۴	تجارت	۴۳۴

Marfat.com

۱۴۵	سامان تجارت	۴۳۷	۱۵۶	برف سازی	۴۵۸
۱۴۶	تجارتی میلے	۴۴۰	۱۵۷	آٹا مشین	۴۶۰
۱۴۷	مکانات	۴۴۲	۱۵۸	آرا مشین	۴۶۱
۱۴۸	تعمیراتی نظام	۴۴۸	۱۵۹	مکہ کے باغات	۴۶۲
۱۴۹	قہوہ خانے	۴۴۹	۱۶۰	بجلی کا استعمال	۴۶۷
۱۵۰	ہوٹل یا فندق	۴۵۱	۱۶۱	ٹیلیویژن کا استعمال	″
۱۵۱	رباط	۴۵۳	۱۶۲	لاؤڈ سپیکر	۴۶۸
۱۵۲	صنعت وحرفت	۴۵۵	۱۶۳	گھڑیوں کی آمد	۴۶۹
۱۵۳	زرگری	۴۵۶	۱۶۴	سٹوڈیو	۴۷۰
۱۵۴	صراحی کی صنعت	۴۵۷	۱۶۵	عمرانی ترقی	۴۷۲
۱۵۵	پلاسٹک کی صنعت	۴۵۸		ماخذ	۴۷۵

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

دُنیا کے اس نگار خانے میں ہر چیز اپنے وجودِ ہستی میں ابتدا اور انتہا کی طویل داستان سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کی تخلیق خواہ قدیم ہو یا جدید، اس کی زندگی چند لمحات کی مہمان ہو یا اس نے ابھی مستقبل کی طویل منازل طے کرنی ہوں۔ جب انسانی نظروں کی آماجگاہ اور مرکز بنے گی تو ایک فہم و ذکا کے مالک اور صاحب بصیرت آدمی کو اپنے ساتھ تفکرات و تصورات کی موج میں بہالے جائے گی اور انسان کی فکری اور ارادی قوتیں ان وجوہات کے دریافت کرنے کے درپے ہو جائیں گی جو اس کی تخلیق کا باعث بنیں۔ چنانچہ انسان کے ذہن میں کچھ اس طرح کے سوالات انگڑائیاں لیں گے۔ کہ اس چیز کی پیدائش کی غرض و غایت کیا ہے اور اس کا وجود ترکیبی کن عناصر سے مرکب ہے خصوصاً ایسی پُر شکوہ اور عدیم النظیر چیزوں، جن کے ساتھ ایمانی، مذہبی، ملّی، تاریخی، اور تمدّنی یادیں وابستہ ہوں، کی حقیقتِ حال کا تجسس، کیفیت و ماہیّت کا ادراک اور اس کا مادّہ و ماخذ معلوم

Marfat.com

کرنے کی خاطر خداداد صلاحیتیں، علمی اور فکری قدریں ہیجان میں آجاتی ہیں۔

کچھ اسی قسم کی ذہنی، فکری اور روحانی کیفیات نے ہمیں بھی دنیا کے قدیم اور مقدس ترین مقام مکۃ المکرمۃ زاد اللہ تشریفاً و تکریماً جو کروڑوں مسلمانوں کا ایمانی و روحانی مرکز ہے اور جس کی بنجر اور خشک، بے آب وگیاہ گھاٹیاں کچھ ایسے دلربا، روح پرور اور فرحت انگیز مناظر پیش کرتی ہیں۔ کہ جن کے سامنے دنیا جہان کے خوشنما، سرسبز و شاداب اور زرخیز خطے بھی اپنی روئیدگی، لطافت اور شادابی کو شرمندہ و خجل پاتے ہیں، کی تخلیق سے متعلق کچھ حقائق پیش کرنے پر برانگیختہ کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم ادیبوں، صحافیوں، دانشوروں، مورخوں، نقادوں، سیاحوں، طبقات الارض اور علم الانساب کے ماہرین نے اس شہر خوباں کو اپنی علمی اور فکری تحقیقات کا موضوع بنایا اور اس خطہ کی تخلیق سے آبادی تک اور پھر چار ہزار سال میں یہاں آباد ہونے والی اقوام وملل کی تہذیبی و تمدنی تفصیلات حتیٰ کہ پہاڑوں، پتھروں، درختوں، مکانوں، ندی نالوں اور ریگ زاروں تک کی تخلیقی، ارتقائی، تاریخی اور جغرافیائی کیفیات سے اپنی تصانیف و تالیفات کو مزین کیا ہے۔ ہماری یہ حقیر کوشش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس موضوع پر قدیم ترین تاریخ علامہ ازرقی المتوفی ۲۴۵ھ کی "اخبار مکہ" ہے۔ جسے انتہائی قابل اعتماد ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ امام تقی الدین فاسی المتوفی ۸۳۲ھ نے "عقد الثمین" کے نام سے آٹھ ضخیم جلدیں مدون فرمائی ہیں۔ علامہ قطب الدین المتوفی ۹۸۶ھ کی شہرۂ آفاق تالیف "اعلام الاعلام" میں مکہ کے معاشی، معاشرتی اور انتظامی امور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ شیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا مصری کی نادرۂ روزگار تصنیف "مراۃ الحرمین" چھ جلدوں پر محیط ہے جس میں مکہ معظمہ کے بہت سے مقامات کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کو اجاگر کیا۔ اوراہل

Marfat.com

مکہ کی تعلیمی، تمدنی اور اخلاقی قدروں کی بڑی وضاحت و صراحت سے ارقام فرمایا ہے محقق دوراں علامہ محمد طاہر کردی نے چار ضخیم جلدوں میں اہالیانِ مکہ کی تہذیب، تمدن اور طرزِ معاشرت کے ایسے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جو اب تک تشنۂ تکمیل تھے۔ اور جن پر ماضی کے کسی مورخ نے خامہ فرسائی نہیں کی تھی۔ علاوہ ازیں ایسی متعدد مبسوط اور مستند کتابوں کا قابلِ قدر ذخیرہ موجود ہے۔

بایں ہمہ اردو میں کوئی ایسی قابلِ ذکر کتاب دیکھنے میں نہیں آئی جو مذہبی، علمی، سیاسی، تمدنی اور تہذیبی حیثیت سے تاریخ مکہ کی حامل ہو۔ راقم آثم نے علمی بے مائیگی اور بے سروسامانی کے باوجود جب اس مقدس شہر کے تاریخی و جغرافیائی حالات پر کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو علامہ فرید وجدی جیسے شہرۂ آفاق مورخ اور عالم اسلام کے عظیم سکالر مولانا عبد السلام ندوی کے تاثرات سے میرے حوصلے پست، جذبات سرد اور ارادے ماند پڑ گئے۔ علامہ فرید وجدی نے "دائرۃ المعارف" دس مبسوط جلدوں میں مدون فرمائی جو عالم اسلام کی تاریخی اور جغرافیائی عظمتوں کی عکاسی کرتی ہے۔ موصوف نے مصر کی علمی، تمدنی، تاریخی قدامت اور شہرت کو بڑے عمدہ الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے سو وہ لکھتے ہیں:

من اشھر اقطار الدنیا وافدمھا ذکراً فی التاریخ والبعدھا عھداً بالمدینۃ والعلم[1]

لیکن اس کے برعکس اُم القُریٰ مکہ مکرمہ کے متعلق ان کے حوصلہ شکن الفاظ بھی قابلِ غور ہیں۔

ولا نجد مصدراً جدیراً بالاعتماد فی ذلک غیر ما کتبہ الفاضل محمد لبیب بلک البتنونی فی رحلۃ الحجازیۃ[2]

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۹ صہ ۱۵ [2] ایضاً صہ ۳۲۶

Marfat.com

بعینہ یہی تاثرات مولانا عبدالسلام ندوی کے ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو صرف لبیب بتنونی کے سفرنامہ رحلۃ الحجازیہ کے ترجمہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔

بایں ہمہ ربِّ ذوالمنن کے احسانِ عمیم پر بھروسہ کر کے اس نیت سے کچھ لکھنے کا فیصلہ کر لیا کہ شاید اس مقدّس شہر کے تذکرہ نگاروں میں شمولیت ہی میری نجات کا موجب بن جائے۔ چنانچہ ۱۵ ارشعبان ۱۳۹۶ھ کی مبارک شب جب قلم اور کاغذ لے کر لکھنے بیٹھا تو یہ توقع نہ تھی کہ میں اس موضوع پر سو دو سو صفحات بھی لکھ پاؤں گا۔ لیکن اللہ کریم کی عنایات و احسانات پر قربان جاؤں کہ اس کا ابرِ کرم سایہ فگن ہوا اور بارانِ رحمت نے میرے ناکارہ ذہن کی ایسی آبیاری فرمائی کہ اس وقت پندرہ سو صفحات کا مواد جمع ہو چکا ہے۔ جس کے باعث مندرجہ ذیل موضوعات کے مطابق کتاب کو تین جلدوں میں تقسیم کرنا پڑا۔

جلد اوّل ۔ مکہ معظمہ کی تہذیبی، تمدنی، ارتقائی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ پر مشتمل ہے۔

جلد دوم ۔ کعبۃ اللہ، حرم کعبہ اور ان کے ملحقات کی چار ہزار سالہ نادر تاریخی دستاویزات سے مزیّن ہے۔

جلد سوم ۔ مکہ مکرمہ کے ہر دَور کی علمی، ادبی، تصنیفی و تدریسی خدمات اور قدیم و جدید تعلیمی درسگاہوں کا تاریخی جائزہ۔

سرِدست قارئین کی خدمت میں جلد اوّل پیش کی جا رہی ہے اور انشاء اللہ بقیہ دو جلدیں بھی منظر عام پر آجائیں گی۔

اگرچہ کتاب کی تکمیل بہت سے کرم فرما حضرات کی معاونت اور راہ نمائی کی شرمندۂ احسان ہے۔ لیکن محترم ابو مدثرہ مؤلف "قادیان سے اسرائیل تک"، محترم عبدالحفیظ ابن مولانا عبدالعزیز

Marfat.com

مؤلف" دو عظیم رہنما" سید شبیر احمد شاہ پروفیسر گورنمنٹ ٹریننگ کالج برائے ایلمنٹری ٹیچرز راولپنڈی اور محترم عبدالحکیم صاحب مالک" الکتاب لائبریری" راولپنڈی کا میں بے حد سپاس گذار ہوں۔

اسی طرح حسب ذیل تین عظیم علمی اداروں سے بھی خوشہ چینی کی گئی ہے۔ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ میں مدینہ طیبہ کی یونیورسٹی کا کتب خانہ دیکھنے اور اکتساب کرنے کا سنہری موقع نصیب ہوا۔

بعدازاں دیال سنگھ لائبریری لاہور سے بھی استفادہ کیا۔ مگر ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد کے عظیم الشان کتب خانہ سے تحقیقی اور علمی گوہر پارے اس قدر دستیاب ہوئے کہ کتاب کا بیشتر حصہ اسی چشمہ علمی کا رہین منت ہے۔

چونکہ اس مقدس شہر کی عالمگیر تابناک شہرت سے مستشرقین جو اس باختہ ہو کر اس کی قدامت کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے ہم نے باب دوم میں ان کی مایہ ناز کتب سے ان کے بے بنیاد نظریات کا بطلان ثابت کیا ہے تاکہ سادہ لوح مسلمان ان کے فریب میں نہ آنے پائیں۔

اگرچہ حوالہ جات کے ضبط و اخذ میں بے حد احتیاط سے کام لیا گیا ہے تاہم شعوری یا غیر شعوری طور پر کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اہل علم حضرات اس سے متنبہ فرما کر اس کی اصلاح میں میری رہنمائی فرمائیں۔

بارگاہ خداوند کریم میں دست بدعا ہوں کہ وہ محض اپنے لطف و کرم سے اس حقیر خدمت کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے راقم آثم اور اس کام میں دامے، درمے، سخنے اور قدمے تعاون کرنے والے سب حضرات کے لیے اسے ذریعہ نجات اُخروی بنائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

کتاب کی ابتدا بوقت شب ۵ ار شعبان ۱۳۹۷ھ یکم اگست ۱۹۷۷ء

تکمیل جلد اول بعد نماز مغرب یکم جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ
۱۷ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء

محمد عبد المعبود
خطیب جامع مسجد بھولوں والی۔ رحمن پورہ
راولپنڈی

Marfat.com

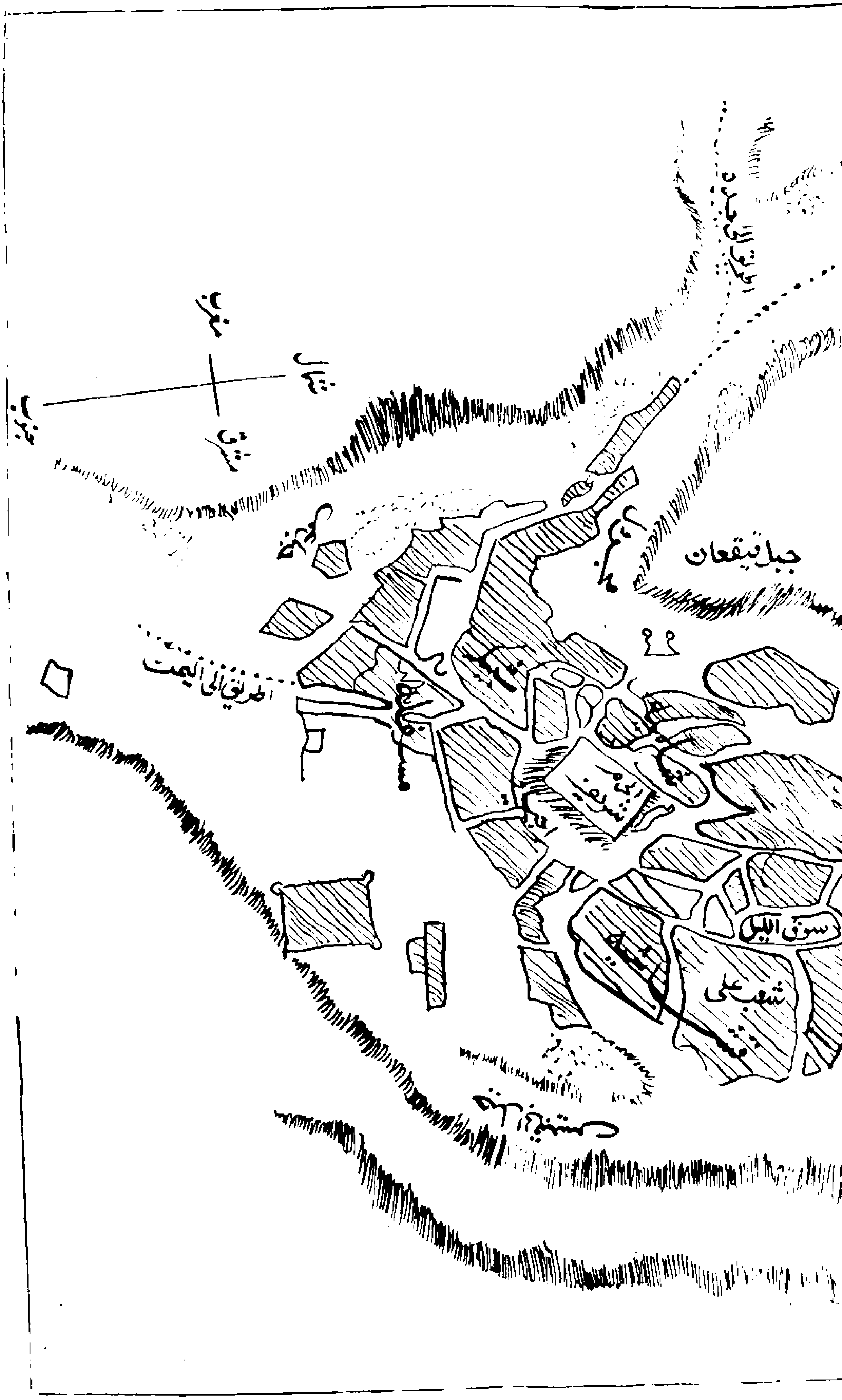
جبل قيقعان
الطريق الى اليمن
سوق الليل
شعب علي
شمال
جنوب
شرق
غرب

Marfat.com

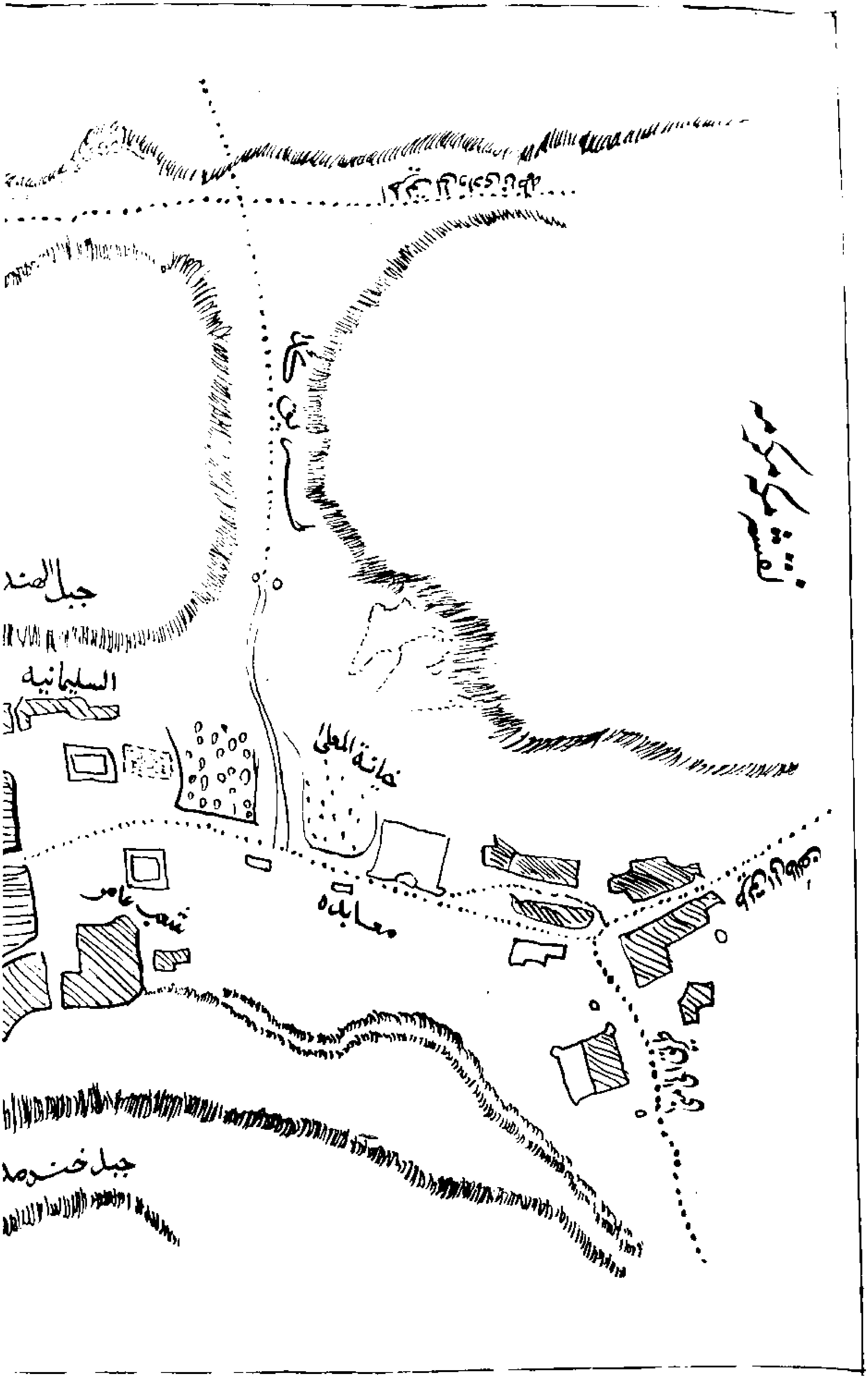

Marfat.com

فرمان والاشان حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بنام سلطان مقوقس مصر

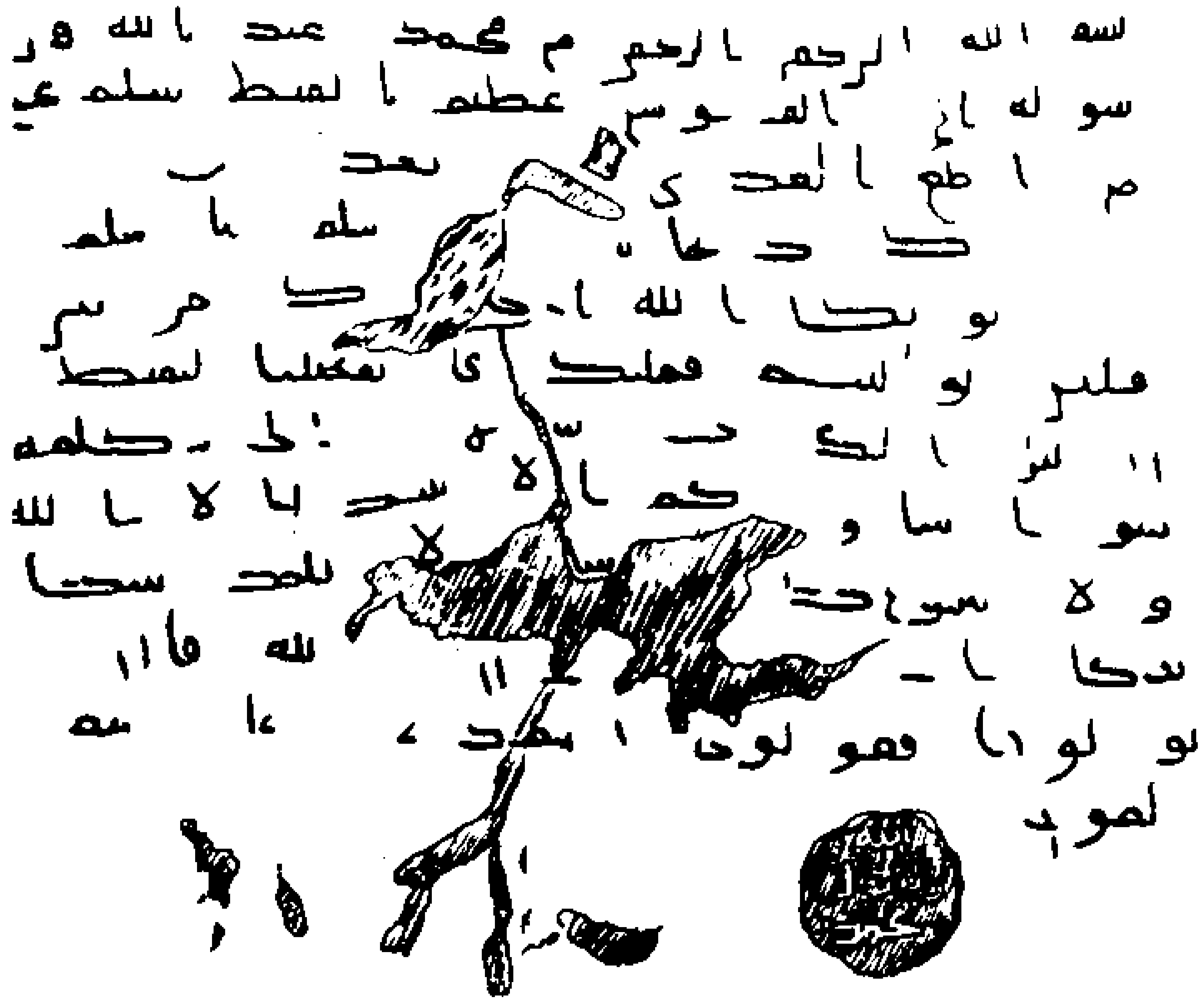

Marfat.com

باب اوّل

مکّہ مشرّفہ

مکّہ مکرّمہ کی تخلیق،
محل وقوع اور آبادکاری،

Marfat.com

○ المكۃ المکرمۃ

○ اسماءِ مقدسہ

○ ارضِ مکہ کی پیدائش

○ فضائلِ مکہ مشرفہ

○ شہرِ خوباں کی آبادکاری

○ خاندانِ ابراہیمی کا مکہ میں ورودِ مسعود

Marfat.com

مكة المكرمة زادها الله تعظيماً وتكريماً وتشريفاً ومهابة

یا مکہ مقدس، متبرک اور معزز نام اس قابلِ صد تعظیم و تکریم شہر کا ہے جس پر دنیا جہان کی عظمتیں اور رفعتیں قربان، جس کے چشمۂ فیض سے عالمِ انسانیت مستفیض ہو رہا ہے۔ جو خطۂ مقدسہ اس کرۂ ارضی کے وجود کا موجب اور باعثِ تخلیق بنا۔ جو اپنی لطافت، نظامت، شرافت، عظمت و جلالت، شرف و مجد میں یگانۂ روزگار ہے اور جس کی توصیف و تحمید سے، قرآن مجید احادیث سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم، اور تاریخ عالم کے اوراق مزیّن و معمور ہیں۔

وجہ تسمیہ قرآن مجید میں اس سرزمین پاک کو "بکّہ" اور "مکّہ" جیسے ذی شان ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ بکّہ اور مکّہ حقیقت میں ایک ہی لفظ ہے لیکن "بکّہ" کی با میم سے بدل کر مکّہ بن گیا۔ جس

Marfat.com

طرح لفظ "لازم" اصل میں "لازب" تھا مگر با میم کے ساتھ تبدیل ہوگئی اور لازم استعمال ہونے لگا۔[۱]

لفظ "مکہ" انسان کی زبان سے کس دور میں ادا ہوا، اور کتابوں کی زینت کب بنا؟ اس کے ابتدائی استعمال کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مورخ عصر حاضر علامہ سید سلیمان ندویؒ اس طرح رقمطراز ہیں۔

"سب سے پہلے یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ عرب، حجاز، مکہ اور کعبہ۔ جتنے الفاظ اور اسماء ہیں۔ اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے (یعنی جس وقت یہ شہر آباد ہوا ان ناموں سے لوگ ناآشنا تھے) لفظ "عرب" دسویں صدی قبل مسیح میں مستعمل ہوا (دیکھئے جغرافیہ بطلیموس) حجاز کا لفظ تو اس سے بھی زیادہ نیا ہے۔ اور مکہ کا نام تو دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے ہاں سب سے پہلے "مکاربا" کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے توریت میں اس مقام کا نام اولاً "مدبار" یعنی بادیہ بتایا گیا ہے اور قرآن مجید نے اسی کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کے زمین) کہا ہے۔ اس کے سوا مکہ شریف کی آبادی کے وقت اس کا کوئی دوسرا نام نہیں تھا۔ مدتوں کے بعد یہی لفظ یعنی مدبار بادیہ وصحرا اور وادی غیر ذی زرع اس سرزمین کا نام قرار پایا۔ لفظ عرب کے لغوی معنی بھی بادیہ اور صحرا کے ہیں اسی طرح مدبار "بادیہ" وادی غیر ذی زرع اور عرب سب ہم معنی الفاظ ہیں۔[۲]

سید صاحب نے بطلیموس کا زمانہ دوسری صدی بعد المسیح بتایا ہے جب کہ القفطیؒ نے سنہ ۲۸ عیسوی بیان کیا ہے[۳]۔ اور یہی تحقیق پطرس بستانی کی بھی ہے۔

اگرچہ اکثر مورخین کی رائے یہی ہے کہ تاریخ میں مکہ مکرمہ کا ذکر سب سے پہلے بطلیموس نے دوسری صدی عیسوی میں کیا تھا۔ لیکن بعض مغربی مورخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے دیودورس الصقلی نے سنہ ۶۰ قبل المسیح میں مکہ مکرمہ کا ذکر کیا تھا۔ جیسا کہ جرجی زیدان نے اپنی تصنیف عرب قبل الاسلام ص ۲۳۱ میں اور للاب لویس شیخو یسوعی نے النصرانیۃ وادابہا جلد ۱

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۸، قرطبی جلد ۴ ص ۱۳۸ [۲] ارض القرآن ص ۲۸۵ [۳] اخبار العلماء جلد ۱ ص ۶۸

Marfat.com

میں بیان کیا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسماءِ مقدّسہ

ماہرینِ عمرانیات اور مفسرین نے قرآن مجید، احادیث اور تاریخ کی کتابوں سے اس شہرِ خوباں کے مقدّس اسماء کو بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے نام جتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں کسی بھی دوسرے شہر کے نہیں ہیں۔ مگر اس شہرِ معظم کے نام مدینہ طیبہ کے اسماء سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ جو اس کی عزت و عظمت اور شرف و مجد کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

واعلم بان کثرۃ الاسامی دلالۃ ان المسمّٰی سامی

سب سے زیادہ مشہور نام "بکّہ" اور "مکّہ" ہے۔ اس شہرِ دلربا کو "بکّہ" کیوں کہا جاتا ہے؟ مفسرین اس کی عقدہ کشائی اس طرح فرماتے ہیں۔ کہ اس جگہ بڑے بڑے جابر اور ظالم لوگوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ اور ہر تکبر اور بڑائی کرنے والا یہاں آکر پست ہو جاتا ہے اس وجہ سے اسے بکّہ کہا جاتا ہے۔

اور اس بنا پر بھی کہ زائرین اور طواف کرنے والوں کا یہاں ہر گھڑی جمگھٹا رہتا ہے۔ مطاف ہر وقت کچھا کھچ بھرا رہتا ہے۔ اور اس کے گلی کوچے بھی لوگوں کے جمِ غفیر سے معمور رہتے ہیں۔[1]

مکّہ | یہ لفظ مک سے مشتق ہے۔ اور مک دھکیلنے اور جذب کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ شہر بہت زیادہ آباد ہے۔ چلنے اور طواف کرنے میں لوگ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں اور اس

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۸ تفسیر قرطبی جلد ۴ ص ۱۳۸

Marfat.com

کی یہ صفت بھی ہے کہ گناہ گار انسانوں کے گناہوں کو جذب کر لیتا ہے۔ علاوہ ازیں مکہ ایسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں پانی کی قلت ہو۔ نیز ظالم اور جابر کو تباہ و برباد کر دیتا ہے ان وجوہ کی بنا پر اسے مکہ کہا جاتا ہے[۱]۔ مکہ ایسی جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو اپنی مقناطیسی قوت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے اور اسے مکہ کہنے کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ شہر کرۂ ارضی کے وسط میں واقع ہے اور دنیا بھر کے دریاؤں اور چشموں کے پانی کا منبع بھی ہے۔ اس طرح تمام روئے زمین مکہ مشرفہ کے پانی سے سیراب اور فیض یاب ہو رہی ہے[۲]۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی حدود و قیود کو اس طرح بیان فرماتے ہیں، کہ فج سے تنعیم تک کا علاقہ مکہ اور بیت اللہ سے بطحا تک بکہ ہے۔

امام ابراہیمؒ، امام زہریؒ اور عکرمہؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ بیت اللہ شریف اور اس کے اردگرد کا علاقہ تو بکہ ہے اور باقی تمام شہر مکہ ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ قول منقول ہے کہ بکہ صرف بیت اللہ شریف ہے۔ اور اس کے ماسوا پورا شہر مکہ ہے۔ اور بکہ ہی وہ مخصوص مقام ہے جہاں طواف کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ طواف صرف حرم ہی کے اندر جائز ہے باہر نہیں کیونکہ باہر کا حصہ مکہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور یہی قول امام مالکؒ، امام ابراہیم نخعیؒ، امام عطیہ عوفیؒ اور امام مقاتل بن حسانؒ کا ہے۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ بکہ تو صرف بیت اللہ ہے اور جہاں تک حدودِ حرم ہیں وہ سارا مکہ ہے[۳]۔

علامہ طاہر کردی فرماتے ہیں۔ بکہ جبل ابی قبیس اور جبل قیقعان کے درمیان کا حصہ ہے۔

---

[۱] تاج العروس جلد ۷ لفظ مک۔ لسان العرب لفظ مکک [۲] تفسیر کبیر جلد ۳ صـ ۹ [۳] معجم البلدان جلد ۸ صـ ۱۳۴ ابن کثیر جلد ۱ صـ ۳۸۳ ۔ ابن جریر جلد ۴ صـ ۶

جب کہ یہ دونوں پہاڑ قریب قریب ہیں اور کعبہ شریف ان دونوں کے درمیان پایا جاتا ہے اور مکّہ اس پاکیزہ شہر کو کہا جاتا ہے۔ اور حرم کا اطلاق نہ تو بکہ پر ہوتا ہے اور نہ ہی مکّہ پر۔ بلکہ حرم شریف نے تو مکہ مکرمہ کو ہر سمت سے گھیرا ہوا ہے۔[1]

علاوہ ازیں اس متبرک شہر کے کئی اور نام بھی بیان کئے گئے ہیں۔

البیت العتیق۔ البیت الحرام۔ البلد الامین۔ المامون۔ اُم رُحم۔ اُم القریٰ۔ الصلاح۔ القرش۔ بروزن بُرد۔ (معجم البلدان میں یہ لفظ العرش مذکور ہے) القادس۔ الناسة۔ الباسّة۔ المعاد۔ المانرا۔ المعطشة۔ العروض۔ القریة۔ الکوثیٰ۔ القریة النمل۔ الحاطمة۔ البرّة۔ الطیبة الراس۔[2]

البیت العتیق جیساکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ[3] پھر قربانیوں کے حلال ہونے کی جگہ بیت العتیق ہے۔

چونکہ قربانی کا محل بیت اللہ شریف نہیں بلکہ منیٰ ہے اور جیساکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ اور منیٰ کی تمام گھاٹیاں اور پہاڑیاں قربانی کی جگہ ہیں۔ تو اس سے یہ واضح ہے کہ اس آیت قدسیہ میں بیت العتیق مکہ مشرفہ کو کہا گیا ہے نہ کہ بیت اللہ شریف کو۔[4]

المسجد الحرام اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکہ معظمہ کو المسجد الحرام کے خطاب سے بھی نوازا ہے جیساکہ فرمان ذی شان ہے۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ[5] مشرکین نجس ہیں پس یہ مسجد حرام کے قریب نہیں آسکتے۔

---

[1] تاریخ القویم جلد ۲ صد [2] ابن کثیر جلد ا صد ۳۸۳، اعلام الاعلام صد ۱۸۔ اخبار مکہ صد ۱۹۷ [3] پ ۱۷ رکوع ۱۱
[4] تفسیر کبیر جلد ۶ صد ۱۵۹ [5] سورہ توبہ رکوع ۴ آیت ۲۸۔

Marfat.com

امام عبدالرزاق نے عطا سے روایت نقل کی ہے کہ یہاں مسجدِ حرام سے مراد پورا حرم محترم یعنی مکہ معظمہ ہے[1]

مشرکین کا داخلہ صرف بیت اللہ میں نہیں بلکہ حدودِ حرم میں ممنوع ہے۔ اب تو حدودِ حرم پر تختیاں آویزاں ہیں جن پر لکھا ہوا ہے اس جگہ سے آگے مشرکین نہیں جا سکتے۔

اسی طرح حدیبیہ کے مقام پر جب مشرکینِ مکہ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین معاہدہ طے پایا تو اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا:-

اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[2]	مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجدِ حرام کے پاس

ایک اور جگہ فرمان ربّ العزّت ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ[3]	جو لوگ کافر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ اور مسجد حرام سے، جسے ہم نے سب لوگوں کے واسطے بنایا ہے اس میں برابر ہیں وہاں کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں یہاں بھی مسجدِ حرام سے پورا حرم شریف یعنی مکہ مکرمہ مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اَلْعَاكِفُ سے مراد قیام کرنا ہے اور یہ بات عیاں ہے کہ لوگوں کا قیام بیت اللہ میں نہیں بلکہ شہر کے مکانات میں ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں مسجدِ حرام سے مراد مکہ مشرفہ ہے[4]۔

اُمُّ الْقُرٰی فرمان باری تعالیٰ ہے:-

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا[5]	تاکہ آپ مکہ اور اس کے گرد و پیش والوں کو ڈرائیں

---

[1] روح المعانی جلد ۶ ص ۷، تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۱۹ [2] پ رکوع، سورہ توبہ [3] پ رکوع ا آیت ۲۵

[4] تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۱۵۴ [5] سورت شوریٰ رکوع ۱- آیت ۷

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ یہ شہر عزت و تکریم میں دنیا جہاں کے شہروں سے بزرگ و برتر ہے۔ اور چونکہ اسی کو پھیلا کر کرۂ ارضی وجود میں آیا ہے۔ اس لئے اسے اُم القریٰ کہا جاتا ہے۔

کُوثیٰ ۔ جبلِ قیعقعان کے دامن میں بنی عبدالدار کی قیام گاہ تھی اس نسبت سے کوثی اس شہر معظم کا نام رکھا گیا۔

قَرْيَةُ النَّمْلِ ۔ اس مقام پر چیونٹیوں کی کثرت پائی جاتی تھی۔

اَلْحَاطِمَةُ ۔ ظالم و جابر لوگوں کو تباہ و برباد کرنے یا اس جگہ سے باہر نکال دینے والا شہر۔

اَلْمَعَاد ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ[1]

ترجمہ جس نے آپ پر قرآن کا حکم بھیجا ہے، وہ پھر آپ کو پہلی جگہ لانے والا ہے۔

اس آیت میں اس شہر کو معاد فرمایا گیا ہے۔

اَلرَّأْس ۔ اس نام کی وجہ امام یاقوت الحموی یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ اس شہر کی شکل انسان کے سر کی مانند ہے اس لئے اسے الرأس کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

اَلْبَاسَّةُ[2] ۔ اس شہر کا خاصا ہے کہ یہ ملحدین کو ختم کر دیتا، یا باہر نکال دیتا ہے۔

یہ تو قدیم مورخین و مفسرین کی بیان کردہ تفصیلات تھیں، لیکن قاضی ابو البقاء ابن الضیاء الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تیس اسماء مبارکہ بیان فرمائے ہیں جو چند ابیات میں منظوم ہیں جنہیں علامہ طاہر کردی مدظلہ نے نقل فرمایا ہے۔

لمكة اسماء ثلاثون عددت ومن بعد ذالك اثنان منها اسم بكة

---

[1] القصص رکوع ۹ [2] اعلام الاعلام ص۱۱، المعجم البلدان جلد ۸ ص۱۳۵

Marfat.com

صلاح وكوثى والحـ ـامر قادس   وحاطمة البلد العريش بقريـة

ومعطشة ام القرى رحم ناسة   ونابتة رأس بسفتح لهمزة

مقدسة والقادسة ونساسة   ورأس وتاج ام كوثى كـ ـرة

سبوحة عرش ام رحمان عرشنا   كـذا حرم البلد الامين كبدة

كذلك اسمها البلد الحرام لامنها   وبالمسجد الاسنى الحرام تسمت

وما كثرة الاسماء الا لفضلها

حباها به الرحمن من اجل كعبة[1]

علامہ جمال الدین محمد جار اللہ علیہ الرحمۃ نے "جامع اللطیف" میں اس سے زیادہ اسماء مقدسہ قلم بند فرماتے ہیں:۔

بكة[1] مكة[2] البلدة[3] البلد[4] القرية[5] ام القرى[6] معاد[7] الوادى[8]
ناسة[9] نساسة[10] الحاطمة[11] صلاح[12] العرش[13] العريش[14] القادس[15] المقدسة[16] القادسة[17]
كوثى[18] الحرم[19] برة[20] المسجد الحرام[21] المعطشة[22] الرتاج[23] ام رحم[24] ام زحم[25] ام صبح[26]
ام روح[27] بساق[28] البيت العتيق[29] الرأس[30] المكتان[31] النابية[32] ام الرحمة[33] ام كوثى[34]
الباسة[35] نساسة[36] الناشئة[37] البساسة[38] طيبة[39] سبوحة[40] السلام[41] العذراء[42]
زادق[43] العرش[44] العروليش[45] المحرمة[46] الحرمة[47] العروض[48] السيل[49] مخرج صدق[50]
قرية الحمس[51] ام راحم[52] قرية النمل[53] نقرة الغراب[54] البينة[55] فادان[56] [2]

---

[1] تاریخ القویم جلد ۱ ص ۲۸   [2] جامع اللطیف ص ۹۵ تا ص ۱۰۳

Marfat.com

ارضِ مکّہ کی پیدائش

امام واحدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بسیط میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں، کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین خالقِ کائنات نے زمین کے دوسرے اجزاء کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائی، اور اس کے چار رکن یعنی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں[1]

پانی کی سطح پر ابھرنے والا وہ مقدس خطہ (بیت اللہ شریف) جسے زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل حق تعالیٰ شانہ نے وجود بخشا۔ وہ مکہ مشرفہ ہی کی سرزمین تھی۔ جو پانی کے اوپر سفید جھاگ کی مانند تھی۔ پھر اسی کے نیچے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین بچھادی۔ یعنی اسے پھیلا کر اطراف و اکناف

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ صد ۶ تفسیر قرطبی جلد ۴ صد ۱۳

Marfat.com

عالم تک پہنچا دیا گیا۔[1]

یہ قول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ اور حضرت سدی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا ہے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ شریف کو پانی کے چار ستونوں پر کھڑا کیا گیا جن کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں پھر زمین اس کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔[3]

کَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ھود آیت ۷) کے ضمن میں مصنف عبدالرزاق میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت مذکور ہے کہ ہر ایک چیز کی پیدائش سے پہلے اللہ جل شانہٗ نے پانی پیدا فرمایا۔ اور پانی کو ہوا پر ٹھہرایا، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں پانی سے بخارات اُڑتے رہتے تھے جس طرح دریاؤں سے اڑتے ہیں۔

اور عطاء سے روایت ہے کہ اللہ کریم نے ایک ہوا بھیجی، جس سے پانی میں ہل چل پیدا ہو گئی اور اس حرکت سے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بیت اللہ والی جگہ قبہ نما ایک ٹیلہ پیدا فرما دیا۔ اسی جگہ دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف بنایا گیا۔ اسی وجہ سے اس شہر کو اُمّ القُریٰ کہا جاتا ہے۔[4]

ایک روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ روئے زمین کے وسط میں واقع ہے اور یہ زمین کی ناف ہے اس لئے اسے اُمّ القُریٰ کہا جاتا ہے۔ اور یہ بیت المعمور کا سایہ ہے۔[5]

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ   سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ صہ ۶ [2] تفسیر قرطبی جلد ۲ صہ ۱۲۰ [3] تاریخ کعبہ صہ ۳۴ [3] تفسیر طبری جلد ۱ صہ ۷، ۵۲ مصنف عبدالرزاق جلد ۵ صہ ۹۲ [4] مصنف عبدالرزاق جلد ۵ صہ ۹۱، معجم البلدان جلد ۲ صہ ۲۵۶ [5] تفسیر کبیر جلد ۳ صہ ۹، معجم البلدان جلد ۲ صہ ۲۵۶

Marfat.com

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق روئے زمین پر اللہ جل و علی شانہٗ کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر کعبہ مشرفہ ہی بنایا گیا تھا۔ اگرچہ لوگوں کی بود و باش کے لئے بے شمار مکانات موجود تھے۔ آپ فرماتے ہیں روئے زمین پر سب سے پہلا گھر برکت کے اعتبار سے بیت اللہ شریف بنا ہے۔ ایک دوسری روائت میں ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا سب سے پہلا گھر بیت اللہ ہے جو کہ بکہ میں واقع ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا، اگر اس سے پہلے مکانات نہیں تھے تو پھر قوم نوح اور قوم ہود کہاں رہتی تھی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ برکت اور ہدایت کے لئے سب سے پہلا گھر بیت اللہ بنا ہے۔[1]

علاّمہ طاہر کردی فرماتے ہیں۔ مکہ مکرمہ دنیا کا دل اور زمین کے وسط میں واقع ہے اور کعبہ شریف اس نقطہ کی مانند ہے جو کسی دائرہ کے وسط میں ہوتا ہے۔[2]

محل وقوع

مکہ مکرمہ کا محل وقوع دنیا میں سب سے پہلے بطلیموس المتوفی ۲۸۳ ق م نے حسب ذیل بیان کیا تھا

طول بلد ۷۰ درجہ اور عرض بلد ۳۰ درجہ[3]

لیکن عرب جغرافیہ دانوں کی تحقیقات میں یہ غلط ثابت ہوا۔ انہوں نے اس کی اصلاح کر کے اسے درست کیا۔ چنانچہ علاّمہ فرید وجدیؒ جو ایک مشہور عالم اور جغرافیہ دان ہیں، لکھتے ہیں :

طول بلد ۴۰ درجہ ۹ وقیقہ، عرض بلد ۲۱ درجہ ۲۸ دقیقہ اور سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً

---

[1] ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۷ [2] تاریخ القویم

[3] جغرافیہ بطلیموس

Marfat.com

۳۳۰ میٹر ہے۔[1]

علامہ طاہر کردی مدظلہ نے الشیخ السباعی کی تحقیق کے مطابق طول بلد ۴۰ درجہ، عرض بلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور سطح سمندر سے ارتفاع ۲۸۰ میٹر نقل کیا ہے۔[2]

جب کہ موصوف نے اپنی تحقیق کے مطابق طول بلد ۳۹ درجہ ۳۹ دقیقہ ۳۰ ثانیہ اور عرض بلد ۲۱ درجہ ۲۵ دقیقہ اور ارتفاع ۳۳۰ میٹر بیان کیا ہے۔[3]

راقم الحروف ہیچمدان جسے اس علم سے کوئی خاص مناسبت نہیں ہے۔ مگر میری سمجھ میں زیادہ صحیح علامہ یاقوت حموی کی مذکورہ تحقیق ہے۔

علامہ طاہر کردی مدظلہ نے اس مقدس شہر کے بعض دوسرے مقامات کا ارتفاع بھی بیان کیا ہے۔

محلہ معابدہ	سطح سمندر سے	۳۱۱ میٹر بلند ہے
محلہ جرول	〃 〃	۲۷۸ 〃 〃
جبل ابی قبیس	〃 〃	۴۲۰ 〃 〃
جبل قعیقعان (جبل ہندی)	〃 〃	۴۳۰ 〃 〃
جبل حراء بالائی حصہ میں	〃 〃	۶۳۴ 〃 〃
جبل ثور نشیبی علاقہ میں	〃 〃	۷۵۹ 〃 〃
جبل رخم بالائی حصہ میں	〃 〃	۸۸۳ 〃 〃
جبل رحمت	〃 〃	۳۴۰ 〃 〃
جبل سعد۔ جو عرفات کے مشرق میں ہے	〃 〃	۷۳۶ 〃 〃
صفا مروہ[4]	〃	۳۷۵ 〃 〃

[1] دائرۃ المعارف جلد ۹ صد ۳۰۲ [2] تاریخ القویم جلد ۱ صد ۲۰۳ [3] تاریخ القویم جلد ۱ صد ۲۹ [4] تاریخ القویم جلد ۱ ۲۹

Marfat.com

قاضی سلیمانؒ منصور پوری تحریر فرماتے ہیں۔

کُرۂ ارضی پر آباد دنیا کو دیکھیں کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ عرض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ ۸۰ درجے تک آباد ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ درجہ جن کا نصف ۶۰ درجہ ہوتا ہے جب ۶۰ کو ۸۰ درجہ شمال میں تفریق کریں تو ۲۰ رہ جاتے ہیں۔ اور اسی طرح ۶۰ درجہ سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تو بھی ۲۰ درجہ شمالی ہے اور مکہ معظمہ ½ ۲۱ درجے پر آباد ہے۔ اس لئے کل کرۂ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔

لغات کی کتابوں میں اسے نافِ زمین کہا گیا ہے۔ اور ناف بھی انسان کے جسم کے عین وسط میں نہیں ہوتی بلکہ تقریباً وسط میں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ بھی وسطِ حقیقی کے قریب تر واقع ہے۔[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

پرانی دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا، یورپ، افریقہ اور اوقیانوس کے براعظموں میں جزیرہ نما عرب کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ مرکز ایشیا میں ہوتے ہوئے بھی افریقہ اور یورپ سے بہت قریب ہے۔ خاص کر ان دونوں براعظموں کے اس زمانہ کے متمدن ترین علاقے مصر اور روما سے بھی مرکزیت تھی۔ جو عرب کے مرکز مکہ مکرمہ کو نافِ زمین کا لقب دینے کا موجب بنا۔

کسی مرکز سے ہر انتہائی حصہ قریب ترین ہوتا ہے اور کسی بھی جگہ پہنچنا مرکز ہی سے سہل تر ہوتا ہے۔ آب و ہوا کا اثر طبائع اور اخلاق پر جو کچھ پڑتا ہے، وہ ایک مسلّم حقیقت ہے۔ سرد ممالک کے باشندوں کی ذکاوت، پہاڑی اور صحرائی لوگوں کی جفاکشی اور زرخیز ممالک کے رہنے والوں کی تمدّنی، معاشرتی اور اقتصادی ترقی قدرت کے بنائے ہوئے مسلمہ قوانین کے تابع ہوتی ہے جن کی جھلک

---

[1] رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۳۰۔

Marfat.com

باہمہ وجوہ اس شہر خوباں میں موجود ہے ۔

جب یہ مقدس شہر ناف زمین پر آباد اور زمینوں بر اعظموں کے وسط میں واقع ہے تو کسی عالمگیر تحریک و تبلیغ کے لئے اس سے بہتر اور موزوں مرکز کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معلّم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و ترویج دین کی مرکزیت کا سہرا اسی شہر کے سر ہے ۔

یہاں کے باشندے زمانہ قدیم سے تجارت پیشہ ہیں۔ تاریخ ان کی صنعت و حرفت اور دستکاری کے تذکرہ سے خاموش ہے۔ البتہ تجارت میں کپڑا، غلہ، چمڑا، خشک میوے، اسلحہ اور عطریات وغیرہ اہم اشیاء تھیں[1]

اتجاہ القبلۃ

مقیاس الرسم

[1] رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۳

Marfat.com

حدود اربعہ

عالم نبیل مورخ جلیل امام فاکہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ مشرفہ کا حدود اربعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

مکہ معظمہ اللہ تعالیٰ اس کی عزت عظمت اور شرف و مجد کو ابد تک بالا فرمائے، ایک مستطیل شہر ہے جس کا ایک مبدا اور نہایت ہے۔ مبدا المعلاۃ جہاں قبرستان جنت المعلاۃ ہے اور اس کی انتہا الشبیکہ اور شارع یمن سے مولد سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب تک ہے۔ اور اس کا عرض جبل جبرائیل اور جبل ابی قبیس کے مابین واقع ہے۔ جبل جبرائیل کا نام علامہ ازرقی نے جبل احمر لکھا ہے اور جبل ابی قبیس اور جبل جبرائیل دونوں کو جبلین الاخشبان کہا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس شہر میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ بے شمار مخلوق نہایت آسانی سے سما جاتی ہے۔ ایام حج میں لاتعداد انسانوں کا جم غفیر یہاں آتا ہے مگر سب سما جاتے ہیں۔ (فاکہی)

محمد بن حوقل المتوفی ۳۶۷ھ مطابق ۹۷۷ عیسوی نے ۳۴۱ھ میں لکھا تھا۔

شمالاً جنوباً طول معلاۃ سے مسفلہ تک ۲ میل اور جیاد کے نیچے سے قیقعان کی پشت تک عرض ۲ میل ہے۔[1]

امام المورخین علامہ تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۸۳۲ھ نے حدود اربعہ اس طرح بیان فرمایا تھا:-

باب معلاۃ سے باب ماجن تک ۴۴۷۲ ذراع اور باب معلاۃ سے شبیکہ تک ۴۴۹۲ ذراع[2]

---

[1] صورۃ الارض صد ۲۸ [2] شفاء الغرام صد ۶۹

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۹۸۵ھ میں حسب ذیل پیمائش بیان کی تھی۔

باب معلاۃ سے باب ماجن تک ۴۰۷۲ ذراع اور باب معلاۃ سے شبیکہ تک ۱۴۱۲ ذراع[1]

فواد ہاشم دمشقی نے بھی جزیرۃ العرب صفحہ ۶۶ میں یہی حدود بیان کی ہیں۔

علامہ محمد لبیب البتنونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۳۲۹ھ میں حسب ذیل حدود بیان فرمائی ہیں۔

شمالاً جنوباً ۳ کلومیٹر لمبا اور شرقاً غرباً جبل ابی قبیس سے جبل قعیقعان تک ۱½ کلومیٹر چوڑا[2]

علامہ ابراہیم رفعت پاشا اسی کی موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

یہ شہر مغرب سے مشرق تک طول میں تقریباً ۳ کلومیٹر کی مسافت اور عرض میں ۱½ کلومیٹر ہے۔ ایک وادی میں جو شمال سے جنوب کی طرف جاری ہے پھیلا ہوا ہے اور یہ پہاڑوں کے دو سلسلوں سے جو مشرق، مغرب اور جنوب یعنی شہر کے تینوں دروازوں پر قریب باہم مل جاتے ہیں گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک آدمی اس کے دروازوں تک نہ پہنچ جائے اس کی عمارتیں نظر نہیں آتیں ہیں[3]

مولانا عبدالسلام ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۳۴۲ھ میں حدود کی تفصیلات اس طرح بیان فرمائی تھی:۔

مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا شمالی سلسلہ مغربی جانب میں جبل فلیج، جبل قعیقعان، جبل ہندی، جبل لعلع اور جبل کدا پر مشتمل ہے۔ یہ تمام پہاڑی سلسلہ شہر کے بالائی حصہ میں واقع ہے۔ جنوبی حصہ کی مغربی جانب جبل ابی حدیدہ اور جبل کدی جو جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے واقع ہیں۔ پھر جبل ابی قبیس جو ان دونوں کے مشرقی جانب ہے، سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد جبل خندمہ ہے۔ ان تمام

---

[1] اعلام الاعلام صفحہ ۱۵ [2] رحلۃ الحجازیہ صفحہ ۱۹۰ [3] مرآۃ الحرمین جلد ۱ صفحہ ۲۰۳

Marfat.com

پہاڑوں کی چوٹیوں اور ہموار جگہوں میں بنے ہوئے چھوٹے بڑے مکانات کی مجموعی تعداد تقریباً سات ہزار ہے جن میں کم و بیش دو لاکھ نفوس ایام حج میں اقامت پذیر ہوتے ہیں[1]۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا

مکہ یا بکہ جس کا نام ام القریٰ بھی ہے حجاز کا دار الحکومت ہے۔ یہ ایک بوڑھے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کی بنا، ایک نوجوان پیغمبر اسمٰعیل علیہ السلام کی ہجرت گاہ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے۔ اس شہر کے چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیوار کھینچ دی ہے۔ یہ بالفعل شہر شرقاً غرباً تقریباً ۳ کلو میٹر لمبا اور جنوباً شمالاً تقریباً ۱ کلو میٹر چوڑا ہے۔ اس کے شمال میں جو سلسلہ ہے جبل الفلق، جبل قعیقعان، جبل ہندی، جبل لعلع اور جبل کدا سے مرکب ہے۔ یہ جبل کدا وہی پہاڑ ہے جس کی راہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن شہر میں داخل ہوئے تھے۔ جنوب کا سلسلہ جبل ابو حدیدہ، جبل کُدی اور جبل ابی قبیس کے بعض سلسلے سے مرکب ہے۔ مشرق میں جبل ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبل خندمہ اور مغرب میں جبل عمر واقع ہے[2]۔

انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار کے مطابق حدود اربعہ اس طرح ہے۔

مکہ شہر کی حدود اندازاً ایک ہیرے کی شکل میں ہے۔ اس کا طول شمال سے جنوب تک ۲۵ میل ہے جب کہ (جدہ روڈ پر واقع) تنعیم سے باب اقصٰی جو مسفلہ کی جانب [illegible] روڈ پر ہے تک کا فاصلہ ۱۲ میل ہے۔ اور اشماس (مقام حدیبیہ) شہر سے مغرب میں ۱۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔

لیکن انسائیکلوپیڈیا ۱۹۷۷ء کے ایڈیشن میں مکہ مکرمہ کا کل رقبہ ۱۰ مربع میل بیان کیا گیا ہے[3]۔

۱؎ تاریخ حرمین شریفین ندوی ص ۲۶ ۲؎ ارض القرآن [illegible] ۳؎ انسائیکلوپیڈیا [illegible]

Marfat.com

مذکورہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کی آبادی میں سعودی حکومت کے مبارک دور میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ورنہ صدیوں سے آبادی جوں کی توں تھی، اس عہد میں تمدنی ترقی نے اس جمود کو توڑ دیا۔

اس شہر میں داخل ہونے یا باہر جانے کے لئے قدیم زمانہ میں صرف تین ہی راستے تھے۔ مورخین ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:-

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

طریق کدا:- یہ سڑک عراق، طائف اور عرفات کی طرف جاتی ہے۔ اور فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستہ سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔

طریق جدّہ۔ یہ سڑک مدینہ منورہ، جدّہ، شام اور مصر وغیرہ کی طرف جاتی ہے۔

طریق یمن۔ یہ راستہ یمن کی سمت جاتا ہے۔ ایک اور راستہ الجون بھی ہے مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔[1]

مورخ شہیر علامہ تقی الدین فاسی رقمطراز ہیں۔

پہاڑوں کی قدرتی تنصیب (SETTING) شہر پناہ کا کام دیتی ہے۔ ازمنۂ قدیم میں ان راستوں پر تین دروازے بنے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام **باب المعلاۃ** تھا۔ اس میں دو دروازے تھے۔ ایک تو اب بالکل بند پڑا ہے اور دوسرے کے کواڑ نہیں ہیں۔ دوسرا دروازہ **باب الشبیکہ** تھا۔ اس میں ایک بڑا دروازہ اور ایک کھڑکی تھی اور تیسرا دروازہ **باب الیمن**[1] کے نام سے شہرت پذیر تھا۔ کیونکہ یہ سڑک یمن کی طرف جاتی تھی۔ آج کل اسے مِسفلہ کہتے ہیں۔[2]

---

[1] ازرقی، جلد ۲ صفحہ ۲۸۸ [2] شفاء الغرام ص ۶۶

Marfat.com

مؤرخ عصر حاضر علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں۔

شمالی دروازہ جو معلاۃ کی جانب تھا، طائف، نجد اور اس کے ملحقہ علاقوں سے آنے والے لوگوں کا راستہ ہے غربی دروازہ جسے باب الشبیکہ کہا جاتا تھا، یہ جدہ، مدینہ منورہ اور سمندری مسافروں کے داخل ہونے کا راستہ ہے۔ اور جنوبی دروازہ مسفلہ کی سمت واقع تھا جس سے یمن کے لوگ آتے ہیں۔

اس دور میں دروازے وغیرہ تو قطعاً ختم ہو چکے ہیں بلکہ ان سے کہیں دور دور تک آبادی پھیل گئی ہے اور تین کی بجائے اب چار راستے بن گئے ہیں۔

مشرق میں دو سڑکیں ہیں	درب الشرائع اور طریق منیٰ
مغرب میں چار سڑکیں ہیں	باب جدہ، ریع ابی لہب، ریع الکحل اور درب البنداویہ
شمال میں تین سڑکیں ہیں	ریع اللصوص، ریع اذاخر اور درب الخانسہ
جنوب میں بھی تین سڑکیں ہیں	طریق المنفجر، ریع کدی اور طریق مسفلہ[1]

۱۳۹۶ھ اور ۱۴۰۰ھ ہجری دو سالوں میں سعودی حکومت نے ان راستوں سے گزرنے والی سڑکوں کی تعداد میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں دیئے ہوئے نقشہ سے ظاہر ہے۔

موسم | مکہ مکرمہ کا موسم اور ہوا کا رخ اکثر تبدیل ہوتا رہتا ہے چنانچہ مؤرخ حجاز علامہ رفعت پاشا مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:۔

آب و ہوا گرم خشک ہے جنوری میں درجہ حرارت ۱۸ ڈگری سنٹی گریڈ (۶۴.۴ فارن ہیٹ) فروری میں ۲۰ ڈگری سنٹی گریڈ (۶۰ فارن ہائیٹ) مارچ میں ۲۳ ڈگری سنٹی گریڈ (۷۳.۴ فارن ہیٹ)

---

[1] تاریخ القویم جلد ۲ صفحہ ۶۱

Marfat.com

اپریل میں ۲۴ ڈگری سنٹی گریڈ (۲ء ۷۵ فارن ہائیٹ) مئی میں ۲۷ ڈگری سنٹی گریڈ (۶ء ۸۰ فارن ہائیٹ) جون اور جولائی میں ۲۹ ڈگری سنٹی گریڈ (۲ء ۸۴ فارن ہائیٹ) اگست میں ۳۰ ڈگری سنٹی گریڈ (۸۶ فارن ہائیٹ) اکتوبر میں ۲۵ ڈگری سنٹی گریڈ (۷۷ فارن ہائیٹ) نومبر میں ۲۴ ڈگری سنٹی گریڈ (۲ء ۷۵ فارن ہائیٹ) دسمبر میں ۲۰ ڈگری سنٹی گریڈ (۶۸ فارن ہائیٹ) اور زیادہ سے زیادہ ۳۹ ڈگری سنٹی گریڈ (۲ء ۱۰۲ فارن ہائیٹ) تک ہوتا ہے۔

ہوائیں مختلف سمتوں سے چلتی رہتی ہیں اگر ایک وقت میں شمالی ہوا چل رہی ہے تو دوسری ساعت میں مغربی اور تھوڑی دیر بعد جنوبی اور کچھ وقفہ بعد مشرقی ہوا شروع ہو جاتی ہے۔[1]

علامہ فرید وجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:۔

مکہ میں ہوا اپنا رُخ اکثر تبدیل کرتی رہتی ہے۔ اہالیانِ مکہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستّر قسم کی ہوائیں پیدا کی ہیں ۶۹ صرف مکہ کے لئے اور ایک پوری دنیا کے لئے۔ ہوا پہاڑوں میں بل کھاتے ہوئے اس طرح چلتی ہے جیسے پانی کی سطح پر بھنور ہوتا ہے۔ اسی لئے لوگوں نے مکانات کے اوپر منافذ (روشندان) بنا رکھے ہیں جن سے ہر رُخ کی ہوا داخل ہوتی رہتی ہے۔

سب سے عمدہ ہوا مغربی سمت کی ہوتی ہے کیونکہ مغرب میں سمندر واقع ہے جس سے مرطوب اور خوشگوار ہوا آتی ہے۔ اس کے بعد شام کی جانب سے آنے والی ہوا بھی خوشگوار ہوتی ہے جسے شمالی ہوا کہا جاتا ہے۔ لیکن مشرقی اور جنوبی ہوائیں گرم ہوتی ہیں۔[2]

ڈاکٹر ایچ بی خان لکھتے ہیں:۔

شہر نشیب سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جن کی بلندی ۲۰۰ فٹ سے ۶۰۰ فٹ تک ہے۔ اور

---

[1] مرآۃ الحرمین جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ [2] دائرۃ المعارف جلد ۹ صفحہ ۳۴۸

Marfat.com

پہاڑ قدرتی شہر پناہ کا کام بھی دیتے ہیں سطح سمندر سے ۳۳۰ میٹر بلند ہے۔ بعض اوقات آب و ہوا سردیوں میں ۳۵ ڈگری سنٹی گریڈ اور گرمیوں میں ۵۰ ڈگری سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتی ہے یعنی سردیوں میں معمولی سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ اوسط درجہ حرارت ۲۵ ڈگری سنٹی گریڈ ہوتا ہے۔ یہاں دن رات اکثر برابر ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹہ کا فرق ہوتا ہے[1]۔

مردم شماری | اس مقدس شہر کی آبادی کی تعداد علامہ قطب الدین نے ۹۲۳ھ میں مردوں، عورتوں اور بچوں سمیت ۱۲۰۰۰ بیان کی تھی[2]

بعد ازاں علامہ فواد ہاشم نے مختلف ادوار میں حسب ذیل اعداد و شمار بیان کئے ہیں:

۱۲۵۰ھ میں ۱۸۰۰۰، ۱۸۷۰ء میں ۲۵۰۰۰، ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں ۱۰۰۰۰ (یہ صرف مردوں کی تعداد ہے) علامہ رفعت پاشا نے ۱۳۲۰ھ میں ۲۰۰۰۰، البتنونی نے ۱۳۲۹ھ ۱۵۰۰۰ اور ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء ۲۰۰۰۰[3]

علامہ لبیب بتنونی نے چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں جو اعداد و شمار بیان کئے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اہالی	۵۰۰۰۰	جاوا	۱۵۰۰۰
اعراب	۲۵۰۰۰	سلیمانیہ اور افغان	۱۰۰۰۰
بخارا	۲۰۰۰۰	شورم	۵۰۰۰
ہندوستان	۱۲۰۰۰	مغربی	۵۰۰۰

مختلف ممالک ۸۰۰۰۔ اس طرح مجموعی تعداد ۱۵۰۰۰۰ ہے[4]

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق ۱۹۶۲ء میں ۲۰۵۰۰۰ مردم شماری تھی۔ مگر جدید ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں تین لاکھ کا تخمینہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح عربی کی مشہور عالم لغت منجد میں بھی تین لاکھ تعداد بتائی گئی ہے۔ لیکن ڈاکٹر ایچ۔ بی خان صاحب نے روزنامہ جنگ کراچی کے شمارہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء کالم ۷ کے حوالہ سے تین لاکھ چھیاسٹھ ہزار سات سو ایک تعداد بیان کی ہے[5]

---

[1] شاہراہ مکہ صد ۴۴ [2] اعلام الاعلام ۲۸۵ [3] جزیرۃ العرب صد ۱۸۳ [4] رحلۃ الحجازیۃ صد ۴۰
[5] ،، صد ۴۵

Marfat.com

کعبہ شریف سیلاب میں گھرا ہوا ہے

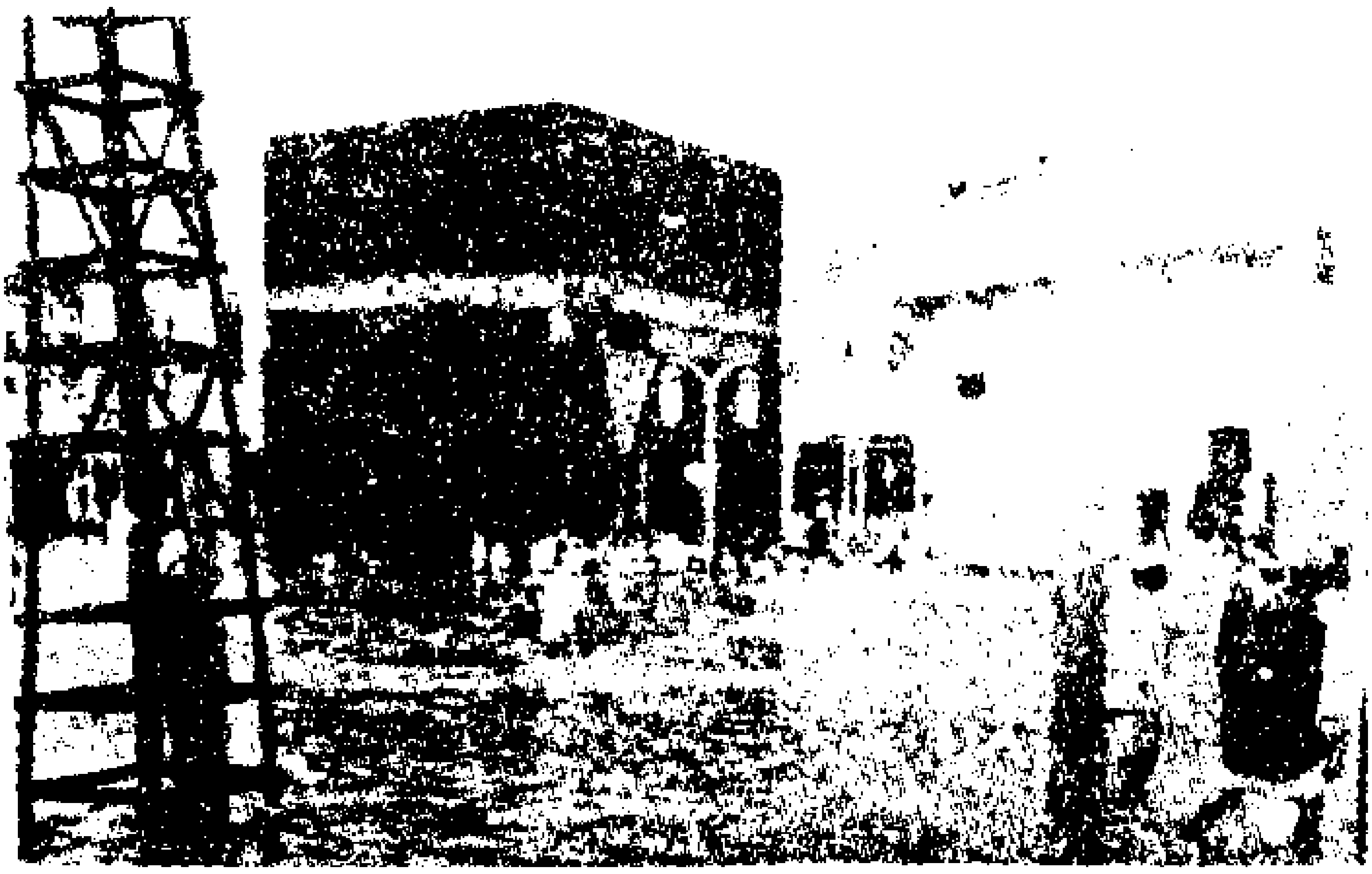

مطاف، حرم شریف اور برآمدہ میں سیلاب کا منظر جب کہ کعبہ شریف
حجرِ اسود تک پانی میں ڈوبا ہوا ہے

Marfat.com

مکّہ معظّمہ کے محلّے

خلافت عثمانیہ میں محلوں کی تعداد اور تفصیلات الشیخ رفعت پاشا وامرائے مصر نے حسب ذیل بیان کی ہیں :-

(۱) جرول ۔ اس کے قریب جبل حجیشیہ ہے ۔ یہاں بڑے بڑے گڑھے ہیں شریف عون رفیق کا باغ بھی اسی محلہ میں ہے ۔ بیر ذی طوی جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف میں داخل ہوتے وقت غسل فرمایا تھا اسی میں واقع ہے ۔ یہاں محمل مصری رکھنے کا مکان بھی بنا ہوا ہے ۔ اور سلطان عبدالحمید خان نے اس جگہ حجاج کے لئے مسافر خانہ بھی بنوایا تھا ۔

(۲) مسفلہ ۔ حرم شریف کے جنوب میں واقع ہے اس میں شریف عبداللہ کا باغ اور سیدنا حمزہ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت کے مکانات ہیں ۔

(۳) جیاد ۔ حرم شریف سے جنوب مشرق میں ہے یہ محلہ پورے شہر میں زیادہ خوبصورت ہے

Marfat.com

کیونکہ اس کی سڑکیں کشادہ اور مکانات ترکی طرز کے عالیشان بنے ہوئے ہیں۔ اس میں ترکی حکومت کا دیوان بھی ہے۔ بعض لوگ جھونپڑیوں میں بھی گزر بسر کرتے ہیں۔ یہاں فوج کے قیام اور ضرورت کے لئے ایک میدان ہے۔ اسی محلہ میں امیریہ پریس، ڈاکخانہ، ٹیلیگراف آفس، ہسپتال اور کئی دیگر سرکاری دفاتر ہیں۔ یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔

(۴) قشاشیہ۔ حرم شریف سے مشرق کو ہے۔ اس کے مشرقی حصہ میں شعب علی جسے شعب بنی ہاشم بھی کہا جاتا ہے واقع ہے۔ اسی میں دار الخیزران، دار ارقم بن ابی ارقم، دار ابی سفیان اور بنی شیبہ کے مکانات تھے۔ علاوہ ازیں بیت خدیجہ اور مولد فاطمہ بھی تھے۔

اور اسی محلہ میں ابوجہل کا مکان بھی تھا۔ جس کی جگہ اب بیت الخلاء بنے ہوتے ہیں۔ یہ جگہ باب النبیؐ کے سامنے واقع تھی (اس جگہ زیر زمین تقریباً ۵۰۳ بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں)

(۵) الغزہ۔ حرم سے شمال مشرقی جانب ہے۔ اس میں بیت الامارت تھا جس میں محمد علی پاشا رہتے تھے۔ مگر اس وقت عون رفیق پاشا قیام پذیر ہیں۔

(۶) شعب بنی عامر۔ یہ غزہ کے شمال میں ہے اس میں مولد النبیؐ، مولد علی اور بنی ہاشم کے مکانات تھے۔ اس کے شرقی حصہ میں زمانۂ جاہلیت میں بنی عبد المطلب آباد تھے۔ لیکن آج کل یہاں اشراف مکہ مقیم ہیں۔ قریش کے مکانات زیادہ تر حرم شریف کے شمال کی طرف تھے۔

(۷) الشامیہ۔ حرم کے شمال مغربی سمت ہے۔ یہاں بہت بڑا بازار ہے جس میں جواہرات اور دیگر قیمتی اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔

(۸) القرارہ۔ محلہ شامیہ کے شمال میں ہے۔ اس میں امیر مکہ شریف عبد المطلب کا محل ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔

(۹) السلیمانیہ۔ یہ النقا، المنحنی، معابدہ، البیاضیہ، اور المعلاء پر مشتمل ہے۔ یہاں

Marfat.com

شریف غالب امیر مکہ کا مکان ہے اور مسجد اجابہ بھی واقع ہے اس میں کثر ہندی لوگ آباد ہیں۔ یہاں سبزی منڈی کے علاوہ بھیڑ بکریاں اور اونٹوں کی منڈی بھی لگتی ہے۔ سید محمد صالح الشیبی کا باغ بھی اسی محلہ میں واقع ہے۔[1]

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ دوسرے ممالک سے مسلمانوں کی بڑی تعداد مکہ معظمہ میں آباد ہوتی رہی جس کے باعث آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ میں محلوں کی تعداد ۱۶ تک پہنچ گئی۔

۱۔ سوق اللیل۔ ۲۔ شعب علی۔ ۳۔ شعب عامر۔ ۴۔ السلیمانیہ۔ ۵۔ المعابدہ۔ ۶۔ جبرول۔ ۷۔ النقا۔ ۸۔ الفلق۔ ۹۔ قرارہ۔ ۱۰۔ الشامیہ۔ ۱۱۔ اجیاد۔ ۱۲۔ القشاشیہ۔ ۱۳۔ شبیکہ۔ اسی میں ہجلہ بھی شامل ہے۔ ۱۴۔ حارۃ الباب۔ ۱۵۔ مسفلہ۔

لیکن سعودی دور میں جب آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تو مکہ مکرمہ کی حدود دُور دُور تک وسیع ہو گئیں جس کے سبب ۱۳۶۰ھ میں مندرجہ ذیل محلے اور بھی آباد ہو گئے۔

۱۔ العتیبیۃ۔ ۲۔ الھنداویۃ۔ ۳۔ البقر جسے آج کل العزیزیۃ کہا جاتا ہے۔ ۴۔ حی التیسیر۔ ۵۔ حی الروضۃ۔ ۶۔ حی الغانستۃ۔ ۷۔ حی الزاھر۔ ۸۔ حارۃ الطنبداوی جس میں شارع منصور ہے۔ ۹۔ محلۃ الرصیفۃ۔ ۱۰۔ محلۃ المشعلیۃ۔ ۱۱۔ محلۃ النزھۃ

ان محلوں کے آباد کرنے والے یا رئیس حسب ذیل حضرات گذرے ہیں۔

اجیاد — سعد طفران۔ شامیہ — عبداللہ بغنوی — محلہ سلیمانیہ اور رجحون — الشیخ عبدالقادر رجانشاہ — شعب عامر — الشیخ حامد عدس — محلہ الزاھر — نبیہ بن سعد —

---

[1] مراۃ الحرمین جلد اص ۱۷۹ تا ۱۸۲۔

Marfat.com

محلہ مسفلہ — الشیخ سراج ابوازیزہ — شبیکہ — الشیخ حمزہ عالم — الفشاشیہ — احمد محمد نعمان
محلہ لنزھۃ — علی محمد سابق — القرارہ — حامد سرسانی — النقا — الشیخ یحیٰ حالبس —
سوق اللیل — محمد علی عیاد — الھنداویہ — جمیل محمد باوزیر — محلہ المعابدہ — سعد بن بقیان
جرول — خلیل اللہ جمعہ

مکہ مکرمہ کی سڑکوں کا نقشہ

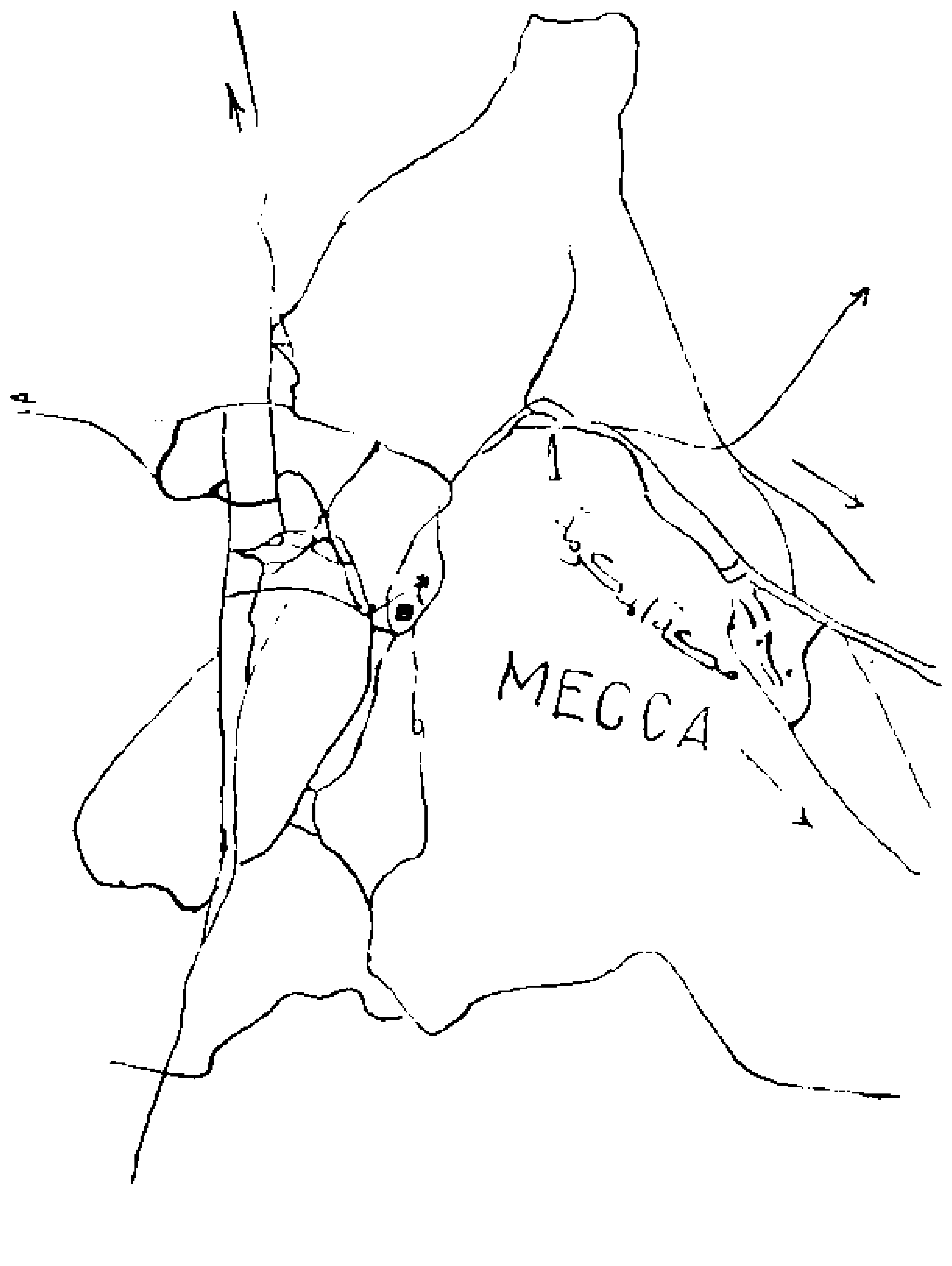

Marfat.com

سڑکیں

مکہ مشرفہ کی سڑکیں کسی زمانہ میں انتہائی تنگ، دشوار گذار اور ناگفتہ بہ حالت میں تھیں۔ لیکن تمدنی اور عمرانی ترقی نے اس خامی کو ایسا دور کیا کہ آج یورپ کے متمدن شہروں کی سڑکوں سے اس شہر خوباں کی سڑکیں زیادہ کشادہ، خوبصورت اور مضبوط ہیں۔ نہ صرف اس شہر کے اندر کی سڑکیں قابل تعریف ہیں بلکہ دنیا بھر کے اسلامی ملکوں سے اُمّ القرای کو جانے کے لئے شاہراہیں ابھی بے نظیر ہیں جن کی تعریف اغیار کے علاوہ اغیار بھی کرنے پر مجبور ہیں۔

کسی زمانہ میں امریکن پادری ایس ایم ذوسمیر نے پیشین گوئی کی تھی۔

ہم عرب کے بیت المقدس (مکہ) کے متعلق یہ رائے قائم کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اس صدی ۱۹۵۵ء کے گذرنے سے پہلے مکہ کا سفر برلن کے سفر سے زیادہ دشوار نہیں رہے گا۔[1]

لیکن آج واقعات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ برلن نہیں بلکہ پیرس اور ٹوکیو جیسے شہروں سے بھی مکہ مشرفہ کا سفر آرام دہ اور آسان ہے۔ بری، بحری اور ہوائی راستوں سے شب و روز حجاج اور زائرین بغیر کسی دشواری اور خوف و خطر کے اس مقدس شہر کی زیارت کے لئے جوق در جوق جا رہے ہیں۔ ہم ذیل میں شہر کی سڑکوں کے علاوہ بعض مسلم ممالک سے اُمّ القُریٰ پہنچنے والی شاہراہوں کا تذکرہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

ائمۃ قدیم کے مورخین نے مختلف ادوار میں شہر کی سڑکوں اور راستوں کا ذکر اس طرح کیا تھا۔

امام تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] حالات عرب و عراق و عمان ص ۲

Marfat.com

مکہ مکرمہ کے راستے بہت تنگ تھے جابجا خاردار درخت اور چٹانیں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں ۹۵۰ھ میں نائب جدہ امیر خوش کلدی نے بڑی بڑی چٹانوں اور خاردار درختوں کو کاٹ کر سڑکوں کو کشادہ کیا جس سے حجاج کو آسانی سہولت اور راحت نصیب ہوئی تو لوگوں نے امیر موصوف کا بے حد شکریہ ادا کیا۔[1]

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا مصری لکھتے ہیں:۔

مکہ مکرمہ کی سڑکیں تنگ اور غیر منظم ہیں۔ ان کی چوڑائی ۱۰/۶، اور زیادہ سے زیادہ ۲۰ میٹر تک ہے۔[2]

علامہ فرید وجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں:۔

مکہ معظمہ کے درمیان سے ایک سڑک مغرب سے مشرق کی طرف جاتی ہے۔ جو شہر کی سب سے بڑی سڑک ہے۔ یہ شہر کی مختلف اطراف سے گذرتی ہے اسی وجہ سے اس کے نام بدلتے جاتے ہیں۔ اور یہی نام محلہ جات کے مشہور ہیں۔

یہ سڑک جب جرول سے مغرب کی طرف جاتی ہے تو اسے "حارۃ الباب" کہتے ہیں۔ پھر جب حرم شریف کے دائیں جانب سے جنوب کو مڑتی ہے تو "سوق صغیر" کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اس سے اگلے حصہ کو جیاد کہا جاتا ہے۔ لیکن جب یہ سڑک یہاں سے صفا کو جاتی ہے تو مسعیٰ کہلاتی ہے۔ پھر قشیشیہ، پھر سوق اللیل اور پھر غزہ کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ سڑک شہر کے مشرقی دروازہ جسے باب معلاۃ کہا جاتا تھا تک جاتی ہے۔[3]

علامہ طاہر کردی مدظلہ قدیم اور جدید سڑکوں کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں:۔

---

[1] منتخبا الغزم ص ۲۱ [2] مرآۃ الحرمین جلد ا ص ۱۸ [3] دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۲۸

Marfat.com

سنہ ۱۳۰۰ھ میں اصلاح، تعمیر اور ترقی کا ایسا جامع منصوبہ بنایا گیا جس کے سبب سنہ ۱۳۸۵ھ تک اس عظیم الشان شہر کی حالت بالکل تبدیل ہوگئی۔ راستوں سے پتھر اور چٹانیں غائب ہوگئیں۔ خاردار درختوں نے حجاج سے الجھنا چھوڑ دیا۔ گڑھے اور نالے کشادہ اور خوبصورت شاہراہوں میں تبدیل ہوگئے۔ اور اب یہ شہر بلا مبالغہ "عروس البلادؔ" کا منظر پیش کر رہا ہے۔[1]

مکہ مشرفہ سے مدینہ منورہ کا راستہ

قدیم زمانہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جانے کے لئے چار مختلف راستے تھے جن سے حجاج کرام زیارت مدینہ سے مشرف بار ہوتے تھے۔

السلطانی ۔ الفرعی ۔ الغابر ۔ الشرقی

الطریق السلطانی اس راستے سے جانے والے قافلے حرم شریف کے باب العمرہ سے رخصت ہوتے تھے۔ اس راستہ میں پانی کی فراوانی، شادابی اور آسانی تھی۔ اس میں حسب ذیل مقامات پائے جاتے تھے۔

وادیِ فاطمہ ۔ یہ سرسبز و شاداب جگہ ہے یہاں باغات اور کھیتی باڑی کثرت سے ہوتی ہے پانی میٹھا اور عمدہ ہے۔ طائف کے پہاڑوں سے یہاں اکثر سیلاب آتے ہیں۔ عرب کے اشراف اس جگہ آباد ہیں۔ وادیِ فاطمہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان بنو لحیان آباد تھے۔

اس جگہ سیدہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر اطہر ہے۔

عسفان ۔ یہاں پانی کی قلت تھی۔ راستہ بھی تنگ اور دشوار گزار تھا۔

---

[1] تاریخ القویم جلد ۲ صفحہ ۴

Marfat.com

خلیص ۔ اس جگہ پانی عمدہ اور زیادہ تھا یہاں قبائل زبید مقیم تھے ۔کھجوروں کے باغات بھی تھے ۔

القدیمہ ۔ القدیمہ یا القضیمہ ساحل کے قریب چھوٹا سا قریہ تھا ۔لوگ جھونپڑیوں میں رہتے تھے ۔
پانی کی شدید قلت تھی ۔بارش کا پانی گڑھوں میں جمع کر لیا جاتا وہ ہی پینے اور دوسری ضروریات میں استعمال کرتے تھے ۔ان کی گذر اوقات سمندر کے شکار پر تھی ۔

رابغ ۔ بحر احمر کے کنارے واقعہ ہے ۔یہاں ترکوں کا ایک فوجی قلعہ بنا ہوا ہے ۔کنوؤں اور گڑھوں کا پانی استعمال کیا جاتا تھا ۔
یہ بندرگاہ بھی تھی جہاں چھوٹے جہاز ٹھہرتے تھے جن میں زیادہ تر اسلحہ وغیرہ ہوتا تھا ۔

مستورہ ۔ یہاں سے ایک راستہ بدر کو اور ایک راستہ الصفراء کو جاتا ہے ۔یہاں پانی اچھا نہیں تھا ۔اسی مقام پر سیدہ آمنہ اُمّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے ۔

بیر الشیخ ۔ یہاں قبائل صبح آباد تھے اور پانی کھارا تھا ۔

دیار بنی حصانی ۔ قبائل صبح اور حوازم آباد تھے ۔پانی اچھا نہیں تھا ۔

الحمراء ۔ یہاں میٹھے پانی کی نہر جاری تھی ۔مختلف پھلوں سبزیوں اور کھجوروں کے باغات پائے جاتے تھے ۔سیب ،لیموں ،کیلا اور مہندی کی پیداوار بکثرت تھی ۔یہاں قبائل حوازم آباد تھے ۔

الجدیدہ ۔ یہاں پانی عمدہ اور میٹھا ہے ۔قبائل حوازم اور احامدہ آباد ہیں ۔یہاں سید عبد الرحیم البرعی المصری کی قبر ہے ۔

بیر عباس ۔ حوازم ،صبح اور احامدہ کے لوگ آباد ہیں ۔پانی کی قلت ہے ۔اس کے مشرق کی طرف سے راستہ گزرتا ہے ۔

بیر درویش ۔ یہاں احامدہ اور رحلہ قبائل آباد ہیں ۔

Marfat.com

بیرِ علی ۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں قبائل عوف اور بنی عمرو آباد ہیں۔ نیز یہ مدینہ طیبہ کی میقات بھی ہے۔ یہاں سے نبی علیہ السلام نے احرام باندھا تھا۔

(سعودی دورِ حکومت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے درمیان جو پختہ سڑک بنائی گئی ہے وہ تقریباً انہی مقامات سے گذرتی ہے)

مکہ معظمہ سے جموم (وادی فاطمہ) عسفان، خلیص، رف، صعر، رابغ، مستورہ، نصایف، بدر، واسطہ، مسیجید، بیرالراحۃ، فریش، ابیار علی اور مدینہ منورہ، اس راستہ سے مدینہ طیبہ ۵۰۰ کلومیٹر ہے۔

(رابغ، مستورہ اور بدر بڑی منزلیں ہیں۔ یہاں حجاج آرام کرتے، کھانا کھاتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ کھانے پینے کا اچھا انتظام ہے)

الطریق الفرعی ۔ مکہ مکرمہ سے رابغ پہنچ کر شمال مشرقی جانب راستہ نکل جاتا ہے۔ اسی راستہ میں وادی حرشان اور نقر الفار آتا ہے جہاں بنو سالم آباد تھے۔ راستہ بہت تنگ تھا۔ ایک ایک اونٹ گذر سکتا تھا۔

بیرِ رضوان ۔ یہاں پانی عمدہ اور میٹھا تھا۔

ابوضباع ۔ یہاں بھی پانی عمدہ اور میٹھا تھا۔ بنو عوف کی آبادی تھی۔

الریاض یا وادی الریان ۔ یہ جگہ سرسبز و شاداب، پانی کی فراوانی اور درخت کثرت سے پائے جاتے تھے۔

الغدیر ۔ یہاں ایک برساتی نالہ ہے۔

وادی المعظم ۔ اس جگہ پانی بہت عمدہ ہے۔

Marfat.com

بئر الماشی۔ پانی عمدہ ہے۔ اور بنو عوف آباد ہیں۔

طریق الغایر۔ یہ راستہ رابغ یا مستورہ سے نکلتا ہے جبل الغایر کے شمال سے گذرتا ہے۔ سخت تنگ اور دشوار گذار راستہ ہے۔ نشیب و فراز اور ناہموار ہونے کی وجہ سے پُرخطر اور صبر آزما ہے۔ ایک ایک اونٹ بھی سخت مشکل سے چل سکتا تھا۔ اگرچہ قریب ترین تھا۔ مگر سخت دشوار مصری قافلے اسی راستہ سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔

طریق الشرقی۔ مکہ مشرفہ سے باب المعلیٰ سے نکل کر منیٰ اور پھر مشرقی جانب سے ہوتا ہوا بیر البیارود کو جاتا تھا۔ اس راستہ میں حسب ذیل مقامات تھے۔

وادی اللیمون۔ یہاں لیموں اور نارنگی کثرت سے ہوتی تھی۔ دیگر پھل اور سبزیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ جبال الہدی سے چشمے جاری تھے۔

الحفایر۔ یہاں پانی عمدہ اور زمین میں بہت قریب تھا۔

برکۃ عمرۃ۔ گرمیوں کے پورے عرصہ میں پانی کی سخت قلّت رہتی تھی۔

برکۃ المسلح۔ یہاں باغات کی کثرت اور پانی بھی بہت عمدہ تھا۔

العبیط۔ اس کے بعد سفینہ۔ یہاں کھجوروں کے باغات پائے جاتے تھے۔

السویرجیہ۔ اس جگہ آلِ حسین آباد تھے۔ پانی کی فراوانی اور کھیتی باڑی بہت ہوتی تھی۔

الجعوبیۃ۔ اس مقام سے پانی کافی فاصلہ پر ملتا تھا۔

غراب۔ اس جگہ زمین میں پانی اس قدر قریب تھا کہ نصف گز یا زیادہ سے زیادہ ایک گز کے فاصلہ پر پانی آجاتا تھا۔

الغدیر۔ بعض مورخین نے اس جگہ کا نام العنق لکھا ہے۔ یہاں بارش کا پانی گڑھوں

Marfat.com

میں جمع کر دیا جاتا تھا اور وہی استعمال ہوتا تھا۔[1]

مکہ کو آنے والی چند شاہراہیں

عمان سے مکہ مکرمہ تک۔

عمان سے فرق۔ عَوْ، ساحل ہباہ، شحریہ۔ کندہ، مُدرِجُ لحج، عدن، الولو، بنی مجید، منجلۃ، رکب۔ منذب، زبید، غلافقۃ۔ عکّ، حرُدۃ، حکم، عشر، مرسی ضنکان، مرسی حلّی، سرّین، اغیار، ہرباب، شُعیبہ، منزل، جدہ اور مکہ مکرمہ۔[2]

مکہ مکرمہ سے یمن۔

مکہ مکرمہ سے بیرابن مُرتفع، قرن المنازل یہ ایک بڑا شہر ہے۔ فتق یہ بڑا قصبہ ہے۔ صفن، یہ بڑا قصبہ ہے۔ کرّی اس میں باغات اور چشمے ہیں۔ رنیتۃ، یہاں باغات اور چشمے پائے جاتے ہیں۔ تبالہ یہ بہت بڑا شہر ہے اور چشمے بھی ہیں۔ بیشۃ بعطان، یہ کافی بڑا شہر ہے۔ اور پانی بکثرت پایا جاتا ہے جُسدا، یہاں کنواں ہے مگر آبادی نہیں۔ بنات حرب، یہ بہت بڑا قصبہ ہے جس میں کنوئیں اور چشمے بھی ہیں۔ ...یَمیم، غیر آباد ہے۔ کُتنۃ، بڑا قصبہ ہے اور کنوئیں بھی کثرت سے ہیں۔ تُجۃ یہاں کنواں ہے۔ سُرّوم، یہ قصبہ سرسبز و شاداب ہے اور کافی بڑا ہے۔ مُہجرہ یہ بھی بہت بڑی آبادی ہے۔ مکہ اور یمن کا مال تجارت جمع ہونے کی منڈی ہے۔ عرفۃ، یہاں پانی بہت کم ہے اور ویران پڑا ہے۔ صعدۃ، بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں چمڑہ دباغت دیا جاتا ہے۔ اور جوتے بنائے جاتے ہیں۔ الاعبشۃ، یہاں چھوٹا کنواں ہے مگر آبادی نہیں۔ خیوان، یہ عظیم الشان قصبہ ہے، یہاں...

---

[1] تاریخ القدیم جلد ۲ ص ۲۴۱ تا ۲۴۳ [2] المسالک الممالک ص ۱۴۷

بڑے تالاب ہیں انگور بکثرت پائے جاتے ہیں اور زراعت وباغبانی بھی ہوتی ہے۔[۱]

بصرہ سے مکہ معظمہ تک

بصرہ سے منجشانیۃ، حُفیر، رُحَیل، شُجی، خَرجاء، حَفر، ماوِیَّۃ، ذات العُشر، ینسوعۃ، سُمینۃ، نباح، عوسجۃ، قریتین، رامنہ، امّرۃ، طخفہ، ضریۃ، جَلدِیلہ، فَلجۃ، دفینۃ، قبا، مرّان، وجرۃ، اوطاس، ذاتِ عرق اور مکہ معظمہ۔[۲]

مکہ مکرمہ سے بعض مشہور شہروں کا فاصلہ

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اُمّ القریٰ مکہ معظمہ سے حسب ذیل شہروں کا فاصلہ بیان کیا ہے۔ ممکن ہے موجودہ شاہراہوں کی اصلاحات کے باعث کمی بیشی ہوگئی ہو لیکن ہم موصوف کی محنت کی قدر کرتے ہوئے اس جدول کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

نمبر شمار	بلاد	سمت	فاصلہ	نمبر شمار	بلاد	سمت	فاصلہ
۱	مدینۃ المنورہ	شمال	۲۱۲ میل	۶	ثغر	جنوب	۴۷۶ میل
۲	القدس	شمال مغرب	۸۴۰ "	۷	زبید	جنوب مغرب	" "
۳	الفسطاط	" "	۸۵۴ "	۸	طائف	" "	۴۰ "
۴	دمشق	"	۷۲۸ "	۹	بصرہ	شمال مشرق	۶۱۰ "
۵	بغداد	" مشرق	۶۴۲ "	۱۰	کوفہ	" "	۵۱۰ "

[۱] المسالک الممالک ص۱۴۷ [۲] المسالک الممالک ص۱۴۶

Marfat.com

۱۱	ینذلب	مغرب	۱۲۴ میل	۲۹	الحسنا	جنوب 〃	۵۴۳۲ 〃
۱۲	طور	شمال مغرب	۸۰۰ 〃	۳۰	الزیتون	〃 〃	۲۶۳۰ 〃
۱۳	بلقار	〃 〃	۶۸۰ 〃	۳۱	قراقرم	شمال مغرب	۴۹۹۸ 〃
۱۴	موصل	〃	۷۸۴ 〃	۳۲	کاشغر	شمال مشرق	۱۹۷۳ 〃
۱۵	اصفہان	〃 مشرق	۹۴۰ 〃	۳۳	ترمذ	〃 〃	۱۵۹۶ 〃
۱۶	نیشاپور	〃	۱۱۰۰ 〃	۳۴	بخاری	〃 〃	۱۲۸۸ 〃
۱۷	ہرات	〃	۱۳۴۴ 〃	۳۵	سمرقند	〃 〃	۱۶۳۸ 〃
۱۸	بلخ	〃	۱۵۹۰ 〃	۳۶	کرکاج	〃 〃	۱۳۲۵ 〃
۱۹	غزنی	〃	۱۷۳۸ 〃	۳۷	بلغار	〃 〃	۳۰۱۶ 〃
۲۰	مرو	〃	۱۳۰۰ 〃	۳۸	القرم	شمال مغرب	۱۵۱۷ 〃
۲۱	ہرمز	〃	۲۰۷۰ 〃	۳۹	کسطمونیہ	〃 〃	۱۵۱۲ 〃
۲۲	کابل	〃	۱۶۴۲ 〃	۴۰	قسطنطنیہ	〃 〃	۱۶۱۰
۲۳	ملتان	〃	۱۶۵۲ 〃	۴۱	رومیہ	〃 〃	۱۹۳۲
۲۴	دلی	〃	۳۲۲۰ 〃	۴۲	غرناطہ	〃 〃	۳۲۵۰
۲۵	تانہ	〃	۱۴۱۱ 〃	۴۳	مراکش	〃 〃	۲۶۳۲
۲۶	الکولم	جنوب مشرق	۳۸۸۰ 〃	۴۴	تیونس	〃 〃	۲۰۷۳
۲۷	سرندیپ	〃 〃	۳۰۵۲ 〃				
۲۸	کنبایت	شمال 〃	۱۸۰۶ 〃				

مراۃ الحرمین جلد ا صے ۳۶۷ ، ۳۶۸

Marfat.com

شاہِ کونینؐ کا مکانِ ولادت

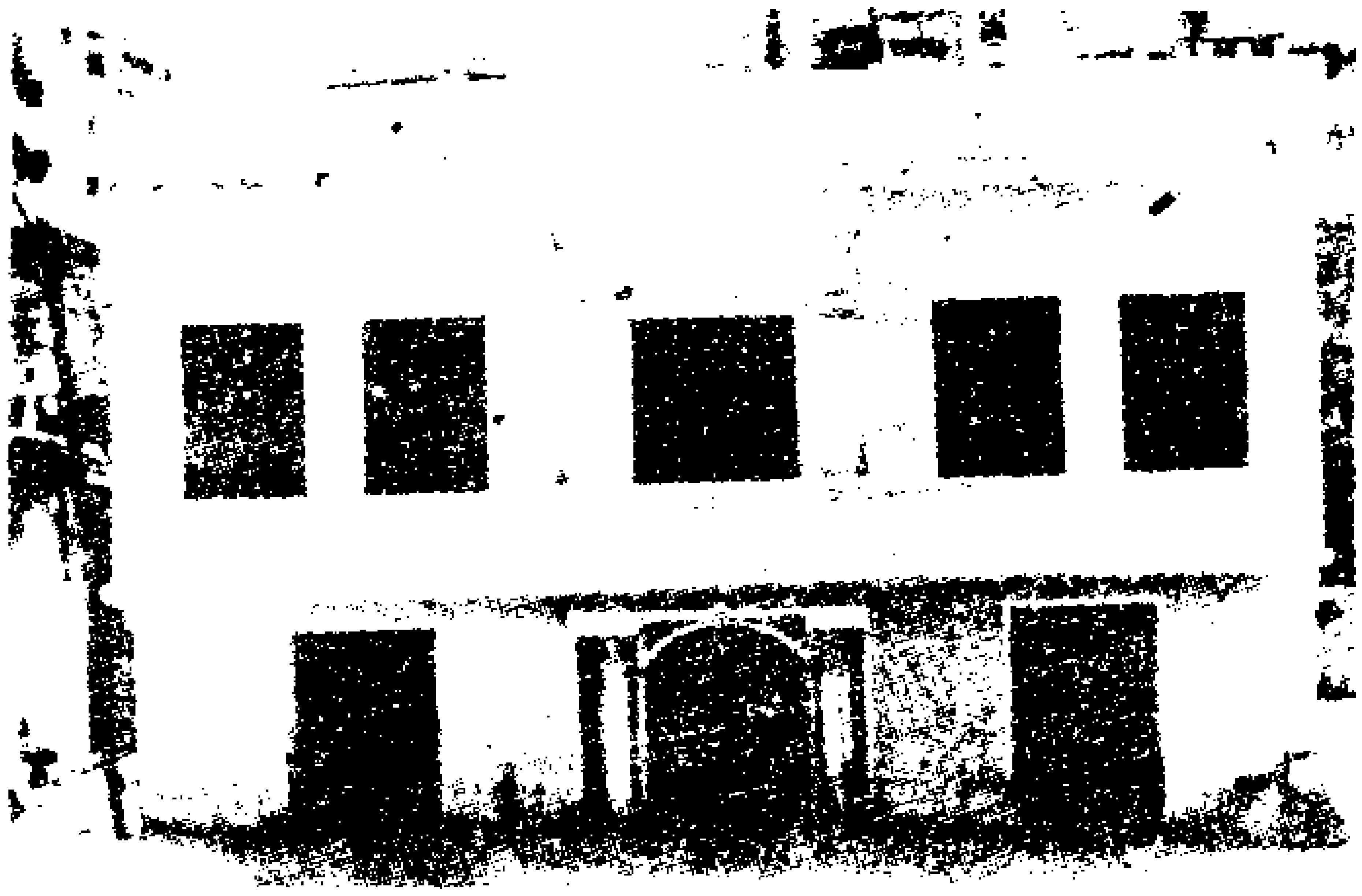

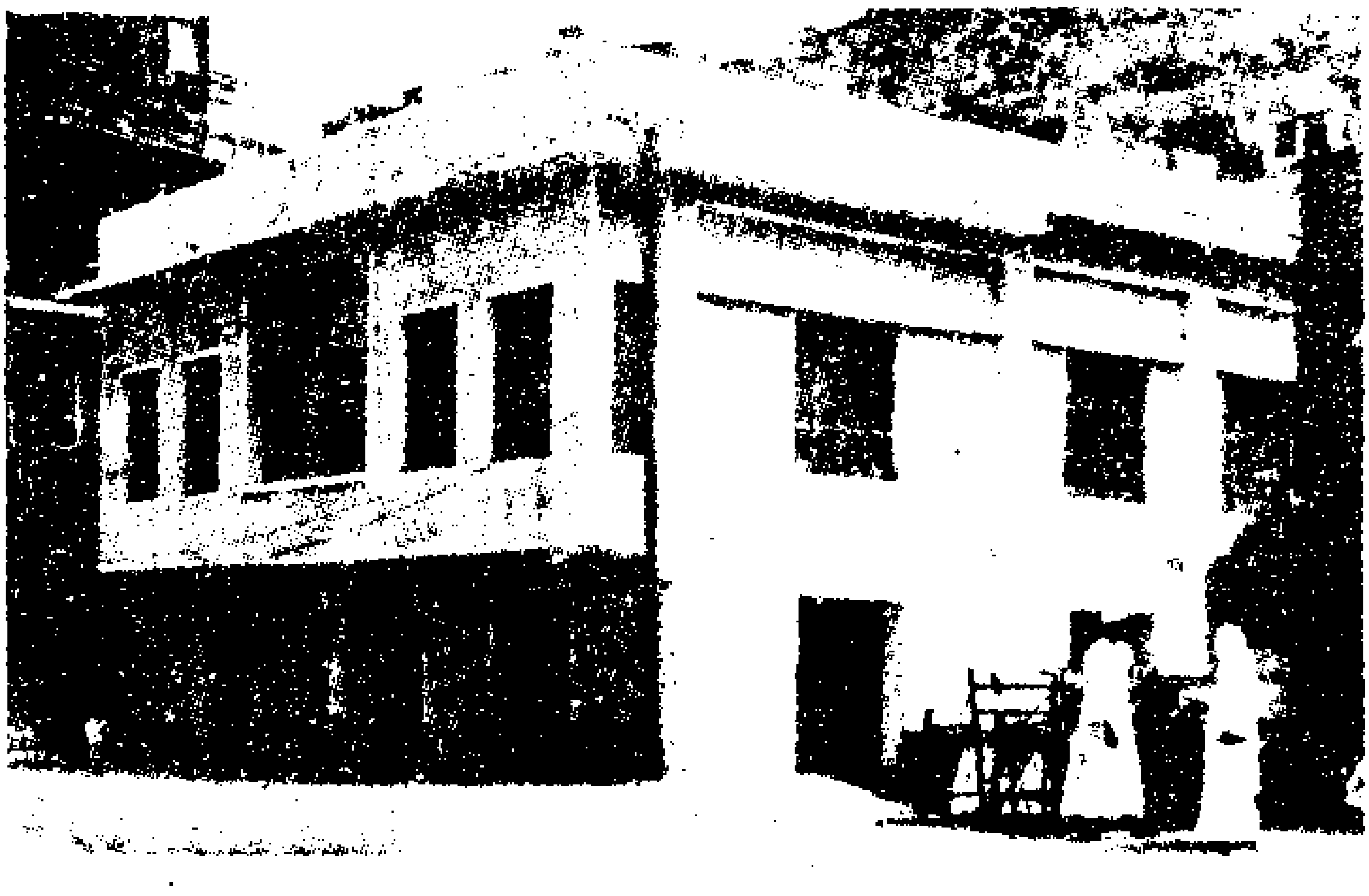

Marfat.com

فضائلِ مکّہ مشرّفہ

یہ وادیٔ قدس جلالت و عظمت اور علو مرتبی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اپنی نرالی اور امتیازی شان میں دنیا جہان کی آبادیوں، شہروں اور قصبوں کی بادشاہ اور ان کی تخلیق کا موجب ہے اسی لئے اس کا لقب "اُمُّ القریٰ" ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے اصحاب کبار، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے شاگرد ابن رشید اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے جلیل القدر تلامذہ اس بات کے قائل ہیں کہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ تعظیماً و تشریفاً و تکریماً ساری دنیا کے شہروں سے بلکہ مدینہ طیبہ سے بھی افضل اور اکرم ہے۔ ان کے اس نظریہ کی بنیاد حسب ذیل احادیث ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

Marfat.com

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اس مسجد
صلوٰۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف	میں ایک نماز دوسری مسجد کی نسبت ایک ہزار گنا زیادہ
صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام و	فضیلت رکھتی ہے۔ سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام
صلوٰۃ فی المسجد الحرام افضل من مایۃ	میں ایک نماز اس سے بھی سو گنا بڑھ جاتی ہے (یعنی
صلوٰۃ فی مسجدی (رواہ ابن حبان واحمد)	لاکھ گنا ہو جاتی ہے۔

اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

مسجد نبوی شریف میں ایک نماز پچاس ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پر ایک لاکھ گنا ثواب ملتا ہے۔[۱]

اس عدیم النظیر شہر کا جاہ و جلال اور عظمت درحقیقت اس سادہ و بے نمود مکان کی مرہونِ منّت ہے، جس کی صداقت اور حقانیت پر چار ہزار برس کے حوادثات اور انقلابات بھی کوئی دھبہ نہیں لگا سکے۔ چند پتھروں سے چنی ہوئی چار دیواری جو کروڑوں انسانوں کی پرستش گاہ اور قبلہ وجوہ ہے۔ جو نہ صرف زندگی میں قبلۂ جاناں ہے بلکہ مر جانے کے بعد بھی منہ اسی کی سمت کیا جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ کے جلال اور قدوسیت نے تمام عالم میں صرف اسی کی جہت کو اپنا نشیمن قرار دیا۔

یہ نگری رب کریم کی اس نعمت بیکراں پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔ کہ اسی کی آغوش میں رحمتِ کائنات، فخرِ موجودات، مولائے کل، ختم رسل، حبیب خدا محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والثناء عالم قدس سے جہانِ رنگ و بو میں جلوہ افروز ہوئے۔ پھر اس کی محبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[۱] ابن ماجہ صہ ۱۰۲، جامع صغیر صہ ۶۴

Marfat.com

رگ وریشہ میں ایسی سرایت کر گئی کہ مشرکین کے روح فرسا وجاں گداز مظالم کے باوجود اس کی جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ تیرہ سال کی مسلسل جفاکشی اور قریش کے پیہم جور و جفا کے باوجود آپ کے دل میں مکہ مکرمہ چھوڑنے کا خیال تک نہ آیا۔ اس عرصے میں جو کچھ آپ پر بیتی اس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس دل دوز داستان کو لکھتے وقت قلم لرز جاتا ہے۔ جب سخت نامساعد حالات کے پیش نظر اللہ جل جلالہ نے ترک وطن کر کے مدینہ طیبہ کو توحید خداوندی اور تبلیغ اسلام کا مرکز بنانے کا حکم دیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں جب کہ ہر سو خاموشی اور سناٹا تھا اس مقدس شہر سے رخصت ہوتے وقت حسرت بھری نگاہوں سے اس کے درودیوار اور حجر و شجر کو دیکھ کر درد دل سے ارشاد فرمایا۔

مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَّأَحَبَّكِ إِلَيَّ، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُوْنِي مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ [1]

اے مکہ! تو کتنا ذی شان شہر ہے۔ اور مجھے کس قدر محبوب و مرغوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عدی بن الحمراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار الحزورہ کے پاس دیکھا (الحزورہ حرم شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے) آپ مکہ مکرمہ کی طرف مخاطب ہو کر فرما رہے تھے۔

وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ [2]

اے مکہ! خدا کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور اسے تو بہت ہی پسند ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۸ [2] ابن ماجہ ص ۲۲۴، مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۸

Marfat.com

المحدث الشہیر الفقیہ النبیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری علیہ رحمۃ اللہ الباری مذکورہ حدیث کی تشریح میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ یہ مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ قیام اختیار کرے۔ اگرچہ اس کا نکلنا حقیقتاً ہو یا حکماً۔ دینی غرض سے ہو یا دنیاوی مقصد کے لئے۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ورود اور دخول تو سعادت ہے مگر اسے چھوڑنا شقاوت ہے۔

امام موصوف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فضیلت کا باہم تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ مکہ مشرفہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ کیونکہ مکہ معظمہ کی فضیلت ذاتی ہے جب کہ مدینہ منورہ کی فضیلت ذات بابرکات ستودہ صفات، سید موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی مرہونِ منت ہے۔ آپ کے وجودِ رحمت ورود نے مدینہ منورہ کو چار چاند لگائے ہیں اور اس فرق کو سمجھنے کے لئے یہ دلیل کافی شافی ہے کہ مکہ مکرمہ کا سفر کرنا (یعنی حج کے لئے) بالاجماع واجب ہے جب کہ مدینہ طیبہ کا سفر بغیر کسی اختلاف کے سنت ہے[1]۔
یہ الگ بات ہے کہ اس سنت کا مقام اور ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی ادائیگی نہایت ضروری ہے اور اس کے ترک پر وعید صادر ہوئی ہے۔

قدوۃ المفسرین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔

فضل المسجد الحرام علی مسجدی،	مسجد حرام کی فضیلت مسجد نبوی پر بعینہٖ اسی طرح ہے
کفضل مسجدی علی سائر المساجد[2]	جس طرح باقی مسجدوں پر مسجد نبوی کی۔

اور اس متبرک شہر میں رب کریم ایک نیکی کے عوض میں ایک لاکھ گنا اجر مرحمت فرماتے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح جلد ۶ ص ۱۰۲ [2] تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۹

Marfat.com

ہیں۔ لیکن جہاں رحمتِ خداوندی کا بحرِ بیکراں موجزن اور اس کی عنایات لامتناہی ہیں، وہاں گناہ پر مواخذہ بھی اسی نسبت سے شدید ہونا ایک فطری تقاضا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے ایک گناہ سرزد ہونا زیادہ شاق ہے بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کسی شہر میں ستر گناہ ہو جائیں۔ اس خوف سے کہ مبادا اس مقدس شہر میں رہتے ہوئے ان سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ بعض صحابہ کرام ؓ نے طائف وغیرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس آدمی نے مکہ معظمہ میں رمضان المبارک پایا اور اس کے روزے رکھے اور تراویح ادا کی تو کسی دوسرے مقام کی نسبت یہاں اسے ایک لاکھ رمضان شریف کا اجر و ثواب عنایت ہوگا۔ اس کے علاوہ اُسے ہر دن اور رات کے بدلے ایک ایک غلام آزاد کرنے کا اجر بھی ملے گا۔ اور ہر روز دو گھوڑوں کا بوجھ اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔[1]

علامہ قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

کہ میں نہیں جانتا کہ مکہ مشرفہ کے سوا بھی زمین پر کوئی ایسا شہر ہوگا جس میں نیکیاں سو گنا بڑھ جاتی ہوں۔ اور نماز کی ایک رکعت کے بدلے ایک سو رکعات کا اجر ملتا ہو۔ اور اس کے مکان بیت اللہ شریف کی طرف صرف دیکھنے سے ایک سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوتا

---

[1] مرقاۃ مفاتیح جلد ۶ ص ۱۱

Marfat.com

ہو اور ایک درہم (تقریباً چار آنے) صدقہ کرنے پر ایک ہزار درہم کا بدلہ ملتا ہو۔[1]

مورخ جلیل علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے مکہ مکرمہ کی گرمی ایک ساعت بھی برداشت کی، اللہ رب العزت اسے جہنم کی آگ سے ایک سو سال کی مسافت دور کر دیتا ہے۔[2]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے۔

کہ مکہ مکرمہ میں ایک رمضان المبارک کے روزے رکھنا کسی دوسرے شہر میں ایک ہزار رمضان کے روزے رکھنے سے بلحاظ ثواب کے بہتر ہے۔[3]

سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

جو آدمی مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہو جائے اور اس سے روزمرہ کے نیک کاموں کے معمولات ادا نہ ہو سکیں۔ تو اللہ جل و علیٰ شانہٗ اسے نہ صرف اس دن کے اعمال کے اجر سے نوازتے ہیں بلکہ سات سال کے اعمال کا خطیر اجر بھی مرحمت فرماتے ہیں۔[4]

علامہ قزوینی ایک روایت بیان کرتے ہیں۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ مکرمہ کی گرمی پر ایک ساعت بھی صبر کیا تو اس سے جہنم ایک سو سال کے فاصلہ تک دور کر دی جائے گی اور جنت دو سو سال کی مسافت اس کے قریب کر دی جائے گی۔ یہ شہر نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد ہو گا۔ (جنگ کے لئے) اور میرے لئے بھی دن میں سے تھوڑی سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا۔[5]

الشیخ محمد طاہر کردی دامت برکاتہم ارقام فرماتے ہیں:۔

---

[1] آثار البلاد صہ ۱۱۲ [2] اعلام الاعلام صہ ۲۲ [3] جامع صغیر جلد ۲ صہ ۲۴ [4] اعلام الاعلام صہ ۲۲ [5] آثار البلاد صہ ۲

Marfat.com

امت کے بعض جید علماء کرام مدینہ طیبہ پر مکہ مکرمہ کی فضیلت کے قائل ہیں جب کہ بعض کے نزدیک مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے۔ فریقین کا دعویٰ معقول اور ٹھوس دلائل پر مبنی ہے اور نیت پر خلوص اور نیک ہے۔ ہر ایک فریق اپنی بات محبت، یقین، ایمان اور خلوص سے پیش کرتا ہے اور حدود شریعت سے تجاوز نہیں کرتا۔ لہٰذا دونوں عند اللہ اجر و ثواب کے حقدار ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی رائے کو دلائل کی روشنی میں ہدیہ ناظرین کریں۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ مکرمہ زمانہ قدیم سے مشہور و معروف ہے کیونکہ اسی میں بیت اللہ شریف کے علاوہ متعدد معظم اور متبرک شعائر موجود ہیں۔ اسلام کا پانچواں عظیم الشان رکن "حج" یہیں ادا کیا جاتا ہے۔ اور انواع و اقسام کی قربانیاں اسی شہر میں ذبح کی جاتی ہیں، اور قرآن مجید میں بھی یہ مقدس تذکرہ موجود ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ	بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر ہوا مکہ ہی میں ہے
بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ ۝	برکت والا اور ہدایت ہے جہان والوں کے لئے۔ اس
فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ	میں نشانیاں ہیں ظاہر - جیسے مقام ابراہیم۔ اور جو
وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا ۝ وَلِلّٰهِ عَلَى	اس میں داخل ہوگیا اسے امن مل گیا۔ اور اللہ کا حق ہے
النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ	لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس
سَبِيْلًا ۝[1]	کی طرف راہ چلنے کی۔

اور یہی ایسا مقدس شہر ہے جس کی قسمیں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اٹھائی ہیں۔ اور اللہ پاک اپنے مقدس کلام میں اسی چیز کی قسم اٹھائیں گے جو تمام چیزوں سے افضل ہوگی۔

وَالتِّيْنِ ۝ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ	قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی، اور طور سینین کی

---

[1] سورۃ آل عمران رکوع ۱ آیت ۹۵ پ ۴

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝[1] — اور اس امن والے شہر کی۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝[2] — میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور آپ پر ممانعت نہیں رہے گی اس شہر میں۔

اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو کر دعا کی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝[3] — اے ہمارے پروردگار ان میں ایک رسول بھیج جو انہی میں سے ہو۔ انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ اور کتاب کی تعلیم دے اور دانائی کی باتیں سکھلائے۔ اور ان کا تزکیہ نفس کرے۔ بیشک تو ہی زبردست بڑی حکمت والا ہے۔

یہ چند آیات مکہ معظمہ کی فضیلت میں پیش کی گئی ہیں اور اسی طرح احادیث میں بھی اس مکرم شہر کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار گنا ہے سوا مسجد حرام کے۔" (رواہ بخاری ومسلم)

"میری اس مسجد میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار گنا سے بھی زیادہ ہے۔ ماسوا مسجد حرام کے، اور مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا سے

---

[1] سورہ تین پ ۳۰ [2] سورۃ البلد [3] سورہ بقرہ رکوع ۱۵، آیت ۱۲۹

Marfat.com

بھی افضل ہے۔ (رواہ احمد)

اسی طرح کثیر تعداد میں انبیاء اور رُسل حج بیتُ اللہ کی خاطر اس معظم شہر میں تشریف لائے۔ اور امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے لئے اس شہر کا انتخاب کیا گیا۔

مکہ مکرمہ روئے زمین میں سب جگہوں سے زیادہ عزت اور بزرگی والا شہر ہے۔ اور آسمان کے نیچے یقینی طور پر سب سے افضل جگہ ہے۔ کیونکہ اسی میں بیتُ اللہ شریف ہے جس کا حج کیا جاتا ہے۔ اسی شہر کو اللہ تعالیٰ نے بلد الحرام فرمایا، نزولِ وحی اور نزولِ ملائکہ کا مرکز، انبیاء و اولیاءؒ کا ٹھکانہ، ہر چیز کی پیدائش کا موجب و سبب، اور ہر انعام خداوندی کی یہ بنیاد ہے۔

اس کے برعکس مدینۃ المنورہ کی شہرت تو آقائے دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہوئی ہے۔ اور آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کی تدفین نے اس شہر کے عزت شرف کو چار چاند لگا دئے۔ اور پھر آپؐ کے صحابہ کبارؓ کے مسکن کی وجہ سے بھی اس کی شہرت میں غلو ہوا۔

یہ چیز مکہ مکرمہ کی مدینہ طیبہ پر فضیلت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ کی فضیلت تو ہزارہا سال سے چہار دانگ عالم میں جگمگا رہی تھی جب کہ مدینہ طیبہ کا فضل و مجد ظہورِ اسلام کے تیرہ سال بعد شروع ہوا۔ دنیا کے مختلف خطّوں سے لوگوں نے مکہ مکرمہ میں آکر رہائش اختیار کر لی جس کے باعث اس کی آبادی میں بھی اضافہ ہو گیا۔[1]

الشیخ جمال الدین محمد جار اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فضائل مکّہ بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

---

[1] تاریخ القویم جلد ا صـ ۵۵، ح: ۳۰۶

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، روئے زمین پر بہترین شہر اور اللہ تعالیٰ کا محبوب مقام مکہ مکرمہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس آدمی کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا گویا وہ آسمانِ دنیا میں فوت ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مکہ مکرمہ کی گرمی پر جس آدمی نے دن میں سے ایک ساعت بھی صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اسے جہنم سے ایک سو سال کے فاصلہ تک دور کر دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہو گیا، پھر بیماری کی وجہ سے اگر اس کے روزمرہ کے معمولات میں سے کوئی نیک عمل ادا نہ ہو سکا، تو اللہ تعالیٰ اسے ساٹھ سال کی عبادت کا اجر مرحمت فرمائیں گے۔

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مکہ مکرمہ میں قیام (یعنی رہائش) سعادت مندی ہے اور اس کی سکونت ترک کرنا بدبختی ہے۔

اسی شہر میں شراب الابرار (زمزم) اور مصلی اخیار (حطیم) پایا جاتا ہے۔

اسی مقدس شہر سے قیامت کے دن انبیاء، صدیقین، ابرار، فقہا، اتقیاء، صلحا اور عبادت گذار مرد اور عورتیں اٹھیں گے۔ یہ لوگ خوش وخرم ہوں گے اور عذاب سے بے خوف و خطر ہوں گے۔

اس مقدس شہر میں ہر روز جنت سے ہوا کے جھونکے اور خوشبو آتی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر مجھے ہجرت کا حکم بارگاہ خداوند قدوس سے نہ ملتا تو میں

Marfat.com

مکہ مکرمہ کی سکونت ہرگز نہ چھوڑتا۔ میں نے آسمان کو مکہ مکرمہ کی زمین سے زیادہ قریب کہیں بھی نہیں دیکھا، اور نہ ہی میرے دل نے مکہ معظمہ کی سرزمین کے سوا کہیں قرار و سکون حاصل کیا۔ اور مجھے اس شہر میں چاند بے حد حسین و جمیل دکھائی دیتا ہے۔

اللہ جل جلالہ نے تمام اولادِ آدم میں سے انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا۔ پھر ان میں سے رسولوں کو چُنا، اور رسولوں میں سے اولوالعزم رسولوں کا انتخاب ہوا جن کا تذکرہ سورۃ احزاب اور سورہ الشوریٰ میں موجود ہے۔ پھر ان اولوالعزم رسولوں میں سے اپنے خلیل اور حبیب کو منتخب فرمایا۔ پھر ان دونوں کے لئے بہترین اور برزگی والی جگہ مکہ مکرمہ کو پسند فرمایا جہاں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں۔ جہاں کا داخلہ عاجزی، انکساری، خشیت و تذلل کے ساتھ ننگے سر اور دنیا کا لباس ترک کر کے احرام پہنے ہوتا ہے۔ بس یہی شہر تمام شہروں سے بہتر اور افضل ہے۔

پھر احرام کی حالت میں بارگاہ خداوند قدوس میں حاضری بھی عجب حکمت کی حامل ہے دنیا میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی آدمی دنیا کے بادشاہوں کے دربار جاتا ہے، تو وہ خوبصورت، قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر بڑے ٹھاٹھ سے جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جب وہ اللہ کریم کے در کی حاضری دیتا ہے تو بے حد سادہ اور مختصر سا لباس زیبِ تن کئے عجز و انکساری سے جا رہا ہوتا ہے۔ یہی فرق ہے رب کے دروازے اور دنیا کے بادشاہوں کے دروازے میں۔[1]

علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں:۔

جمہور علماء کرام کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے۔ مدینہ منورہ کی شہرت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے کے بعد ہوئی ہے جب کہ مکہ مشرفہ کی فضیلت زمانہ

---

[1] جامع اللطیف ص ۹۳، ۹۶

Marfat.com

قدیم سے مسلم ہے جب سیدنا آدم علیہ السلام اس متبرک شہر میں قدم رنجہ فرما ہوئے، اسی وقت سے اس کی بزرگی اور عزت دوبالا ہوگئی، خصوصاً جدالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان فرمایا تو دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج کرنے کے لئے یہاں آنا شروع ہوگئے۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس قدر انبیاء علیہم السلام اور دوسرے لوگ حج کے لئے اس شہر خوباں میں آتے۔ اور حج کے مہینوں میں یہ روح پرور نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مختلف رنگ ونسل، زبان اور ملکوں کے لوگ موج در موج دنیا کے چاروں اطراف سے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے دیوانہ وار یہاں آرہے ہیں۔ شہر کے گلی کوچوں میں ہر جانب زائرین کی آمد کے وقت دعا اور تکبیر وتہلیل کی ایمان افروز صدائیں گونج رہی ہوتی ہیں۔ ہر آدمی دنیا کی زیب و زینت کا لباس اتار کر احرام کا سادہ سا لباس پہنے طواف اور سعی کرنے، حرم شریف کی طرف پروانہ وار بڑھ رہا ہوتا ہے۔

روئے زمین کے تمام شہروں پر مکہ معظمہ کی فضیلت کی یہ ایسی روشن اور بین دلیل ہے جس کی نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ زمانہ گواہ ہے کہ اس حال میں اس قدر لاتعداد مخلوق معمورہ عالم میں مکہ معظمہ کے سوا کہیں کبھی جمع نہیں ہوتی۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک ہر سال اسی جوش وخروش، جذبہ اور ولولہ کے ساتھ فرزندانِ توحید یہاں آتے رہیں گے۔

یہ معزز شہر مہبط وحی، نزول قرآن مجید اور ظہور اسلام کا مقدس مرکز ہے۔ اس شہر میں ایک ہی دین اور مذہب کا بول بالا ہے۔ دوسرے کسی مذہب کے پیروکار یہاں نہیں ہیں۔ اس شہر میں کافر کا داخلہ اور اس کی تدفین شرعاً ممنوع ہے۔ ماسوا اشد ضرورت کے یہاں لڑائی کرنا حرام ہے۔ شکار کرنا بھی قطعی حرام ہے۔ شکاری خواہ مکہ کا باشندہ ہو یا حل (حدود حرم) میں رہنے والا ہو یا کسی دوسرے شہر یا ملک کا ہو۔ احرام میں ہو یا نہ ہو۔ یہ حکم سب کے لئے یکساں طور پر نافذ

Marfat.com

ہے۔ اس شہر کے درخت کاٹنا یہاں سے مٹی اور پتھر باہر لے جانا بھی حرام ہے۔ خواہ حل (حدود حرم) میں لے جائے یا کسی دوسرے شہر میں، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں نیکیوں اور بالخصوص نماز کا اجر ایک لاکھ گنا زیادہ ملتا ہے۔

اس مقدس شہر کے قبرستان (جنت المعلاء) سے قیامت کے دن ستر ہزار انسان اٹھائے جائیں گے۔ جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک آدمی ستر ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہوں گے۔

دجال کے داخلہ سے یہ شہر محفوظ رہے گا۔ انبیاء کرام میں سے کئی نبی ایسے گذرے ہیں، کہ جب ان کی دعوت پر قوم نے لبیک نہ کہی اور انہیں جھٹلایا۔ تو وہ بے بس ہو کر مکہ مکرمہ میں ہجرت کر کے آگئے۔ یہاں اللہ رب العزت کی عبادت میں مصروف و مشغول رہے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اسی وجہ سے کعبہ شریف کے اردگرد تین سو انبیاء کی قبریں ہیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں اور حطیم کے اندر میزاب کعبہ کے نیچے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کی قبریں ہیں۔ اسی طرح چاہ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان سیدنا ہود، شعیب اور صالح علیہم السلام کی قبریں ہیں (ایک روایت کے مطابق رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ۹۹۔ انبیاء کی قبریں ہیں[1]) اتنی کثیر تعداد میں انبیاء کی قبریں دنیا بھر کے کسی خطہ میں بھی نہیں ہیں اور اہل مکہ نمازیں کعبہ شریف کی طرف چاروں سمت سے رخ کرتے ہیں جب کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا شہر نہیں جہاں نماز میں چاروں طرف رخ کیا جا سکتا ہو۔

---

[1] ... تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۸۷

Marfat.com

اس مکرم و محترم شہر کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً پچاس مقامات پر کیا گیا ہے، جو اس کی فضیلت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ان میں سے چند مقامات کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ۝ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ ھٰذِہِ الْبَلْدَۃِ الَّذِیْ حَرَّمَھَا، اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا - اَلَمْ نُمَکِّنْ لَّھُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰٓی اِلَیْہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا، بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ بعض روایات کے مطابق اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰہُ لِلنَّاسِ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ ۝

قولہ تعالیٰ - بِبَطْنِ مَکَّۃَ، لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَھَا، وَاَنْتَ حِلٌّ بِّھٰذَا الْبَلَدِ، وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ

جتنی آیات اللہ جل شانہ نے مکہ مکرمہ کی شان میں نازل فرمائی ہیں اتنی آیات قرآنی کسی بھی شہر کی تعریف میں نازل نہیں ہوئیں۔

عمرو رضی بن الاحوص روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے سنا۔

آپ نے دریافت فرمایا، آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا۔ حج الاکبر کا دن، پھر آپ نے فرمایا، بیشک تمہارا خون، تمہارا مال، تمہارا اسباب تمہارے درمیان حرام قرار دے دیا گیا ہے آج کے دن کی حرمت کی طرح، تمہارے اس شہر میں، اور تحقیق شیطان ناامید ہو گیا ہے کہ اب تمہارے اس شہر مکہ میں اس کی عبادت کبھی بھی نہیں کی جائے گی

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو زمین و آسمان کی پیدائش کے دن ہی سے حرمت والا بنا دیا ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ قیامت تک حرمت والا رہے گا۔ نہ اس کے درخت کاٹے جائیں۔ نہ اس میں شکار کیا جائے۔ نہ اس کی حدود میں گری پڑی کوئی چیز اٹھائی جائے۔ مگر یہ کہ جو آدمی اپنی چیز کی شناخت کرلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اذخر بھی ہم نہیں کاٹ سکتے۔ جب کہ یہ ہمارے مکانات میں اور جلانے کے کام آتا ہے۔ تو آپؐ نے اس کے کاٹنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو راستہ میں مکہ مکرمہ کا اشتیاق دل پر غالب آیا تو جبریل امین تشریف لائے۔ اور عرض کیا۔ کیا آپ کا قلب اطہر مکہ مکرمہ کے اشتیاق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا جی ہاں۔ جبریل امین نے یہ فرمانِ خداوندی تلاوت فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ

ل تاریخ القویم جلد ا صہ ۳۰۷، ۳۱۱

Marfat.com

فضل مکّہ[1]

ارضٌ بها البیت المحرّم قبلة | للعالمین له المساجد تعدل
حرمٌ حرام ارضها وصیودها | والصید فی کلّ البلاد محلّل
وبها المشاعر والمناسك کلّها | والی فضیلتها البریّة ترحلُ
وبها المقام وحوض زمزم ترعا | والحجر والرکن الذی لا یرحلُ
والمسجد العالی المحرّم والصّفا | والمشعران لمن یطوف ویرملُ
وبمکّة الحسنات ضوعف اجرها | وبها المسیٔ عن الخطایا یغسلُ

۱- مکہ ایسی سرزمین ہے جس میں بیت محرم ہے جو سارے جہاں کا قبلہ اور تمام مساجد کا مرجع ہے۔

۲- وہ ایسا حرم پاک ہے جس کی سرزمین میں شکار کرنا حرام ہے۔ حالاں کہ شکار کرنا ساری دنیا میں حلال ہے۔

۳- اور اس ارض پاک میں اللہ تعالیٰ کے تمام شعائر اور مناسک موجود ہیں جن کی بزرگی کے باعث دنیا اُن کی طرف سفر کرتی ہے۔

۴- اور اس زمین قدس میں مقام ابراہیم ہے۔ سیراب کرنے والا زمزم، حطیم اور حجر اسود ہے۔ جو اپنی جگہ پر قائم ہے۔

۵- اور عالیشان مسجد حرام ہے۔ صفا مروہ اور دو بڑی علامتیں ہیں طواف اور رمل کرنے والوں کے لئے۔

۶- مکہ وہ مقدس مقام ہے جس میں نیکیوں کا اجر و ثواب دوگنا چوگنا کر دیا جاتا ہے۔ اور گناہ گار کو گناہوں سے پاک کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] اعلام الاعلام ص ۱۹

Marfat.com

شہرِ خوباں کی آبادکاری

ربِّ کائنات نے جب اس لق ودق صحرا کو گل وگلزار اور چمن زار بنانے کا عزمِ مصمم فرمایا۔ اور اس بے آب و گیاہ ریگستان کو درخشندگی و تابندگی سے معمور کرنا چاہا۔ اور ان سنگلاخ و ناہموار ٹیلوں کو عنبر فشاں اور گوہر بار بنانے کا ذوق فرمایا۔ تو نظمِ کائنات نے کروٹ بدلی، چرخِ نیل گوں کی گردشوں میں انقلاب بپا ہوا، اور نظامِ ہست و بود کی نیرنگیوں میں زبردست تلاطم موجزن ہو گیا۔

———— پھر کیا تھا؟ ———— ایک پاک نہاد و نیک سرشت "قافلہ" ملکِ شام سے رواں دواں، کشاں کشاں عازمِ سوئے کوئے جاناں ہوا۔ اس قدسی صفات کارواں کے قدومِ میمنت لزوم سے اس وحشت ناک بیابان کا مقدر جاگ اٹھا، وہ ہولناک و وحشت انگیز

Marfat.com

بیابان جس کی تپتی ریت سے آتش بگولے اٹھتے مسموم ہواؤں کے جھکڑ چلتے اور جہاں ہر سو موت و ہلاکت کے آثار ہویدا تھے۔ اس نوری نہاد کارواں کے دم قدم سے بقعۂ نور اور تجلیات ربانی کا عظیم مرکز بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں منگل ہوگیا۔ جہالت وضلالت کا عفریت دم بخود ہوکر رہ گیا۔ کفروشرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹ گئے۔ اور رشد وہدایت کے لاتناہی چشمے پھوٹ نکلے۔ اور توحید کی ایسی عدیم النظیر شمعیں روشن ہوئیں جن کی ضیا پاشی سے ہفت افلاک بھی جگمگا اُٹھے، برکات وفیوضات کا ایک سیلِ بیکراں جاری ہوگیا۔ اور بارانِ رحمت ایزدی نے اس ارضِ پاک کو منوّر، مجلّٰی اور مزیّن بنا دیا۔

گل چینِ ازل نے یہ نوری نہاد گلدستہ حسن وتجمل کے پیکرِ نکہت گل کی رعنائیوں کے خوگر مجھ ایسے گل خنداں سے چنا کہ جس کی مہک نے عالم کون ومکاں کو مشک بار، اور جس کی رُوح پرور وحیات انگیز خوشبو نے کرّۂ ارضی کو معطر اور جس کی گل ریزی نے عالم ہست وبود کو گلستان اور چمن زار بنا دیا۔

کفروالحاد کی تاریکی نے خاکدانِ عالم کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ ایران، ہند، مصر، یورپ اور بر اعظم افریقہ اس عالمگیر اندھیرے کی زد میں تھے۔ اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوتِ توحید کے لئے چپہ بھر زمین ڈھونڈے بھی نہیں ملتی تھی۔ جہاں کوئی مردِ حق آگاہ توحید خداوندی کی ایسی شمع فروزاں کرسکے، جس کی ضیا گستریوں سے کفروالحاد کی ظلمات، رشد وہدایت کا مینار بن کر ساری کائنات کو درخشندہ وتابندہ کردے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جو حق گوئی وحق پرستی میں کوہِ استقامت تھے۔ کفروشرک کی طاقتوں سے ٹکرانے کے لئے آگے بڑھے۔ شدائد ومصائب کے طوفان اُن کے پائے استقامت میں سرِمُو لغزش پیدا نہ کرسکے۔ اور یہ صبر وعزیمت کا کوہِ وقار اپنی جگہ سے

Marfat.com

نہ ہلا۔ لیکن ان کی راہ میں کچھ کوہِ گراں بھی حائل تھے، جب "کلدان" میں کلمۃ اللہ کی صدا بلند کی تو نمرودی چخہ کے فلک بوس شعلوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور جب مصر کی سرزمین کو توحید کی تخم ریزی کے لئے زرخیز سمجھ کر قدم رنجہ فرما ہوتے ہیں۔ تو عفت مآب رفیقۂ حیات سیدہ سارہ کے ناموس کو خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ "فلسطین" کو دعوت وارشاد کا مرکز بنانے کا عزم فرمایا تو وہاں آپ کی دل نشیں آواز پر کسی نے کان نہ دھرا۔

اگرچہ آپ بعونہٖ تعالیٰ توحید خداوندی کا اعلان انتہائی مستعدی، بے باکی اور جرأت مندی سے فرماتے تھے، مگر شرک وبت پرستی کے عالمگیر غلغلہ میں بظاہر یہ آوازِ حق دب کر رہ جاتی تھی۔ معمورۂ عالم کے صفحات نقشہائے باطل سے پوری طرح ڈھک چکے تھے۔ ایسے وقت میں ایک بے حد سادہ، بے رنگ ونمود، اور نقش ونگار سے معرّا ورق درکار تھا۔ تاکہ اس کی پیشانی پر طغرائے حق لکھا جائے، جس سے اس کا سینہ نورِ معرفت کا گنجینہ اور اس کی سرزمین رشد وہدایت کا لامتناہی سرچشمہ بن جائے۔ آخر ان کی متلاشی نگاہوں نے دنیا کے نقشے پر پھرتے پھرتے حجاز کے ویران، بیابان صحرا کو پسند فرمالیا، یہ خطہ ابھی تک تمدن وعمران کے داغ سے پاک تھا۔ اس کے ذرّوں میں آفتاب کی سی تمازت پنہاں تھی۔ اور اس کے آتش فشاں پہاڑ ہدایت فشانی کے لئے مستعد تھے اور جوزمین کے تقریباً وسط میں ہونے کے باعث اپنی نورانی شعاعوں سے چاردانگ عالم کو یکساں طور پر منور کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

یہ مقدّس سفر اس قدر عظیم المرتبت اور عدیم النظیر تھا۔ کہ ربّ کائنات نے اپنی منزّہ ومزکّٰی مقدس آسمانی کتابوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کی روئیداد تزک واحتشام اور عزت وتوقیر سے سنہری حروف میں تاریخ عالم کے اوراق کی زینت بنی۔ دنیا بھر میں ہر دَور اور ہر زبان کے ادیبوں اور قلم کاروں کی نگارش کا مرکز اور جولانگاہ قرار پائی اور غیب سے

Marfat.com

نے قرطاسِ ہستی پر اس فری وجاہت سفر کی تاریخ ۲۲۰۰ قبل مسیح ارقام فرمائی۔

وہ مہ و پروین، خورشید و انجم، مہ جبین و طلعتِ زیبا، برگزیدہ و پاک باز، نیک سرشت و پاک نہاد، پیکرِ صدق و صفا اور لعلِ بدخشاں ان اسمائے مبارکہ سے موصوف تھے۔

اللہ جل شانہ کے ایک برگزیدہ نبی سیدنا اِبراھیم خلیل اللہ علیہ السلام —— ایک نبی زادہ اور مستقبل کا نبی شگفتہ دہن، گوہرِ بداماں اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام —— اور ایک نبی کی عصمت مآب رفیقۂ حیات اور ایک نبی کی شفیق و انیس اور غم گسار والدۂ مکرمہ سیدہ ھاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کے روح پرور تذکرہ کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

پُرشکوہ تعارفی جھلک

اس قدسی صفات، پیکرِ صدق و صفا قافلے کے امیر کارواں سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے۔ ابراہیم، ابراہام، ابراہیم، براہیم، براہم اور براہمہ کے مبارک ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ والد کا نام "تارخ جس کا عربی تلفظ" آذر ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام "نونا" تھا۔

نئی تحقیقات کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۲۱۶۰ ق م بابل کے شہر "اُر" (UR) میں ہوئی۔ جو اس وقت جدید جغرافیہ میں "عراق" کے نام سے شہرت پذیر ہے۔ موجودہ صدی میں ماہرین آثارِ قدیمہ کی کھدائی میں یہ شہر نمودار ہوا ہے۔ جو خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایۂ تخت بغداد کے قریب واقع ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد عجمی تھے اور عبرانی زبان بولتے تھے۔[۱]

---

[۱] حاشیہ تفسیر ابن جریر مترجم پارہ اول صہ ۵، تاریخ انبیاء ابن کثیر جلد ا صہ ۶۸

Marfat.com

کتاب الہدیٰ کے مؤلف نے یہودی روایات کی چھان پھٹک کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سن ولادت ۲۱۸۹ ق م تحریر کیا ہے۔ اور تخمیناً ۲۲۰۰ ق م لکھا ہے۔[۱]

مصنف عبدالرزاق اور معجم البلدان کی روایت میں آپ کا مقام پیدائش "کوثا" بیان کیا گیا ہے۔

توراۃ کے بیان کے مطابق کسدیوں کا شہر اُر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ولادت گاہ تھا۔ یہ شہر دریائے فرات کے موجودہ پاٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر اسی مقام پر واقع تھا جہاں اب "مغیر" نامی ٹیلا موجود ہے۔ اُر کے مشرق میں ایک شہر "ایریدُو" ابوالبحرین کے موجودہ مقام پر واقع تھا۔[۲]

ڈاکٹر نفیسی کا کہنا ہے کہ کردان میں ایک پہاڑ بھی "ابراہیم" کے نام سے موسوم ہے۔ ابراہیم عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی موجد عظمت ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کلدہ کے مضافات میں ہوئی اور وصال فلسطین کے قریب "عبرن" میں ہوا۔[۳]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پیشتر سلطنت بابل اوج کمال پر تھی۔ اس کی مالی و اقتصادی حالت مستحکم، فوجی اور عسکری قوت زبردست تھی۔ دولت کثیر اور امن بسیط نے بادشاہ کے دماغ میں اس قدر نخوت اور غرور پیدا کر دیا کہ شاہی معبد اعظم (بت خانہ) میں اس نے اپنا سونے کا بت سجا رکھا تھا۔ اور رعایا کو حکم تھا کہ اسی کی عبادت کریں، اسی کو سجدہ کریں، اسی کی نذر و نیاز مانیں اور اسی سے مشکلات میں مدد طلب کریں۔

احکم الحاکمین نے اس گمراہ قوم کی ہدایت کے لیے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو مبعوث فرمایا، بادشاہ

---

[۱] کتاب الہدیٰ ص ۴۰۵ [۲] کتاب الہدیٰ ص ۴۰۳ [۳] فرہنگ نفیسی جلد اول

Marfat.com

کے گوشِ نیوش آوازِ حق سے قطعی ناآشنا تھے۔ توحید کی صدا اس کے دل پر بجلی کی طرح گری۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہتا تو خدائی کے رتبہ سے اتر کر بندہ بننا پڑتا تھا۔ ایسا کرنا اس کے لئے ناممکن تھا۔ یہ مقام اس کے لئے ہوا کا نوالہ بن گیا کہ نگلتے بنے نہ اُگلتے بنے۔ بالآخر وہ خلیل اللہ کا جانی دشمن بن گیا۔ اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے ہی میں اپنی شاہی اور خدائی کی بقاء اور اپنی ہستی کا دوام خیال کرنے لگا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا خاندان شاہ کا منظورِ نظر تھا۔ اس کے معاندانہ رویہ سے متاثر ہو کر وہ بھی اپنے نونہال سے برہم ہو گیا۔

خاندان، قوم اور حکومتِ وقت کی ناقابلِ برداشت مخالفت کو دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے ترکِ وطن کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ تبلیغ توحید کے لئے کسی دوسری جگہ کو مرکز بنایا جائے۔ سیدہ سارہ اور سیدنا لوط بن فاران دونوں نے رفاقت کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے گذران کی خاطر بھیڑ بکریاں پالیں اور چلتے چلتے مصر پہنچ گئے۔ جہاں اس وقت رقیون نامی بادشاہ تھا۔ جو بابل ہی کا قدیم باشندہ تھا۔ اس بادشاہ کے نام میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

جامع التواریخ میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بابل سے اپنے بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام اور اپنی چچازاد بہن سیدہ سارہ کی معیت میں ہجرت کر کے مصر تشریف لے جا رہے تھے کہ جب منزل بمنزل چل کر قصبہ "حرّان" میں پہنچے تو یہاں سارہ کو عقد ازدواج میں لائے، اور یہ اب اُن کی حرم سرا بن گئیں۔[۵]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بادشاہ مصر کو اطلاع دی گئی کہ ایک نووارد آدمی یہاں آیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی حسین و جمیل بیوی

---

۵ جامع التواریخ فارسی ص۲ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۶ء

Marfat.com

بھی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا اور پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے تو آپ نے فرمایا میری بہن (یعنی چچا زاد بہن) بادشاہ نے سارہ کو بلایا۔ پیش ہونے سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کو مطلع کر دیا تھا کہ بادشاہ کی نیت خراب ہے اور اس نے تیرے متعلق مجھ سے دریافت کیا تو میں نے اسے کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ اور تو جانتی ہے کہ روئے زمین پر ہم دونوں کے سوا کوئی بھی مومن نہیں ہے (گویا کہ ایمانی رشتہ میں بھی ہم دونوں بہن بھائی ہیں) لہٰذا تم میری بات کی تصدیق کرنا۔ جب آپ اس کے دربار میں حاضر ہوئیں تو بادشاہ نے بُرے ارادہ سے آپ کی طرف دست تصرف دراز کیا۔ تو فوراً اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا۔ گھبرا کر چلا اٹھا کہ سارا تو اپنے خدا سے دعا کر کہ وہ مجھے نجات دے دے۔ میں تجھے قطعاً کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی۔ مگر پھر وہ گناہ کی نیت سے آپ کی طرف بڑھا۔ تو دوبارہ اسے قدرت نے پکڑا اور پہلے سے بھی شدید گرفت کی۔ پھر اس نے لجاجت اور انکساری سے کہا سارہ اب کی بار خدا کی بارگاہ میں دعا کر کے مجھے نجات دلا دے۔ میں ہرگز تجھے اذیت نہیں دوں گا بہر حال آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ بادشاہ درباریوں سے کہنے لگا۔ یہ تو کوئی جن ہے (وہ لوگ جنوں کی عظمت کے معتقد تھے) اس کی خدمت گذاری کے لئے ہاجرہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ جب سارہ واپس آئیں تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں خوشخبری سنائی کہ اللہ پاک نے ظالم کے کید و فریب سے نجات مرحمت فرمائی ہے۔

اور اس نے ہاجرہ کو ہماری خدمت کے لئے سپرد کر دیا ہے۔[1]

سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے آسمان کے پانی کی اولاد (یعنی عرب کے لوگو)

---

[1] بخاری شریف جلد ا صفحہ ۴۷۴

Marfat.com

یہ ہے تمہاری ماں۔

علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں، اسلام سے قبل لوگ جنوں کی بے حد تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ اور جو بھی خوارق عادت واقع رونما ہوتا تو اسے جنات کا تصرف اور فعل گردانتے تھے۔ اسی بنا پر اس جبّار بادشاہ نے سیّدہ سارہ کو تعظیماً جنی کہا تھا۔ [ا]

چمن زارِ براھیمی کی ___ شگفتہ کلی

سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

قدیم عربی کتابوں میں لفظ "ہاجرہ" استعمال ہوا ہے۔ جو فی الحقیقت عبرانی لفظ "ہاغار" ہے۔ جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں۔ یہ فرعونِ مصر کی شہزادی تھیں۔ جیساکہ ہم گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ جب سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نابلس شہر جو فلسطین کے غربی اطراف میں واقع اور کنعانیوں کے زیرِ اقتدار تھا سے چل کر مصر پہنچے۔ تو وہاں کے بادشاہ نے سیدہ کی شخصیت اور کرامات سے متاثر ہو کر حضرت ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں کی حکمران قوت عرب کی سامی قوم تھی جس سے آپ کے نہایت قریبی نسبی تعلقات بھی تھے۔ لفظ ہاجرہ کا عبرانی ہونا بھی اس دعوٰی کی بیّن دلیل ہے۔ اور فرعون کا ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دینا بھی اس بات کی شہادت ہے کہ درحقیقت اس ازدواج سے نسبی تعلق کا استحکام مقصود تھا۔ یہ محض قیاس آرائی ہی نہیں، بلکہ یہودی روایات بھی اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

یہود کی معتبر تاریخ سفر الیشیا میں مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ ان

[ا] فتح الباری جلد ۶ ص ۳۹۰

Marfat.com

کا ہم وطن تھا۔ تورات کا مشہور مفسر ابی شلوم تکوین (۱۶-۱) کی تفسیر میں لکھتا ہے۔

"ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی۔ فرعون نے جب سارہ کی کرامات دیکھیں تو کہا۔ اس کے گھر میں لونڈی بن کر رہنا، دوسرے کے گھر میں بی بی بن کر رہنے سے بہت بہتر ہے۔"

سید سلیمان ندوی اور کتاب الہدیٰ کے مؤلف لکھتے ہیں۔

اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ سیدہ سارہ کی خدمت گذار تھیں۔ بادشاہ نے سیدنا ابراہیم اور سیدہ سارہ کے تقدس سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی اس مقدس جوڑے کی خدمت کے لئے ان کے حوالے کی تھی۔[1]

ان حقائق کی روشنی میں وہ اسرائیلی خرافات بھی تخت ازبام ہو جاتے ہیں جن میں سیدہ ہاجرہ کے عربی النسل خاتون ہونے کا انکار کیا گیا، اور انہیں اسی طرح کی ایک لونڈی گردانا گیا۔ جو قدیم معاشرہ میں سوائے زمانہ اور حقوق انسانی سے محروم ایک شجر ممنوعہ سمجھی جاتی تھی۔ جب یہ لونڈی یا باندی نہیں بلکہ شاہ مصر کی شہزادی تھیں۔ اس کی تفصیلات کے لئے محقق عصر حاضر علامہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب قصص القرآن جلد اول صـ ۱۸۸ کی طرف رجوع فرمائیں۔

امام سہیلی روض الانف میں ارقام فرماتے ہیں جس بادشاہ مصر نے سارہ کی طرف دست تصرف دراز کیا تھا اس کا نام سنان بن علوان تھا جو ضحاک کا بھائی تھا۔ اور ابن ہشام نے اس کا نام عمرو بن امرئ القیس بن بابلیون بن سبا لکھا ہے۔ اور سیدہ ہاجرہ مصر کے قبطی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی شہزادی تھیں۔[2]

---

[1] ارض القرآن ۳۵ کتاب الہدیٰ ۳۴ [2] روض الانف صـ ۱۲۰، ۱۱

یہی قول علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ ہاجرہ کا باپ قبطی بادشاہ تھا۔ جو مصر کے مضافات میں قصبہ "حفن" کا باشندہ تھا۔[۱]

المحدث الشہیر والفقیہ النبیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ الباری از قلم فرماتے ہیں:۔

کہ انہیں "ہاجرہ" اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے شام سے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ اور بادشاہ نے سیدہ سارہ کی جب کرامت ملاحظہ کی اور اللہ رب العزت کے ہاں ان کے بلند مقام کا جب اسے علم ہوا تو ان کی خدمت کے لئے ہاجرہ کو ان کے حوالے کر دیا۔[۲]

خانوادۂ براہیمی کا فردِ فرید اور گلستانِ براہیمی کا گُلِ خنداں

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام

اسمٰعیل یا اسماعین عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی "شماع ایل" کے ہیں۔ شماع (سماع) سننا اور ایل (اللہ) جس کے لفظی معنی خدا کا سننا ہے۔ چونکہ اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی دعا اور سیدہ ہاجرہ کی فریاد سنی تھی (یعنی دونوں نے بارگاہ خداوند قدوس میں اولاد کیلئے دعا کی تھی جسے اللہ کریم نے شرف قبولیت سے نوازا) اس لئے مولود کا نام "شماعیل" رکھا اور یہ مبارک نام اولادِ آدم میں سب سے پہلے انہی کا رکھا گیا تھا۔[۳]

علامہ قرمانی ارشاد فرماتے ہیں:۔

---

[۱] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۰۲ [۲] مرقاۃ جلد ۱۱ صفحہ ۱ [۳] ارض القرآن صفحہ ۲۰۱ ، سبائک الذہب صفحہ ۱۸

Marfat.com

"اسمٰعیل عجمی لفظ ہے اور یہ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ اسماعیل "لام" کے ساتھ اور اسماعین "ن" کے ساتھ بھی[1]۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اس عالم آب و گل کی نیرنگیوں میں جب قدم رنجہ فرما ہوتے، تو عرش نیلی فام اس وقت ۲۰۷۴ ق م کا نقارہ بجا رہا تھا۔ اور جب یارانِ وفاکیش ان کے انتقالِ پُر ملال کی اندوہناک خبر سُن رہے تھے۔ تو اس وقت گردشِ ایام ۱۹۳۷ سنہ قبل مسیح کے محور کے گرد گھوم رہی تھی۔ گویا کہ اس عالم ناہنجار اور دارِ ناپائیدار میں مستعار زندگی کی ۱۳۷ منزلیں طے کر کے آفتاب براہیمی برزخ کا نقاب اوڑھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حطیم میں غروب ہو گیا[2]۔

سیدنا اسماعیل کی ولادت باسعادت ارض فلسطین میں ہوئی۔ اور وہاں سے پدر بزرگوار سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کی معیت میں مکہ معظمہ کی سرزمین میں ورود ہوا۔ اور سرزمین مکہ ہی آپ کا مدفن بنی[3]۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سفر ابراہیمی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے مختلف شہروں کے طویل سفر کے بعد عرب اور شام کی سرحد کا رُخ کیا۔ بحرِ میت کے پاس اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو آباد کیا۔ اپنے فرزند ارجمند سیدنا اسحاق علیہ السلام کے لئے کنعان (فلسطین) کا مقام منتخب کیا۔ اپنے دوسرے بیٹوں مدین وغیرہ کو حجاز میں بحر احمر کے ساحل پر اس مقام پر بسایا، جسے ان کے انتساب سے آج تک مدین کہا جاتا ہے۔ اور اس سے آگے بڑھ کر فاران کی مقدس وادی میں

---

[1] کتاب الاخبار الدول صلا [2] تفسیر ابن جریر مترجم حاشیہ پارہ اول [3] قسم تاریخ المکرمہ صلا

Marfat.com

سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ کی جائے سکونت مقرر فرمائی ۔ یہ تمام مقامات ایسی شاہراہوں پر واقع تھے، جن پر مصر و شام سے حجاز و یمن، اور حجاز و یمن سے مصر و شام آمد و رفت کے لئے تاجروں سوداگروں اور قافلوں کا تانتا لگا رہتا تھا ۔

اپنی اولاد کو اس خاص سلسلہ سے آباد کرنے سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے پیشِ نظر دو عظیم مقصد تھے، ایک تو یہ کہ تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کی وجہ سے انہیں ضروری سامان اور غلّہ وغیرہ دستیاب ہونے میں تکلیف نہیں ہوگی ۔ اور ساتھ ہی اس سوداگری میں وہ بھی بہولت سے شرکت کر سکیں گے ۔ اور دوسرا مقصد تبلیغ کا تھا ۔ کہ توحیدِ خداوندی کی تبلیغ کے لئے یہ بین الاقوامی گذرگاہیں بہترین مراکز ثابت ہوں گی ۔ اور اس طرح عراق و شام کی جبار و قہار بُت پرست و کواکب پرست قوموں سے کنارہ کش ہو کر دینِ حنیف کی تبلیغ و ترویج پورے انہماک سے کر سکیں گے ۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ جہاں کہیں نورانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا ۔ وہاں خداوند قدوس کے نام سے ایک پتھر نصب کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنا لیتے تھے ۔ اس قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر حضرت اسحاق ، حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام نے بھی بنائی تھیں ، اور آخر میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے بیت المقدس کی تعمیر فرمائی جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا[۱]

خاندانِ براہیمی کا مکّہ میں ورودِ مسعود

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام " ملک شام " فلسطین میں اقامت گزیں تھے، جہاں برسوں

---

[۱] سیرت النبی ج ۵ صفحہ ۳۴۳

Marfat.com

کی آہ و زاری کے بعد فرزند ارجمند سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام مرحمت ہوئے۔ ابھی آپ ایام شیرخوارگی ہی میں تھے۔ کہ رب کائنات نے ارشاد فرمایا اے خلیل ہم کعبۃ اللہ کی تطہیر و تنظیف اور تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اس عظیم الشان خدمت پر آپ کو مامور کیا جاتا ہے۔ ہم اس کی نشاندہی کر دیں گے، آپ اسے پاک صاف کر کے طواف اور نماز سے آباد کریں، سر دست اپنے چہیتے لختِ جگر اور رفیقۂ حیات کو اس سنسان بیابان میں چھوڑ آئیں۔

ادھر جبرئیل امین براق لے کر حاضر خدمت ہو گئے تاکہ تعمیلِ ارشادِ ربانی میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنی مونس و غم گسار زوجہ مکرمہ، حیا جن کا نقاب اور وفا اوڑھنی تھی، اور معصوم و شیرخوار بچہ جو پیہم دعاؤں اور برسوں کی التجاؤں کے بعد نصیب ہوا تھا، کے جلو میں براق پر سوار ہو کر اس تاریخی سفر کا آغاز فرماتے ہیں۔ دورانِ سفر جب کسی بستی سے گذر ہوتا، تو جبرئیل سے دریافت فرماتے کیا یہی ہمارا مقصودِ سفر اور منتہائے منزل ہے؟ جبرئیل امین عرض کرتے نہیں، ابھی آپ کا سفر جاری ہے۔ چلتے چلتے آپ ایک ایسے خطۂ زمین پر پہنچ گئے جس کی زینت خاردار جھاڑیاں اور ببول کے درخت تھے۔ ہر سو خشک اور بے آب و گیاہ گھاٹیاں جلوہ نما تھیں۔ یہی ان کا گوہرِ مقصود اور مطلوب و محبوب جگہ "المکۃ المکرمۃ" تھی۔ بیت اللہ شریف کی جگہ اس وقت ایک ناہموار سرخ ٹیلہ کی شکل میں تھی۔ اسے دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جبرئیل امین سے دریافت فرمایا، کیا یہی جگہ بیت اللہ کی ہے جس کی تعمیر کا ہمیں حکم ملا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام عرض پرداز ہوتے۔ اس سرخ ٹیلہ کی جگہ آپ نے بیت اللہ شریف تعمیر کرنا ہو گا۔

چنانچہ آپ نے اپنی رفیقۂ حیات اور فرزند دل بند کو زمزم والی جگہ پر ایک درخت[1] کے

[1] ایک روایت یں ہے کہ حطیم والی جگہ انہیں بٹھایا اور جھونپڑی بنا لینے کو فرمایا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے خود ایک سادہ و بے نمود چھپر بنا دیا تھا۔

Marfat.com

نیچے بٹھا دیا اور استراحت کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے واپس چل پڑے

اُس وقت تک وہاں نہ تو کوئی انسانی آبادی تھی۔ نہ ہی پانی کا کہیں نام و نشان پایا جاتا تھا۔ اور نہ ہی زندگی کی بقا کا کوئی ظاہری وسیلہ نظر آتا تھا۔

وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ اَحَدٌ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ — اُس وقت مکہ میں نہ کوئی انسان تھا اور نہ ہی پانی۔

البتہ اطراف و اکناف میں قبیلہ جرہم آباد تھا۔ جو لبعد میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ازدواجی سلسلہ سے منسلک ہوگیا، ابراہیم علیہ السلام معدودے چند کھجوریں اور پانی کے چند گھونٹ پیکر شرم و حیا بیوی اور لخت جگر کے سپرد کر کے الوداعی سلام کرتے ہوئے وطن کو مراجعت کرنے لگے۔ کیونکہ اس وقت بارگاہ خداوندی سے وہاں قیام کی اجازت مرحمت نہیں ہوئی تھی۔ جب آپ کے چلنے کی تیاری دل و جاں سے نثار رفیقۂ غم گسار نے دیکھی، تو دامن تھام کر عرض پرداز ہوئی اس لق و دق صحرا اور چٹیل میدان میں ہمیں یکہ و تنہا چھوڑ کر آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ یہاں نہ تو کوئی مونس و مددگار ہے اور نہ ہی حیات ناپائیدار کو سہارا دینے کے لئے کوئی چیز موجود ہے۔

لیکن سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سنی اَن سنی کر دی اور چپ سادھے چلتے بنے۔ رُخِ انور پھیر کر اُن کی طرف دیکھا تک بھی نہیں۔ سیدہ ہاجرہ محبت بھرے لہجہ اور اُلفت و شفقت سے پھر پکارتی ہیں۔ کہ ان خشک پہاڑوں اور گرم ریگزاروں میں کس کے سپرد کئے جا رہے ہیں؟ مگر بار بار التجا کرنے کے باوجود بھی جب آپ نے التفات نہ فرمایا تو سیدہ ہاجرہ ورطۂ حیرت میں پڑ گئیں۔ بارخدایا! میرے رحم دل و شفیق شوہر، ہنس مکھ اور شگفتہ دہن خاوند آج اس قدر بے التفاتی اور بے رخی کا مظاہرہ کیوں فرما رہے ہیں؟ پھر خیال آیا

Marfat.com

شاید یہی مشیّتِ ایزدی ہو۔ چنانچہ استفسار کرتی ہیں۔ کیا آپ کو اللہ جل شانہٗ نے ہمیں یہاں چھوڑ جانے کا حکم فرمایا ہے؟

تب سیدنا ابراہیم علیہ السلام شگفتہ دہن ہوتے ہیں، ہاں یہی مشیّتِ ایزدی ہے۔ یہ سنتے ہی سیدہ ہاجرہ طمانیت و سکون کے ساتھ عرض کرتی ہیں پھر آپ بڑے شوق سے تشریف لے جائیں۔

اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا اب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا

ہمیں اسی کا بھروسا اور سہارا ہے وہی محافظ و نگہبان ہے۔ سیدہ ہاجرہ واپس لوٹ آئیں اور اپنے نورِ نظر لختِ جگر کو گود میں لے کر اس سنسان سنگستان میں بے یار و مددگار بیٹھ گئیں[۱]۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

دعائے ابراہیمی

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے دھیان میں چلتے چلتے جب ثنیۃ نامی ٹیلہ کے قریب پہنچے (یہ جگہ محلہ شبیکہ کی جانب واقع ہے) جہاں انہیں اس بات کا وثوق ہوگیا کہ ہاجرہ نہ تو اب میرا پیچھا کر رہی ہیں اور نہ ہی یہاں تک ان کی نظریں کام کر سکتی ہیں۔ اب وہ مکمل طور پر نظروں سے اوجھل ہوگئی ہیں۔ تو کعبۃ اللہ کی جانب چہرۂ انور کرکے نہایت انکساری اور تذلل کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ رب العالمین میں اس طرح دعا کرتے ہیں:۔

---

[۱] بخاری شریف کتاب الانبیاء، البدایہ والنہایہ جلد ۱ صہ ۱۵۴ زاد المسیر جلد ۴ صہ ۳۶۷

Marfat.com

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۔ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْۤ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ[1]

اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے قریب ایک چٹیل میدان میں جو ناقابلِ زراعت ہے آباد کرتا ہوں تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرمادے اور انہیں پھلوں سے رزق مرحمت فرمادے تاکہ تیرا شکر ادا کریں۔

(علامہ طاہر کردی مدظلہٗ فرماتے ہیں):

اللہ رب العزت نے آپ کی دعا کو اس طرح شرفِ قبولیت سے نوازا کہ ہزارہا سال گذر جانے کے باوجود اس کے اثرات آج بھی پوری طرح موجود ہیں۔ بلکہ روز افزوں ترقی پذیر ہیں۔ وہ شہر جہاں چار سُو پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ دعائے ابراہیمی کی برکات سے دنیا جہاں کے پھل مل رہے ہیں۔

طائف کی وادی جو مکہ مکرمہ کے قریب ہی واقع ہے آب و ہوا اور زراعت کے لحاظ سے بالکل ہی مختلف ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے شام کی زمین کا کچھ حصّہ کاٹ کر طائف کی جگہ آباد کر دیا۔ جو بے حد زرخیز اور سر سبز و شاداب ہے۔

علامہ کردی کے الفاظ ہیں

طائف کی زمین حجاز کی جان ہے۔ وہاں پانی کی فراوانی، انواع و اقسام کے پھل اور دل موہ لینے والے باغات ہر سو رونق افروز ہیں[2]۔)

تعمیل ارشادِ خداوندی کا ایسا عدیم النظیر اور قابلِ رشک مظاہرہ کیا جسے دیکھ کر چشمِ فلک بھی خیرہ ہو گئی۔ اور اقوامِ عالم ایسی نادر الوجود مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ واپسی کے حکم کو

---

[1] سورہ ابراہیم پ ۱۳ [2] تاریخ القویم جلد ۲ صہ ۱۳

Marfat.com

عملی جامہ پہنانے میں اتنی دیر بھی گوارا نہیں فرمائی کہ اپنی اہلیہ محترمہ کو تسلی اور تشفی دیتے کہ کبیدہ خاطر اور مضمحل نہ ہونا۔ مجھے تو بارگاہ ربّ ذوالجلال سے فی الفور واپسی کا حکم ملا ہے۔ وہی تمہارا حافظ و نگہبان ہے۔ بلکہ بلا چون و چرا اور بغیر کسی ادنیٰ سے تامّل کے فوراً واپس روانہ ہو گئے اور اپنی عفت مآب بیوی سے کوئی راز و نیاز کی بات تک نہیں کی۔[1]

علامہ قرمانی فرماتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واپس تشریف لے جانے کے بعد سیدہ ہاجرہ نے حطیم والی جگہ ایک جھونپڑی بنالی تھی جس میں رہائش پذیر ہو گئیں۔[2]

علامہ مسعودی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نقل کردہ روایت کے مطابق

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے واپس جاتے وقت آپ کو ارشاد فرمایا تھا کہ یہاں رہنے کے لئے جھونپڑا بنالینا۔[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۵ [2] کتاب اخبار الدول ص ۳۲ [3] مروج الذہب جلد ۱ ص ۴۶

Marfat.com

مہمان ذی شان

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اپنے مشن کی تکمیل پر مسرور اور ارشاد الٰہی کی تعمیل پر شاداں و فرحاں اپنے وطن شام کو رخصت ہو گئے۔ اور سیدہ ہاجرہ حیا کی چادر اوڑھے، صبر و استقلال کا پیراہن زیب تن کئے، عفت و عصمت کا نقاب چہرۂ پُر ضیا پر ڈالے رضا بالقضاء کے بستر پر بیٹھ جاتی ہیں۔ ماں کی مامتا اپنے ظلِ عاطفت میں کمسن شیر خوار بچہ کو لئے جلوہ نما ہے۔ وہی نور نظر آنکھوں کا تارا، مغموم و محزون دل کا سہارا اور وہی ہمدم اور شریکِ غم تھا۔ فرزند دلبند کے چاند جیسے مکھڑے کو دیکھتیں تو حزن و ملال اور کرب و اضطراب کافور ہو جاتا۔ کھجور اور پانی کی بھاری بھر کم مقدار جو توشۂ زندگانی تھا وہ تو جلد ہی جواب دے گیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ اناج کا ایک دانہ پاس نہیں اور نہ ہی پانی کا گھونٹ تک باقی رہا۔ خود بھی بھوک و پیاس کا شکار ہو گئیں اور معصوم بچے کا گلاب سا چہرہ بھی مرجھا گیا۔ وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بلبلانے

Marfat.com

اور تلملانے لگا۔ اگرچہ زبان قوتِ گویائی سے عاری تھی مگر اضطراب و اضطرار گریہ و بکا سے ہویدا و آشکار تھا۔ افسردگی اور اُداسی لمحہ بہ لمحہ فزوں تر ہونے لگی۔ اضطراب سیمابی میں تڑپتے بلکتے آنسو بھی خشک ہو گئے۔

مامتا بھری ماں کبھی تو اپنی تنہائی و بے کسی کا خیال کرتی اور کبھی اس کی مشفقانہ نگاہیں اپنے ننھے منّے اکلوتے بیٹے کی حالتِ زار کا نظارہ کرتیں، اس بھیانک جنگل میں نہ تو کسی انسان کے گذر کا تصور، نہ ہی کوسوں دور تک آبادی کا کہیں نام و نشاں تھا، اس بے آب و گیاہ وادی میں کھانا تو کجا پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہ تھا۔ ننھی سی جان کی یہ حالتِ زار ماں کی مربیانہ نگاہیں آخر کب تک دیکھ سکتی تھیں، اپنے نونہال کی زندگی کا اجڑتا ہوا باغ چشمِ خود سے دیکھنا جب ناقابل برداشت ہو گیا تو دل برداشتہ ہو کر اٹھیں اور قریب ہی واقع صفا پہاڑی پر چڑھ کر مضطربانہ و متجسّسانہ نگاہیں دوڑائیں کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا آدمی آتا نظر آجاتے یا کہیں پانی کی نشان دہی ہو جائے مگر نگاہیں مایوسی اور محرومی کے ساتھ ہر طرف سے واپس لوٹ آئیں۔ وہاں سے اتر کر وادی کو تیزی کے ساتھ عبور کر کے مروہ پر چڑھ گئیں۔ پوری یک جہتی اور توجہ کے ساتھ گرد و پیش کے میدانوں کا جائزہ لیا۔ لیکن جب وہاں بھی محرومی ہی سے پالا پڑا تو پھر مروہ سے اتر کر صفا ہی کا رخ کر لیا۔ درمیانی نقوڑا سا نشیبی حصہ تیز رفتاری سے طے کر کے صفا پر چڑھ گئیں۔ اسی طرح اس عمل کو سات مرتبہ دہرایا۔ اس دوران وہ اپنے قرۃ العین بچے کو بھی آ کر دیکھ جاتیں۔ بچہ کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھ کر آپ کے غم و اندوہ اور کرب و ملال میں اضافہ ہوتا رہا۔

ساتویں مرتبہ جب سیدہ ہاجرہ مروہ پر آئیں تو انہیں کوئی دل آویز آواز سنائی دی۔ آپ خاموش اور ہمہ تن گوش ہو کر آواز کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بارِ خدایا! یہ کیسی آواز ہے؟ آپ کے کان پھر اس روح پرور آواز سے لطف اندوز ہوتے اور اب کی بار آواز غل و غش سے بالکل صاف تھی۔ آپ

Marfat.com

پروانہ وار آواز کی طرف لپکتی ہیں اور یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتی ہیں کہ ان کے لخت جگر کے قریب ایک بزرگ ترین ہستی سراپا نور بن کر کھڑی ہے۔

"یہاں انسان کہاں سے آگیا" لمحہ بھر کے لئے آپ سوچ کی موج میں گم ہو جاتی ہیں۔ لیکن جلد ہی یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی کہ یہ فرشتۂ رحمت سیدنا جبرئیل امین ہیں۔

جبرئیل (سیدہ ہاجرہ سے مخاطب ہو کر) آپ کون ہیں؟

میں ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند جگر بند کی والدہ ہوں۔ سیدہ ہاجرہ شگفتہ دہن ہوئیں۔

جبرئیل خلیل اللہ تمہیں اس سنسان بیابان جنگل میں کس کے سپرد کر گئے ہیں؟

"اللہ کے حوالے" سیدہ ہاجرہ نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

جبرئیل۔ پھر تو وہ کافی شافی ہے۔

سیدہ ہاجرہ عرض کرتی ہیں کیا میری دادرسی بھی ہوگی؟

جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی (بعض روایات کے مطابق انگلی کا اشارہ کیا یا پَر مارا) تو اللہ جل جلالہٗ کی قدرت سے پانی کا چشمہ اُبلنے لگا۔ سیدہ ہاجرہ نے اپنا مشکیزہ بھرنا شروع کر دیا۔ جب وہ بھر گیا تو خیال آیا کہیں یہ پانی اِدھر اُدھر بہہ کر ضائع ہی نہ ہو جائے اس لئے اس کے ارد گرد مٹی کی باڑھ باندھنی شروع کر دی اور زبان سے "زم زم" کی نغمہ سرائی کرتی رہیں یعنی "رک جا رک جا" اس سنگلاخ زمین سے زمزم جیسا شیریں اور لطیف و نظیف پانی کا نکلنا عجائبات قدرت کا ایک عظیم نمونہ تھا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں:

بخاری شریف ج ۱ ص ۴۷۵۔ ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۵

Marfat.com

يَرْحَمُ اللّٰهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ أَوْ قَالَ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا۔

اللہ پاک ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ پانی کو اس طرح نہ روکتیں، تو آج زم زم کنوئیں کے بجائے ایک جاری نہر کی شکل میں ہوتا

سیّدہ ہاجرہ نے زمزم شکم سیر ہو کر نوش فرمایا، اور اپنے گوشہ جگر کو دودھ پلایا، فرشتہ یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ تم اطمینان اور سکون سے رہو، اللہ کریم تمہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ تمہاری اس نشست گاہ پر تمہارے نونہال اسماعیلؑ اور اس کے والد بزرگوار کے ہاتھوں خدا کا گھر تعمیر ہو گا۔

سیدہ ہاجرہ اب یہیں اقامت گزیں ہو گئیں، آب زمزم نوش جاں فرماتیں اور نور نظر سے دل بہلاتیں، بارش کے موسم میں پانی کے خوفناک سیلاب ہر جانب سے آتے لیکن یہ جگہ بلند ہونے کی وجہ سے پانی کے ریلے سے محفوظ رہتیں۔ اس طرح یہاں ماں اور بیٹا امن و امان سے گذر بسر کرتے رہے[۱]

سیدہ ہاجرہ کی مضطربانہ دعا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی معصومانہ ٹھوکر نے اس پانی کو ایسی عظمت، فضیلت اور ہمیشگی بخشی جس کی نظیر نہیں مل سکتی، پھر جو کلمہ چشمہ کے دیدار کے وقت بے تابی میں حضرت ہاجرہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا "زم زم" یعنی ٹھہر جا ٹھہر جا وہی اس کا مسمّیٰ بن گیا۔ زمزم کے لفظ پر غور فرمائیں، یہ ایک عجیب الوصف طنطنہ ہے

ع کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

غیب کا علم تو صرف خدائے علیم و خبیر کو ہے۔ سیدہ ہاجرہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات

---

[۱] بخاری شریف کتاب الانبیاء، البدایہ والنہایہ جلد ۱ صہ ۱۵۵۔ ابن کثیر جلد ۱ صہ ۱۷۶

Marfat.com

نہ تھی کہ جہاں آج وہ غریب الوطن اور مسافر ہیں، مہاجر اور جلا وطن ہیں اور جہاں ان کی آواز کے سوا کسی دوسرے انسان کی آواز تک نہیں ہے اور جہاں ان کا کوئی غم گسار اور ہم جلیس نہیں۔ وہاں کبھی ایسا مقدس اور متبرک شہر بھی آباد ہوگا جو "اُمّ القریٰ" کی صفت سے متصف ہوگا، جس کی فضیلت کرۂ ارضی کے تمام شہروں سے فزوں تر ہوگی، اور جسے کروڑوں انسانوں کا قبلہ ہونے کا شرف نصیب ہوگا اور جہاں ہر سال لاکھوں انسانوں کا طلاطم خیز سمندر موجزن ہوگا۔ اور جس طرح آج وہ صفا اور مروہ کے درمیان بے تابی اور بے چینی کے ساتھ دوڑ رہی ہیں اسی طرح قیامت تک آنے والے کعبۃ اللہ کے پروانے یہاں اسی انداز میں دوڑ لگایا کریں گے اور اس عمل کا سال میں نہ صرف ایک دوبارا اعادہ ہوگا بلکہ اسے روزمرہ کا معمول بنایا جائے گا۔ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تاریخ افکار سے پیدا ہوتی، کردار سے پرورش پاتی اور پھر شاہراہوں میں اپنے نقشِ پا چھوڑ کر انسانوں کے حافظہ کی سرگذشت بن جاتی ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا

کریں گے اہلِ نظر نئی بستیاں آباد

تورات بھی اس عجوبہ روزگار سفر کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔

صبح کا وقت تھا کہ ایک بوڑھے باپ نے جو تقدیس اور نیکی سے معمور تھا اپنے کم سن بچے اور عزیز بیوی کو چند ٹکڑے اور پانی کا مشکیزہ دے کر گھر سے نکال کر فاران کے بے آب گیاہ بیابان میں چھوڑ دیا اور پھر کبھی اس کے دیکھنے کے لئے مضطرب نہیں ہوا۔[۵]

---

۵ تکوین باب ۲۱

Marfat.com

جرہم کی آمد

سیدہ ہاجرہ اپنے فرزند دلبند کی معیت میں زندگی کے شب و روز گذار رہی تھیں کہ حسن اتفاق سے بنو جرہم کا ایک قبیلہ راستہ بھول کر اس طرف آنکلا، جو شام جانے کا عزم رکھتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں خیمہ زن ہوگیا، ایک دن انہوں نے ایک آبی پرندہ فضا میں اڑتا دیکھا جو اُن کی توجہ کا مرکز اور موضوع سخن بن گیا۔ وہ باہم حیرت انگیز لہجہ میں گفتگو کرنے لگے۔ کہ یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور اس کی پرواز پانی ہی پر ہوا کرتی ہے۔ مگر یہاں تو متعدد بار ہمارا گذر ہوا پانی کا نشان تک نہیں ہے۔ اس خشک جنگل اور چٹیل میدان میں پانی کہاں؟ لیکن یہ پرندہ اپنے فن میں اس قدر مہارت رکھتا ہے کہ اس سے ایسی لغزش کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ اور ساتھ ہی انہیں اپنے کہنہ تجربات پر بھی یقین تھا، اور اپنے تجربات پر خطا کا گمان ان کی توہین کے مترادف تھا۔ بالآخر تفتیش و تحقیق حال کی غرض سے اپنے معتمدین کا ایک وفد بھیجا تاکہ حقیقت منکشف ہو سکے۔ آخر وفد اس مقام پر پہنچا جہاں چشم فلک نے بھی کبھی پانی کا ایک قطرہ تک نہیں دیکھا تھا۔ آب شیریں کا چشمہ جاری دیکھ کر تھوڑی سی دیر کے لئے وہ خیالات کی دنیا میں گم سم ہو گئے۔ حیرت و استعجاب نے امکانی حدود کو توڑ کر انہیں اقرار اور انکار کے سنگھم پر لا کھڑا کر دیا، لیکن حقائق نے کبھی پردہ نشینی اختیار نہیں کی۔ آخر انہیں عین الیقین ہوگیا کہ اس سنگلاخ مقام پر نہایت صاف شفاف، لطیف و شیریں پانی فراوانی کے ساتھ موجزن ہے۔ چنانچہ وفد نے صورت حال سے اپنے قبیلہ کو آگاہ کیا۔ تو ان میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی جس کی کیفیت کا احاطہ کرنے سے قلم قاصر

Marfat.com

ہے۔ پورے قبیلہ نے اس طرف کوچ کر دیا۔

یہ لوگ وہاں پہنچ کر غریب الدیار اجنبی ماں بیٹے کو پانی کے کنارے جلوہ افروز پاتے ہیں انہوں نے متفقہ طور پر سیدہ ہاجرہ کی خدمت میں عرضداشت پیش کی کہ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم بھی یہاں فروکش ہو جائیں۔ آپ کا قلبِ حزیں پہلے سے ہی اپنے ہم جنس کا متلاشی تھا۔ چنانچہ آپ نے خنداں و فرحاں ان کی درخواست کو پذیرائی بخشتے ہوئے وہاں اقامت پذیر ہونے کی اجازت سے نوازا۔ لیکن اس پیشگی شرط کے ساتھ کہ پانی کے مالکانہ حقوق اُن (سیدہ ہاجرہ) کے نام محفوظ رہیں گے۔ اور قافلے والوں کو اس پر قابض ہونے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ نووارد قبیلہ نے خندہ پیشانی سے اس شرط کو مان لیا۔ اور باہم شیر و شکر ہو کر رہنے سہنے لگے۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام بھی ان میں گھل مل کر پروان چڑھے۔ ان کی معصومانہ ادائیں ان کے دلوں پر ایسے گہرے نقوش مرتسم کر گئیں کہ وہ ان پر دل و جان سے فدا ہونے لگے جرہم ان پر ایسے شیفتہ و فریفتہ ہوئے، کہ جب آپ عنفوانِ جوانی کو پہنچے تو اپنی ایک دوشیزہ سے عقد کر دیا جس سے ایک دائمی اور اٹوٹ رشتہ قائم ہو گیا۔ باہم اختلاط اور میل جول سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اُن سے عربی بھی سیکھ لی جب کہ آپ کی مادری زبان عبرانی تھی۔ آپ کا لب و لہجہ بالکل وہی تھا جو اس واقعہ کے اڑھائی ہزار سال بعد قرآن پاک کا لہجہ قرار پایا۔ سلسلۃ الذہب کی یہ تمام کڑیاں مل کر ایک ایسا نادر الوجود گلدستہ بن گیا جس کی نظیر اقوام عالم کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔[۱]

سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنی بود و باش کے لئے عین کعبۃ اللہ کے مقام پر ایک بے حد سادہ سی جھونپڑی بنالی۔ اور اس کے متصل حطیم والی جگہ میں بھیڑ بکریوں کا باڑہ بھی بنایا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ہر سال اپنی بیوی اور بچے کی خبر گیری کیلئے براق پر سوار ہو کر تشریف لاتے رہتے تھے۔[۲]

---

[۱] بخاری شریف جلد اول کتاب الانبیاء ص [۲] ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۶۸۔

Marfat.com

وہ کونسے اسباب اور وجوہات تھے کہ معصوم بچے اور اس کی ماں کو لق ودق صحرا میں چھوڑ دیا۔ کیا معاذ اللہ یہ دونوں نافرمان تھے؟ یا حضرت ابراہیمؑ کو ان سے نفرت تھی؟ یا پھر حضرت سارہ کی بات کا آپ کو اس قدر پاس لحاظ تھا کہ اس کی خاطر محبت کے فطری جذبہ کو بھی تج دیا۔ بفرض محال بیوی مجرم تھی تو بچے کا کیا قصور تھا؟

ظاہر بین تو وحشت زدہ ہے۔ کہ ایک برگزیدہ نبی نے ایسا اقدام کیوں کیا؟ لیکن کاربرداران مشیت کا اعلان ہے کہ بچے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ بلکہ ایک ایسی امت اور ملت کا تخم نہ نشین کیا جارہا ہے۔ جس کا ثمر خوشگوار وہ طبقہ ہوگا جو اعلیٰ اخلاق، مکمل انسانیت، پیکر شرافت اور لامتناہی برکات کا نمونہ ہوگا۔ یہ سب کچھ مقبولیت دعا کی تمہید اور عالم انسانیت کے متعلق اللہ جل مجدہٗ کے ایک عظیم الشان منصوبہ کا اظہار تھا زن و فرزند کی یہ قربانی اس کی خشت اوّل اور ذبح اسمٰعیلؑ خشت دوم تھی۔

Marfat.com

ذبیحُ اللہ

جس گلشن کی تخم ریزی اور شجر کاری سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ارضِ فلسطین میں کی تھی مکہ مکرمہ کی خاک پاک نے اُسے اپنے خون سے سینچا اور اپنے دامن میں پروان چڑھایا۔ جب اشجار برگ و بار سے پُر از بہار ہونے لگے اور کلیاں غنچوں کا خوشنما تاج پہن رہی تھیں تو گل چین کی نظرِ انتخاب اسی غنچۂ گل پر پڑی جو چمن کی زینت، بزم کی رونق اور محفل کی شمع تھا۔

کارسازِ قضا و قدر نے براہیمی بدرِ منیر کی ضوفشانی کو چھری کی جھنکار کے سامنے لا کر پرستارانِ توحید کی آزمائش کرنا چاہی تو پدری شفقتیں رضائے مولا پر نچھاور ہو گئیں، اور نازو نیازِ فرزندانہ صبر و استقلال کا کوہِ گراں بن گئے۔ چشمِ فلکِ عشق و محبت کے اس انوکھے مظاہرہ پر ششدر تھی۔ ملائکہ و کرّوبیاں ورطۂ حیرت میں پڑ گئے اور شمس و قمر، ستارگان و سیارگان استعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے۔ لیکن عشاق کی رزم گاہ میں محبوب کے نشانوں پر جان

Marfat.com

قربان کرنا تو محبت کے مبادیات میں سے ہے۔

بہرحال خدا کے گھر کی تعمیر وترقی اور خدمت کے لئے ضروری تھا کہ کوئی قدسی نفس دنیوی علائق اور مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگانی کا نذرانہ پیش کرے۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو خواب کے ذریعے حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی محبوب چیز کو خدا کے نام قربان کردیں۔

یہ حکم تین رات مسلسل خواب میں ہوتا رہا۔ پہلی بار اشارہ ۸ ذی الحجہ کی رات کو ہوا صبح اُٹھے تو آپ متردد تھے۔ آیا یہ خواب من جانب اللہ ہے۔ یا شیطانی وسوسہ۔ اسی نسبت سے اس دن کا نام یوم التروبہ پڑا۔ دوسری رات خواب میں وہی حکم دہرایا گیا تو آپ نے پہچان لیا کہ یہ حکم ربی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام یوم عرفہ مشہور ہوا۔ پھر تیسری رات بھی اسی قسم کا خواب دیکھا۔ چنانچہ صبح عزم بالجزم کر لیا کہ لخت جگر کو ذبح کرنا ہے۔ اسی بنا پر اس کا نام یوم النحر ہوا[1]۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو اپنے استقلال اور جاں نثاری پر کامل اعتماد تھا لیکن یہ بات دریافت طلب تھی کہ آیا نوخیز بچہ بھی اپنی گردن پر چھری چلنا گوارا کر سکتا ہے یا نہیں؟

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ — بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى[2] — تو بتا تیری کیا رائے ہے۔

ایک طرف نوّے[۹۰] سالہ پیر ضعیف ہے جسے عمر بھر کی آہ سحر گاہی کے بعد خاندان نبوت کا چشم وچراغ عطا ہوا، جوان کے ہاں دنیا بھر سے محبوب، مقبول اور منظور نظر تھا۔ اب اسی جگر گوشہ کے قتل کے لئے ان کی آستینیں چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے۔ دوسری طرف جواں سال بیٹا جس نے بچپن سے آج تک باپ کی مشفقانہ نگاہوں کی گود میں پرورش پائی تھی، اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۷ صد ۱۴۹ [2] پ ۲۳ سورہ الصّٰفّٰت رکوع ۷ آیت ۱۰۲

Marfat.com

یہ عشقِ خداوندی کی آشفتہ سری اور توحیدِ باری تعالیٰ کا کرشمہ تھا کہ رحم دل باپ کے ہاتھ میں چھری دے کر فرزندِ عزیز کو ذبح کر کے ماسوی اللہ کی محبت کا نذرانہ پیش کرنے کا ارشاد ہوتا ہے۔ اور یہ اسلام کی حسن آفرینی تھی جس نے اسماعیل کو گردن جھکا دینے کی ترغیب و تحریص دے کر اپنی جانِ عزیز کو اس کی راہ میں قربان کرنے پر کمر بستہ کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ چھری کے قریب اس ذوق و شوق سے گردن کر دی جس طرح مدتوں کا پیاسا انسان آبِ شیریں پر پروانہ وار گر پڑتا ہے۔ اور یہ بھی تو اسلام ہی کی محویت کا استیلا تھا جس نے نفسِ اسماعیل کو فنا کر دیا اور اسی فنا سے مقامِ ایمان کو بقا اور جلا نصیب ہوتی ہے۔

اللہ اللہ! اس نیرنگِ سازِ ازل کے کاروبارِ محبت کی بوقلمونی کا کیا کہنا کہ اس کے حریمِ محبت کی ساری آرائش دوستوں کے خون کے چھینٹوں اور مضطرب لاشوں کی تڑپ ہی سے ہے۔ باپ کو بیٹے کے حلق پہ چھری چلانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور بیٹے کو خندہ پیشانی سے گردن جھکا دینے کا ارشاد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ہاں صرف جان دینا ہی نہیں بلکہ جان دینے کو روزِ عیش و نشاط سمجھنا بھی شرطِ لازم ہے۔

پیکرِ صدق و وفا بیٹا پوری رضا و رغبت کے ساتھ شگفتہ دہن ہوتا ہے۔

یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ	اے ابا جان جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے بجا
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝	لایئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے

شیطان نے تین مرتبہ ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ کو اس مقدس فریضہ کی بجا آوری سے روکنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام نے ہر بار اسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا منیٰ میں ان تینوں جمرات پر آج تک اس محبوب عمل کی ہر سال یاد تازہ کرنے کے لئے کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

Marfat.com

جب دونوں باپ بیٹا یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لئے قربان گاہ پر پہنچتے ہیں۔ تو اسماعیل علیہ السلام آداب فرزندانہ بجالاتے ہوئے عرض پرداز ہوتے۔ ابّا جان! میرے ہاتھ پاؤں اچھی طرح باندھ دیں تاکہ تڑپ نہ سکوں۔ اپنے دامن کو بچانا کہیں میرے خون کے چھینٹوں سے رنگین نہ ہو جائے اور اس طرح میرے ثواب میں کمی واقع نہ ہونے پائے۔ جس سے میری والدہ میرا خون دیکھ کر دل برداشتہ ہو جائیں گی۔ آپ چھری بھی تیز کر لیجئے اور پوری قوت سے میرے حلق پر چلانا تاکہ آسانی سے میری رُوح نکل جائے۔ اور اگر میری قمیص میری امّی کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں شاید ان کی تشفی کا موجب بن جائے۔

اس نورِ نظر، گوشۂ جگر فرزند کا غایت درجہ ادب و تواضع، صبر و ضبط اور انکساری دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کے قلبِ صفی کی کیفیت کیا ہوگی۔ یہ ایک سربستہ راز ہے۔ لیکن استقامت کا پہاڑ بن کر فرماتے ہیں۔ جانِ پدر! اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے میں تم میرے کتنے عمدہ مددگار ہو۔ مرحبا کہتے ہوئے لختِ جگر کی پیشانی کو چوما اور پُرنم آنکھوں سے ان کے دست و پا کو باندھا اور اوندھے منہ لٹا کر تیزی کے ساتھ پوری قوت اور طاقت سے چھری چلائی۔ مگر قبل اس کے کہ چھری اپنا کام تمام کرے۔ اچانک ایک دلفریب اور خوش کن آواز فضا میں گونجی۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا   بیشک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا

ابراہیم ہاتھ روک لیں اور ذرا اوپر دیکھیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس غیبی آواز کی طرف دیکھا تو سیدنا جبرئیل امین ایک جسیم و جمیم دُنبہ لئے کھڑے ہیں۔ جسے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ذبح کر دیا گیا۔ اور اللہ کریم نے اسے "ذِبْحٍ عَظِيمٍ" کے پرشکوہ خطاب سے نوازا۔ؔ

لہ تفسیر مظہری جلد ۸ صفحہ ۱۵۰، معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۴۶۴، روح المعانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۲

Marfat.com

یہ دنبہ کہاں سے آیا تھا؟ انسانی ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ یہ وہی دنبہ تھا جسے سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل علیہ السلام نے اللہ کے نام قربانی دیا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرف قبولیت سے نواز کر جنت میں پہنچا دیا اور وہ جنت میں کھاتا رہا۔ اور خوب موٹا تازہ ہوگیا تھا۔ اور اس وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے لئے بھیج دیا گیا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دنبہ چالیس سال تک جنت میں کھاتا پیتا رہا۔[1]

اس دنبہ کے سینگ بطور یادگار کعبہ شریف کے اندر آویزاں کر دئے گئے تھے۔

مفسر جلیل علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسند احمد کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا، کعبہ شریف میں داخلہ کے وقت میں نے دنبہ کے سینگ دیکھے تھے، مگر مجھے خیال نہ رہا کہ انہیں ڈھانکنے کا تجھے حکم دیتا۔[2]

یہ سینگ ابتدا اسلام تک کعبہ شریف کی زینت بنے رہے لیکن سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں کعبہ شریف میں آگ لگ جانے سے یہ بھی جل گئے۔[3]

قربانی کے اس عدیم النظیر واقع کے وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک صرف تیرہ سال تھی۔[4]

قربانی کا یہ عظیم کارنامہ کس جگہ انجام پذیر ہوا؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ علامہ سید محمود الوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مندرجہ ذیل چند اقوال نقل فرماتے ہیں۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۷ صـ ۱۵۳ [2] تفسیر ابن کثیر سورہ صفت [3] مصنف عبد الرزاق جلد ۵ صـ ۹۰، روح المعانی جلد ۱۲ صـ ۱۳۷ [4] تفسیر کبیر جلد ۷ صـ ۱۴۹۔ روح المعانی جلد ۱۲ صـ ۱۲۸، ۱۳۰

Marfat.com

بہ عمل منٰی میں صخرہ کے قریب واقع ہوا تھا۔ اور حسن سے روایت ہے کہ منٰی میں مسجد کبش کے مقام پر قربانی کی گئی تھی۔ اور حضرت ضحاک کا قول ہے کہ جس جگہ آج لوگ قربانی کرتے ہیں (دو پہاڑوں کے دامن میں) اسی مقام پر منٰی میں اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دی گئی تھی۔[۱]

علامہ عماد بن ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مسند احمد کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام خداوند قدوس کے حکم سے اپنے نور نظر لخت جگر کو لے کر چلنے لگے تو سعی کے وقت شیطان نظر آیا، مگر آپ اس سے آگے بڑھ گئے۔ پھر جب آپ جمرۂ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا۔ تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور وہ غائب ہو گیا۔ پھر تیسری مرتبہ جمرۂ وسطٰی کے قریب ظاہر ہوا وہاں بھی سات کنکریاں ماریں پھر آپ آگے بڑھے اور اپنے گوشۂ جگر کو خدا کے نام پر ذبح کرنے کے لئے اوندھے منہ لٹا دیا۔ اس وقت اُن کے جسم پر ایک سفید چادر تھی۔ عرض کرنے لگے ابّا جان! اسے اتار لیں تاکہ اس میں مجھے کفن دے سکیں۔

امام ابن کثیر محل ذبح منٰی ہی بیان فرماتے ہیں[۲]

کعب اخبار سے روایت ہے کہ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے فرزند دلبند کو ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے تھے۔ تو شیطان نے خیال کیا کہ اگر آج یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا اور میں انہیں بہکا نہ سکا تو پھر مجھے عمر بھر کے لئے ان سے مایوس ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ پہلے سیدہ ہاجرہ کی خدمت میں ایک نیک آدمی کا روپ دھار کر حاضر ہوا۔ اور دریافت کیا کہ ابراہیمؑ آپ کے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اپنے کسی کام کو گئے ہیں۔ اس نے کہا

---

[۱] تفسیر روح المعانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۰ [۲] تفسیر ابن کثیر سورہ صفت

Marfat.com

نہیں بلکہ وہ تو اسے ذبح کرنے کی نیت سے لے کر گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ اسے کیوں ذبح کریں گے، تو شیطان لعین نے کہا ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہی حکم دیا ہے۔

مائی صاحبہ نے فرمایا پھر تو اس حکم کو جلد پورا کرنا ہی بہتر ہوگا۔ یہ مردود یہاں سے خائب وخاسر ہوئے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس آیا۔ اور انہیں بہکانے کی ناپاک جسارت کی۔ کہنے لگا تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہارا باپ تمہیں کہاں لے جا رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا اپنے کام کے لئے۔ کہنے لگا نہیں وہ تو تجھے ذبح کر دیں گے۔ فرمایا کیوں؟ شیطان کہنے لگا وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، پھر تو بڑی خوش نصیبی ہے۔ انہیں تو پھر جلدی کرنی چاہئے۔ جب یہاں سے بھی منہ کی کھانی پڑی تو خلیل اللہ کے سامنے آنکلا۔ اور یہی سوال ان سے بھی کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا واللہ العظیم میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنے بیٹے کو ضرور ذبح کروں گا۔[1]

مذکورہ تمام روایات سے ذبح کا مقام منٰی میں ہونے کا بیّن ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ لیکن توراۃ اور بعض حدیثی روایات میں قربانی کی جگہ مروہ بیان کی گئی ہے جیسا کہ درج ذیل حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

"ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا، اور اسے کہا کہ تو اپنے اکلوتے بیٹے کو جس سے تو پیار کرتا ہے" اضحاق کو لے" اور زمین موریا میں جا، اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتا دوں گا، سوختنی قربانی کے لئے چڑھا۔"[2]

خداوند نے فرمایا بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹھا بچہ میرے لئے ہے۔ (عدد ۸-۱۷)

---

[1] ابن کثیر سورہ صفت [2] پیدائش باب ۲۲ آیت ۱ تا ۴

Marfat.com

تورات کی اس روایت میں لفظ "موریاہ" اصل میں مروہ ہے اور اس بات کی تصدیق موطا امام مالک کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ قربان گاہ ہے اور مکہ کے تمام پہاڑ اور گھاٹیاں قربان گاہ ہیں[1]۔

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی بلکہ منیٰ ہی میں ہوتی تھی۔ جو کہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ ہی کو قربان گاہ ارشاد فرمایا۔ اور اسی مقام پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کرنا چاہی تھی۔ لہٰذا قربانی کی اصل جگہ کعبہ ہے منیٰ نہیں۔ لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کی حدود کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی۔

تورات کی مذکورہ روایت میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بجائے سیدنا اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ظاہر کیا گیا ہے۔ جو دراصل یہود کی بددیانتی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ قربانی تو بہر حال حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی دی گئی تھی۔ جنہیں مروہ یعنی مکہ معظمہ میں آباد کیا گیا تھا۔ جب کہ سیدنا اسحاق علیہ السلام تو شام میں آباد تھے[2]۔

اس مسئلہ کے کچھ پہلو ہم نے "مکہ معظمہ یورپین مورخین کی نظر میں" کے ضمن میں آشکارا کر دیے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

[1] موطا امام مالک باب النحر [2] سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱

Marfat.com

سیّدنا اسمٰعیل کا عقد

سیّدنا اسمٰعیل علیہ السّلام اپنی زندگی کی جب پندرھویں منزل طے کر رہے تھے اور ان کے فہم و ذکا میں پختگی اور عزم و ہمت میں استقلال پیدا ہو چکا تھا کہ یکایک نوشتۂ ازل نے سیّدہ ہاجرہ کا پروانۂ موت جاری کر دیا۔ شفیق و انیس، غم گسار و غم خوار والدۂ مکرمہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر داغِ مفارقت دے گئیں، فرماں بردار بیٹے نے ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا قبر مبارک مقام حجر حطیم کے اندر میزاب کعبہ کے نیچے مائل بشرق بنائی۔ والدہ کے انتقال پُرملال نے ان کے دل پر ضربِ کاری لگائی۔ باپ کے سایۂ عاطفت اور پدری شفقتوں سے پہلے ہی دور تھے اور اب ماں کی مامتا اور محبت کی پرچھائیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔ آپ مکہ معظمہ کی رہائش سے دل برداشتہ ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ شام میں جا کر پدر بزرگوار کے زیر سایہ زندگانی گذاریں۔

Marfat.com

لیکن جب بنی جرہم کو ان کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہیں ان کی جدائی نے مضطرب اور پریشان کر دیا۔ انہوں نے پند و نصائح اور ملاطفت سے ان کے دل کو موہ لیا اور اس عزم کو ترک کرنے پر آمادہ کر لیا۔ انہوں نے اس اجڑتے ہوئے باغ کو پھر سے شاداب بنانے کا عزم کیا۔ اور باہمی مشاورت سے اپنی ایک دوشیزہ سے ازدواجی سلسلہ میں منسلک کر دیا جس کے باعث چار و ناچار انہیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ اور تادم والپسیں مکہ معظمہ کی سرزمین میں اقامت گزیں رہے۔

قبیلہ بنو جرہم کی جس خاتون سے آپ کا عقد ہوا تھا اس کا نام علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل تحریر کیا ہے[1] جب کہ علامہ مسعودی نے الجداء بنت سعد بیان فرمایا ہے[2]

بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب سابق ملاقات کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ مگر نہ تو سیدہ ہاجرہ کو پایا نہ ہی سیدنا اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود تھے۔ البتہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بیوی موجود تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا اسماعیل کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ وہ روزی کی تلاش میں یعنی شکار کرنے گئے ہیں (سیدنا اسماعیل علیہ السلام حرم شریف کی حدود سے باہر شکار کھیلنے جایا کرتے تھے) آپ نے دریافت فرمایا گذر بسر کیسے ہوتی ہے؟ بہو نے جواب دیا۔ کہ برا حال ہے تنگی اور تکلیف سے وقت پورا ہوتا ہے۔ اور شکوہ و شکایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

آپ نے فرمایا میری مہمان نوازی کے لئے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ تو بہو نے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا جب تمہارے خاوند آئیں تو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دیں۔

---

[1] اعلام الاعلام صہ ۳۵ [2] مروج الذہب جلد ۲ صہ ۴۲

Marfat.com

سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ جب گھر تشریف لائے تو انہیں کچھ مانوس سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ دریافت فرمایا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا ہاں ایسی ایسی شکل و شباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے اور آپ کے متعلق دریافت کر رہے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے گذران کے متعلق پوچھا کیسی ہے؟ تو میں نے بتایا تنگی اور پریشان حالی ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے استفسار فرمایا کیا وہ کوئی پیغام بھی دے گئے ہیں؟ تو بیوی نے جواباً عرض کیا جی ہاں! وہ کہہ گئے تھے کہ جب تمہارا خاوند آئے تو میری طرف سے سلام پیش کرنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی دہلیز بدل دیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بیوی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے وہ آنے والے بزرگ میرے والد گرامی قدر تھے اور جس دہلیز کی تبدیلی کا ارشاد فرما گئے ہیں اس سے مراد تم ہو۔ تم نے جس ناشکر گذاری اور ناسپاس شناسی کا اظہار کیا ہے۔ اس کی بنا پر وہ چوکھٹ بدلنے کا ارشاد فرما گئے ہیں لہٰذا میں تمہیں طلاق دے کر گھر سے رخصت کرتا ہوں[۵]۔

علامہ مسعودی رقمطراز ہیں۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی پہلی بیوی کا نام الجداء بنت سعد تھا ان کی بیان کردہ روایت کے مطابق جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے۔ تو سلام پیش کیا مگر بہو نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ ہاجرہ کہاں ہیں۔ تو اس نے کہا وہ نہیں ہے۔ اور جب اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا کہ وہ روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ جب اسمٰعیل علیہ السلام واپس آئے تو بیوی نے کہا ایک آدمی ابراہیم نامی آیا

---

[۵] بخاری شریف کتاب الانبیاء، اخبار مکہ صہ ۲۴۷، اعلام الاعلام صہ ۳۵

Marfat.com

تھا جو آپ کی والدہ اور آپ کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کوئی پیغام بھی دیا ہے تو اس نے کہا وہ کہہ گئے ہیں گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔[۵۰]

عقد ثانی

عمارہ کی علیحدگی کے بعد سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے اسی قبیلہ سے ایک دوسری عورت سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی سے عقد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد جب پھر ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ خداوندی سے اجازت ملی تو اپنے لخت جگر کی ملاقات کو تشریف لائے لیکن حسن اتفاق سے اب کی بار بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ ان کی اہلیہ نے بتایا کہ وہ روزی کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں اور ابھی آیا چاہتے ہیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے آنے والے مہمان ذی شان کو فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ پانی گرم کر کے وضو کرایا۔ سر دھویا اور دودھ گوشت وغیرہ جو کچھ گھر میں حاضر تھا خوشی خوشی پیش کیا اور معذرت بھی چاہی کہ یہاں گندم وغیرہ تو پیدا ہی نہیں ہوتی۔ ہم لوگ بھی دودھ، خرما اور شکار کا گوشت ہی کھایا کرتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بہت مسرور اور محظوظ ہوتے، آپ نے دریافت فرمایا تمہاری گذر اوقات کیسی ہے؟ بہو نے جواب میں عرض کیا۔ خدا کا بے حد شکر ہے کہ ہم بڑے راحت اور آرام سے ہیں۔ اللہ پاک نے رزق روزی میں بھی فراوانی اور کشادگی رحمت فرما رکھی ہے اور ہر لحاظ سے اطمینان ہے۔ آپ نے دریافت کیا تمہاری خوراک کیا ہے؟ جواب ملا (سَیِّدُ الطَّعَامِ لَحْم) ہماری خوراک گوشت ہے۔ پھر پوچھا پینے کو کیا ملتا ہے؟ تو عرض کیا "زمزم کا پانی" جو آب کوثر کا ہمسر ہے۔ آپ نے خیر و برکت کی

---

[۵۰] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۷۲

Marfat.com

دعا دی۔ پروردگار عالم ان کے گوشت اور پانی کو اپنی برکتوں سے معمور فرما دے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی اناج بھی موجود ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام انہیں اناج میں برکت کی دعا سے ضرور نوازتے۔ اور یہ آپ کی دعا ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ مکہ مکرمہ کے باشندے گوشت اور پانی پر بڑی عمدگی سے گذر کرتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ فقط گوشت اور پانی پر گذارہ نہیں کر سکتے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بہو سے فرمایا۔ کہ جب تمہارے خاوند گھر لوٹیں تو انہیں میرا سلام پیش کرنا اور کہہ دینا کہ اپنی چوکھٹ قائم اور آباد رکھیں۔ اسے بدلیں نہیں جب اسمٰعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو بیوی نے تمام سرگذشت حرف بحرف کہہ سنائی اور کہنے لگیں :۔

جئنا بعدک شیخ احسن الناس وجھا و اطیبھم ریحًا۔	آپ کے بعد ایک بزرگ تشریف لائے جن کا چہرہ بے مثال حسین وجمیل تھا اور جن سے مشک وعنبر کو شرما دینے والی روح پرور خوشبو آتی تھی۔[۱]

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ اس ملاقات کا تذکرہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

بہو نے آنے والے مہمان کی خدمت عالیہ میں گوشت، دودھ اور پانی پیش کیا۔ آپ نے گوشت تناول کیا۔ دودھ اور پانی نوش فرمایا۔ نیک خصال بہو نے عرض کیا۔ چچا جان! تشریف لائیں۔ آپ کے سر کے گرد آلود اور پراگندہ بال میں دھو کر صاف کر دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے نیچے اترنے کی اجازت نہیں ہے (آپ براق پر سوار تھے) بہو نے ایک پتھر پیش کیا کہ اس پر پاؤں رکھ کر سر ایک طرف جھکائیں۔ چنانچہ آپ نے دایاں پاؤں مبارک اس پتھر پر رکھا تو بہو نے دائیں جانب

---

[۱] بخاری شریف کتاب الانبیاء، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۴۶، ابن جریر جلد ۱۳ صفحہ ۲۳

Marfat.com

دھوئی۔ پھر پتھر دوسری جانب رکھ دیا آپ نے بایاں پاؤں رکھا اور بہو نے سر کی دوسری جانب دھوئی۔ پتھر پر جہاں پاؤں مبارک رکھے پاؤں ٹخنے تک اس میں گڑھ گئے اور گہرے نشانات پتھر میں پڑ گئے۔ یہی پتھر بعد میں مقام ابراہیم کی شان سے نوازا گیا۔

جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو گھر میں ایک نفیس مہک پائی۔ دریافت فرمایا کوئی آیا تھا؟ تو نیک طینت بیوی نے عرض کیا۔ ایک فرشتہ سیرت بزرگ تشریف لائے تھے جو سب لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل تھے اور ان کے وجود اطہر کی فرحت انگیز، نشاط آفریں خوشبو کی مہک نے سارے گھر کو معطر کر دیا۔ میں نے مہمان ذی شان کی مقدور بھر ضیافت کی۔ انہیں دودھ پلایا ان کا سر مبارک دھویا۔ اور یہ پتھر جس پر انہوں نے قدم مبارک رکھے تھے اس میں اب بھی ان مبارک قدموں کے نشانات ہویدا ہیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اس مقدس پتھر کو بڑی عزت وتکریم سے گھر میں محفوظ کر لیا۔ اور پھر تعمیر کعبہ کے وقت اپنے والد گرامی کی خدمت میں پیش فرما دیا۔[1]

ایک دوسری روایت کے مطابق سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دوسری بیوی کا نام سامہ بنت مہلہل بن سعد بن عوف بن ہینی بن نبت تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب دوسری مرتبہ تشریف لائے تو گھر میں بہو کو پایا انہیں سلام کیا۔ بہو نے ادب سے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ ہاجرہ کہاں ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ کو پیاری ہو گئی ہیں اور انتقال کے وقت ان کی عمر نوے سال تھی۔ پھر آپ نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا۔ تو بہو نے عرض کیا وہ شکار کرنے گئے ہیں۔ بڑی خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ عرض کیا براق سے اتریں، آرام فرمائیں۔ مگر آپ نے ایسا کرنے سے انکار فرمایا تب بہو نے التجا کی اگر اجازت ہو تو آپ کا

---

[1] اعلام الاعلام صہ ۳۶

Marfat.com

سر مبارک دھونے کی سعادت حاصل کروں چنانچہ ایک پتھر لائیں جسے پاؤں کے نیچے رکھا آپ نے دایاں پاؤں اس پر رکھا تو بہو نے دائیں جانب دھوئی اور پھر بایاں پاؤں رکھا تو دوسری جانب بھی دھودی۔ پتھر پر دونوں قدموں کے گہرے نشانات نقش ہو گئے۔ جسے اللہ رب العزت نے ایک مقدس شعار بنا دیا۔ یہی قول امام سدی نے ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ اور دوسرا قول جو زیادہ مشہور ہے کہ تعمیر کعبہ شریف کے وقت پتھر پر پاؤں مبارک کے نشانات پڑے تھے۔[1]

بہرحال اس سعادت مند بیوی السیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی کے ساتھ راحت و رافت سے آپ ازدواجی زندگی بسر فرماتے رہے۔ انہی سے اللہ کریم نے حسب ذیل اولادیں مرحمت فرمائیں۔

نابت، قیدار، واصل، میاس، آزر، طیما، یطور، نبش۔

آپ نے ۱۳۷ برس کی عمر میں دارفانی سے رحلت فرمائی۔[2]

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا وصال

سیدنا اسماعیل علیہ السلام جس طرح اپنے والد گرامی قدر علیہ السلام کی زندگی میں مکہ معظمہ میں اقامت گزیں تھے۔ ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد بھی مکہ ہی میں رونق افروز رہے۔ جب آپ کی عمر ۱۳۶ یا ۱۳۷ برس کو پہنچ گئی اور آپ کی اولاد پوری طرح نشو ونما پاکر حجاز، شام، عراق فلسطین اور مصر تک پھیل چکی تھی تو ۱۹۳۷ء ق م میں آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی قبر مبارک

---

[1] زاد المسیر جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ [2] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۷

Marfat.com

والدہ کے پہلو میں میزاب کعبہ کے نیچے حطیم کے اندر بنائی گئی[۱]۔

آپ کے بارہ فرزند تھے جن کا سلسلہ نسب بے حد طویل ہے۔ ان کی نسل آج بھی دنیا کے مختلف ممالک میں مثلاً حجاز، یمن، تہامہ، شام، عراق، مصر، شمالی افریقہ، طرابلس، تیونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ میں آباد ہے[۲]۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قبر مبارک اپنی والدہ کی قبر کے قریب ہی حطیم میں بنائی گئی تھی[۳]۔ آپ کی قبر پر ایک سبز مستطیل محرابی شکل کا سنگ مرمر لگایا گیا تھا جس کی چوڑائی تقریباً ۱ ۱/۲ بالشت یا ۱۴، انچ تھی۔ اس سے سات بالشت تقریباً ۶۳ کے فاصلہ پر رکن عراقی کی جانب سیدہ ہاجرہ بھی استراحت گزیں ہیں۔ ان کی قبر پر سبز مستدیر (گول) سنگ مرمر لگا ہوا ہے[۳]۔

۱۳۹۴ھ میں راقم الحروف بھی ان کے دیدار پُرانوار سے مشرف ہوا۔ دونوں پتھر اپنی کہن سالی اور قدامت کی منہ بولتی تصویر تھے۔ ان کی سطح برابر نہیں رہی تھی۔ لوگوں کے بکثرت نماز پڑھنے کے باعث ان میں نشیب و فراز پیدا ہو گئے تھے خصوصاً اسماعیل علیہ السلام کی قبر والا پتھر زیادہ گھس گیا تھا۔ اب غالباً ۱۳۹۶ھ میں حطیم کا فرش نیا بناتے وقت وہ امتیازی نشانات ختم کر دئے گئے ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ کی اولاد کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

نابت، قیدار، ادبیل، مبشم، مشمع، دوما، دوام، مسّا، حداد، تیما، یطور اور نافش[۴]

علم الانساب کے امام علامہ ربی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی فرماتے ہیں:۔

اتنا طویل زمانہ گذر جانے کے باعث اس وقت کوئی بھی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں خاندان فلاں قبیلہ ہی سے ہے تاہم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بیشتر ممالک میں آج بھی آباد ہے[۵]۔

۱۔ مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴۸، تاریخ انبیاء ابن خلدون ۲۔ الجواہر طنطاوی جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ ۳۔ ابن بطوطہ صفحہ ۱۹۰
۴۔ اعلام الاعلام صفحہ ۳۰۹، مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴۷ ۵۔ جمہرۃ الانساب صفحہ ۸

Marfat.com

باب دوم

مکّہ معظمہ

یورپین مورخین کی نظر میں

مکہ کی قدامت ایک
مسلّمہ حقیقت ہے

Marfat.com

- مغربی مورّخین کا مبلغ علم
- قدامت مکّہ پر تورات، انجیل اور زبور کی شہادت
- یونانی اور مسیحی تاریخ میں مکّہ اور بیت اللہ کا تذکرہ
- جزیرۃ العرب کی تقسیم اور اولاد اسمٰعیل کے مساکن
- عالمی تجارتی منڈی میں مکہ معظمہ کا مقام

Marfat.com

مکّہ معظمہ
یورپین مورخین کی نظر میں

گذشتہ صفحات میں ہم نے قرآن مجید احادیث اور تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا تھا کہ مکہ معظمہ کی آبادی سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں وجود میں آئی۔ لیکن مغربی مورخین کے خیال میں یہ شہر اس قدر قدیم نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چند پشتیں پہلے آباد ہوا ہے۔ اس مفروضہ کی بنیاد یہ ہے کہ اگر یہ شہر قدیم ہوتا تو یہاں آثار قدیمہ میں سے کوئی اثر موجود ہوتا۔ نیز الاصابہ کے حوالہ سے یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے۔ کہ سعد بن عمرو نے یہاں سب سے پہلے مکان بنایا تھا۔ جو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کچھ (تقریباً ۱۵۰ برس) زمانہ پہلے گذرا ہے اور جب پہلا مکان حضورؐ سے کچھ عرصہ قبل تعمیر ہوا تو یہ نو آباد ہوا نہ کہ قدیم۔

Marfat.com

مغربی مورخین کا مبلغ علم | عرب و عجم کے جید مورخین نے مستشرقین کے ان اوہام باطلہ کے متعدد جوابات ارقام فرمائے ہیں۔ جو مبنی برحقائق اور بے حد ٹھوس ہیں۔ لیکن ہم ان کا جواب پیش کرنے سے پہلے فکری نظری اور اعتقادی حیثیت سے ان کے علم و حکمت، ادراک و دانش اور فہم و ذکاء کا تجزیہ مناسب خیال کرتے ہیں: تاکہ قارئین اس عالمگیر غلط فہمی کا شکار نہ رہیں کہ مغربی مورخین بے حد دوربین، تحقیق و تدقیق میں زبردست ماہر، علم و حکمت کے آفتاب اور عصری ریسرچ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مغربی مذاہب کو اسلام پر قدامت زمانی حاصل ہے۔ لیکن ہزارہا سال پرانے یہودی اور عیسائی مذہب کے پرستار بلکہ ان کے پوپ اور مذہبی علوم کے ماہرین آج تک اپنے نبیوں کی حیثیت کا تقرر نہیں کر سکے۔ یہودی عزیر علیہ السلام کے نبی یا ابن اللہ ہونے میں سے کسی ایک کا متفقہ فیصلہ نہیں کر سکے۔ اور عیسائی آج تک حیران و سرگرداں ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے، خدا تھے یا خدا کے بیٹے تھے۔ کیا اس قضیہ کے حتمی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے بھی آثار قدیمہ کی تلاش ہونی چاہیئے؟

یہود جن کے ہاتھ بے شمار انبیاء کے خون ناحق سے رنگین ہیں اور جن کے دامن سے نبیوں کا مقدس خون آج بھی ٹپک رہا ہے انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مکہ مشرفہ کے قدیم یا جدید ہونے کا محاکمہ کریں۔

مزید برآں یہودیوں اور عیسائیوں کی دست درازی کی بنا پر تورات اور انجیل کے اوراق آج بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین اور تنقیص سے بھرے پڑے ہیں۔ ان تحریف شدہ کتابوں میں سیدنا نوح علیہ السلام۔ سیدنا لوط علیہ السلام اور سیدنا داؤد علیہ السلام وغیرہ کے متعلق جو حیا سوز اتہامات والزامات مجسمت کے روپ میں لگائے گئے ہیں، کوئی شریف انسان ان کا تصور بھی

Marfat.com

نہیں کر سکتا۔

ایسے لوگوں سے شعائر اسلام کی عزت و توقیر کی توقع قطعاً عبث ہے، اگر ان کا بس چلتا تو وہ کبھی کا انہیں نیست و نابود کر چکے ہوتے (العیاذ باللہ)

مستشرقین کا مکہ میں آثار قدیمہ کے فقدان کا اعتراض پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔

کسی شہر کے وجود یا عدم وجود کا یہ کوئی اساسی اصول نہیں ہے۔ آثار قدیمہ کی دریافت سے تو ایسی بستیوں اور آبادیوں کا کھوج لگایا جاتا ہے جو انقلابات زمانہ سے زیر زمین روپوش ہو چکی ہوں اور سطح زمین پر ان کا نام و نشاں مٹ چکا ہو۔ مگر

عیاں را چہ بیاں

مکہ مشرفہ کی شہرۂ آفاق مقدس بستی کا متبرک وجود آثار قدیمہ کی تصدیق کا محتاج ہی نہیں، یہ تو سارے عالم پر ضیا پاشی کر رہا ہے۔ اس روز روشن حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے کسی عقلی اور اثری شہادت کی قطعاً ضرورت نہیں۔

اور پھر مستشرقین کی یہ ہرزہ سرائی اس لئے بھی مضحکہ خیز ہے کہ ماضی یا حال میں یہ سراغ لگانے کی غرض سے اگر کھدائی کی گئی ہوتی اور ہزاروں فٹ گہرائی تک پہنچنے کے باوجود کچھ ہاتھ نہ آتا، تب بھی یہ عذر لنگ شاید قابل التفات ہوتا۔ لیکن ایسی کوئی کوشش آج تک مغربی آثار قدیمہ کے ماہرین نے نہیں کی ہے جن کے بقول

۱۱۰۰ سال ریت اور مٹی سیلاب کے باعث مسلسل جمع ہوتی رہی جس سے مکہ کی سطح ایک سو فٹ بلند ہو گئی ہے۔[۵]

---

[۵] انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا لفظ مکہ جلد ۱۵ ص ۱۹۷۰ء

Marfat.com

یورپ جو صدیوں سے جہالت کے اندھیروں میں آوارہ بھٹک رہا تھا اس نے جب ارتقا کی سمت آنکھ اٹھا کر دیکھا تو

اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ[1] بیشک مشرک نجس ہیں یہ مسجد حرام کے قریب نہیں آ سکتے۔

نوشتۂ دیوار پر نظر پڑی جس نے اس مقدس شہر کے گرد غیبی حصار قائم کر دیا تھا اور انہیں پا بہ زنجیر کر دیا جس کے باعث وہاں تک رسائی ناممکن ہو گئی۔

جب کہ مسلمان قرآنی تصریحات پر کامل ایمان و ایقان رکھتے ہیں انہیں اس گورکھ دھندے میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ کسی شہر کی کیفیات اور تفصیلات دریافت کرنے، اس کے محلِ وقوع اور یوم تاسیس معلوم کرنے کے لئے آثارِ قدیمہ نہیں بلکہ جغرافیہ اور تاریخ کے ماہرین کی علمی خدمات درکار ہوتی ہیں۔ جغرافیائی اور تاریخی شہادت ہی حرفِ آخر سمجھی جاتی ہے اس اصول سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہو تو الگ بات ہے۔

یورپ علوم و فنون میں عربوں کا شاگرد ہے | یورپ جہاں متعدد علوم و فنون میں مسلمانوں کا رہینِ منت اور سپاس گذار ہے وہاں علم جغرافیہ میں بالخصوص عرب کے سامنے طفلِ مکتب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں میں کئی سو سال تک عرب تصنیفات کا بدرِ منیر چمکتا رہا۔ مسیحی دنیا کوئی ایسا نامور جغرافیہ دان پیدا نہ کر سکی جس کے علمی گوہر پارے عرب مصنفین کی جگہ حاصل کر سکتے۔ آج جب کہ پوری دنیا میں علمی، فنی اور سائنسی اعتبار سے یورپ سایہ فگن ہے۔ جغرافیہ میں عرب مصنفین کے اساسی اصولوں پر ہی علمی اور سائنسی عمارت تعمیر کر رہا ہے۔ ان کے غیر متزلزل نظریات کو رد کرنے کی جسارت آج تک کسی کو نہیں ہو سکی۔

[1] سورہ توبہ رکوع ۴ ص ۲۵

Marfat.com

ہم یہاں مغربی مورخین ہی کے حوالہ جات سے ثابت کریں گے کہ مسلمان تاریخ، جغرافیہ اور دوسرے علوم میں مہارت تامہ کے مالک تھے اور یورپین علماء ان کے شاگرد ہیں۔ ع

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

فرانسیسی ڈاکٹر گستاؤلی بان عربوں کی علمی مہارت کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے۔

"اہل یورپ کی وحشیانہ حالت زمانہ دراز تک ایسی شدید رہی کہ خود انہیں اس کا احساس تک نہیں تھا۔ البتہ گیارہویں اور زیادہ تر بارھویں صدی عیسوی میں کسی قدر علمی امنگیں پیدا ہونے لگیں۔ جب چند روشن خیال اشخاص کو اس جہالت کا کفن پھاڑنے کی ضرورت کا احساس ہوا تو انہوں نے عربوں کی طرف رجوع کیا جو اس زمانہ کے استاد تھے"[1]

قدیم یونانی علوم ہمیں ان راہبوں کے ذریعہ ہرگز نہیں پہنچے جو یونانی زبان کا نام تک نہیں جانتے تھے، بلکہ یہ صرف عرب مسلمانوں ہی کی بدولت ہمیں ملے ہیں۔ دنیا کو ہمیشہ ان کا رہین منت رہنا چاہئے جنہوں نے اس بے بہا قیمتی ذخیرہ کو تلف ہونے سے بچایا۔"

ڈاکٹر موصوف بطور دلیل ایک مغربی عالم کی رائے پیش کرتے ہیں۔

موسیو لی بری کہتے ہیں، اگر تاریخ سے عربوں کا نام نکال دیا جاتے تو یورپ کی علمی نشاط ثانیہ کئی سو سال پیچھے چلی جاتی ہے"[2]

۹۹۹ء میں سلوسٹر دوم نے جب علم میں کچھ شُدبُد حاصل کر لی تو وہ پوپ بن گیا، اس نے یورپ میں اپنے علم کی اشاعت کرنا چاہی تو لوگوں نے اتنی شدت سے اس کی مخالفت کی کہ اس پر شیطان مسلط ہونے کا الزام لگایا۔

---

[1] تمدن عرب صد ۵۱۳ [2] تمدن عرب صد ۵۱۴

Marfat.com

پندرھویں صدی عیسوی تک ہم کسی ایسے یورپین مصنف کا حوالہ نہیں دے سکتے جس نے عربوں کی تصنیفات سے خوشہ چینی نہ کی ہو۔ راجر بیکن۔ پیسا کا لیونارڈ۔ ویل نو کا آرنو۔ ریمانڈ لل۔ سینٹ ٹامس۔ البرٹ بزرگ اور قسطیلیہ کا الفانس دہم یہ سب یا تو عربوں کے شاگرد تھے اور یا پھر ان کی تصنیفات کو نقل کرنے والے تھے[1]

عربوں کی یونانی زبان سے ترجمہ کی ہوئی علمی کتابوں پر پانچ سو سال تک یورپ کی تمام یونیورسٹیوں کی تعلیم کا دارومدار رہا۔ بعض علوم مثلاً طب میں عرب مسلمانوں کا تسلط تو ہمارے زمانہ تک قائم ہے یہاں تک کہ گذشتہ صدی کے آخر تک فرانس میں ابن سینا کی تصنیفات پر شرح لکھی جاتی رہی ہیں[2]۔

جی۔ لی اسٹرینج نے "بلادِ فلسطین و شام" کی ضخیم تاریخ لکھی ہے۔ لیکن اس میں صرف عرب جغرافیہ دانوں کے علوم اور انکشافات سے استفادہ کیا ہے۔ اس عظیم تر موضوع پر اسے کسی غیر مسلم جغرافیہ دان کی تحقیقات سے کوئی مواد دستیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ وہ خود کتاب کے صفحہ اول پر اعتراف کرتا ہے۔

"تاریخ اور جغرافیہ پر قدیم سے قدیم عربی کتابیں نویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہیں کیونکہ مسلمانوں نے تصانیف و تالیف کا کام ہجرت کی دو صدیاں گذرتے ہی شروع کر دیا تھا۔ نویں صدی کے وسط تک بہت تھوڑے وقفے سے یکے بعد دیگرے کوئی بیس عرب مصنفین نے شام اور مصر کی مختلف ولایات پر بہت تفصیل سے خامہ فرسائی کی ہے[3]۔

فرانسیسی مؤرخ مُوسیو سیدیو بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

"متقدمین میں بطلیموس بظاہر عرب کے حالات سے زیادہ واقف نظر آتا ہے، مگر اس کے

---

[1] تمدن عرب ص ۵۱۰ [2] ایضاً [3] بلادِ فلسطین و شام۔

Marfat.com

باوجود اس نے عرب کی جو تقسیم کی تھی وہ محض اجتہادی اور قیاسی تھی۔ اسی وجہ سے عرب جغرافیہ دان اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

ہمارے نزدیک ملک عرب کی تقسیم میں اہل عرب کی رائے زیادہ محکم اور احسن معلوم ہوتی ہے۔ ملک کی شکل اور تاریخ کا جو سرمایہ جس زمانہ میں بھی مدون ہوا ہے وہ اس کے عین مطابق ہے[1]

مسٹر جے ایچ کریمر ز لکھتا ہے:۔

"ایک زمانہ میں مسیحی یورپ کا ثقافتی افق تقریباً تمام اطراف سے مسلمانوں کے درمیان گھرا ہوا تھا اور اسی طرح ایک ہزار برس گذر گئے۔ تو اس اثنا میں یورپ نے ساری دنیا معلوم بلکہ غیر معلوم میں بھی جہاز رانی کر کے ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ جو اس کے اور دنیا کے جنوبی اور مشرقی حصوں کے درمیان حائل تھیں۔

بلاشبہ یورپ کی یہ کامرانیاں زیادہ تر اس کی اپنی ہمت اور جدت پسندی کی شرمندۂ احسان ہیں۔ لیکن جو لوگ (مسلمان) ایک زمانہ میں دنیا کے مالک اور آقا تھے ان کے علم اور تجربہ نے ہی یورپ کو بے انتہا فائدہ پہنچایا ہے۔

اس لیئے یورپ کو چاہئے کہ جغرافیائی اکتشافات اور عالمگیر تجارت کے دوائر میں مسلمانوں کو اپنے **ثقافتی اسلاف** کی حیثیت سے محترم سمجھے، اسلام نے تہذیب حاضر کے ان دوائر عمل پر جو اثر ڈالا ہے وہ ان بے شمار عربی الاصل اصطلاحات سے ظاہر ہے۔ جو ہماری تجارت اور جہاز رانی میں اب تک رائج ہیں[2]

مذکورہ بالا واضح اور ٹھوس دلائل کی روشنی میں جب یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ عرب علم

---

[1] تاریخ العالم العرب صد ۲۲ [2] میراث اسلام صد ۱۰۱

Marfat.com

جغرافیہ میں اس قدر ماہر تھے کہ اہل یورپ کو بھی ان کی شاگردی اختیار کرنا پڑی۔ اور مسلمانوں کی تصنیفات صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہیں۔ تو پھر مکہ مکرمہ کے متعلق عرب مورخین کی تحقیقات سے چشم پوشی کرنے کی آخر کیا وجہ ہے؟ اور ان کی تاریخی اور جغرافیائی روایات کو درخور اعتنا کیوں سمجھا جائے۔

عربوں سے یورپ کا تعصب موروثی ہے

ڈاکٹر لی بان اس معمہ کی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔

"موسیو دی وین ڈی مارٹن جیسے فہیم اور جغرافیہ دان شخص کا عربوں کی تحقیقات سے صرف نظر کرنے کی وجہ ہمیں اس کے سوا اور کچھ سمجھ نہیں آتی کہ اسلام کے خلاف اس وقت تک یورپ میں سخت ترین موروثی تعصب موجود تھا۔ حالانکہ تحقیقات علمی کے اعتبار سے عربوں نے ہیئت کے اس قدر صحیح حساب کئے جن پر نقشوں کی بنا رکھی گئی۔ انہوں نے یونانیوں کی فاش غلطیوں کو درست کیا۔ سیاحت اور اسفار کے لحاظ سے ایسے سفرنامے شائع کئے جن کی مدد سے دنیا کے وہ گمنام ممالک بھی سامنے آگئے جنہیں کوئی نہیں جانتا تھا اور جہاں اہل یورپ کا گذر تک نہیں ہوا تھا انہوں نے جغرافیہ میں ایسی جامع کتابیں تصنیف کیں جن کا سکہ قدیم کتابوں کی جگہ بیٹھ گیا، اور جن کی تقلید پر خود یورپ نے کئی سو سال تک انحصار کیا۔"[1]

"عربوں نے جغرافیہ میں بڑی بڑی مبسوط تصانیف چھوڑی ہیں جن سے بعض مدت دراز تک یورپ میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔[2] اگر مغربی مورخین عربوں کی ریسرچ کے مطابق مکہ مکرمہ کے قدیم اور تاریخی شہر ہونے کا اعتراف نہ کریں تو پھر سوائے تعصب کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ فرانسیسی ڈاکٹر گستاؤلی بان اس حقیقت سے بھی نقاب کشائی کرتا ہے۔

---

[1] تمدن عرب ص ۴۳۳   [2] تمدن عرب ص ۴۳۲

Marfat.com

"عربوں کے خلاف اہل یورپ کے تعصب کا سبب یہ ہے کہ جب کسی انسان میں موروثی اور تمدنی اوہام راسخ ہوجاتے ہیں تو وہ علم و نظر کی وسعت کے باوجود مسائل کے اسرار سمجھنے سے اندھا ہوجاتا ہے۔ پھر اس میں دو طرح کے بغض جمع ہوجاتے ہیں۔ ایک ماضی کے آفریدہ پرانے آدمی کا بغض اور دوسرا ذاتی تجربہ و مشاہدہ رکھنے والے انسان کی عداوت، پھر یہ بغض اور عداوت افکار و خیالات کی کچھ ایسی تعبیر کرتے ہیں جو تناقض و تضاد کا عجیب و غریب نمونہ بن جاتا ہے بنا بریں اہل یورپ کا عربوں کی مسلمہ تحقیقات کا انکار صرف **تعصب پر مبنی** ہے۔[1]

اگر اہل یورپ تعصب کی پٹی اتار کر دیکھیں تو یقیناً مکہ مکرمہ کی قدامت تورات، زبور، انجیل اور قدیم یونانی تواریخ کے علاوہ ان کی اپنی تالیفات و تصنیفات میں بھی بدر منیر کی طرح چمکتی ہوئی نظر آجائے، مگر تعصب کا مرض ایسا لاعلاج ہے کہ ہم اس کا مداوا کرنے سے قاصر ہیں۔

ان کی دوسری دلیل کہ پہلا مکان سعد بن عمرو نے بنایا اور اس کا زمانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے۔ لہٰذا یہ شہر قدیم نہیں۔

اگرچہ ہمیں اس روایت کی صحت سے قطعاً انکار نہیں ہے لیکن اس روایت سے مکہ مکرمہ کی قدامت کا انکار کیسے ثابت ہوگیا؟ اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ لفظ عرب کے معنے ہی خانہ بدوشی اور صحرا نشینی کے ہیں۔ اور عرب باشندے جھونپڑیوں اور خیموں میں بود و باش رکھتے تھے۔ مکانات کے تکلف سے وہ بے نیاز، گلہ بانی اور شکار ان کا ذریعہ معاش تھا۔ اور اس مقصد کے حصول کی خاطر وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔

چنانچہ مشہور یورپین مورخ جرجی زیدان مسیحی لکھتا ہے۔

سامی زبان میں عرب کا معنی بدو کے ہیں خصوصاً شمالی عرب کے باشندے بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ لوگ خیموں میں رہتے، اور گلہ بانی ان کا پیشہ تھا۔ کسی ایک جگہ استقرار نہیں تھا۔

---

[1] تمدن عرب ص ۲۲۳

Marfat.com

کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ اونٹ تھے۔ انہیں جہاں سبزہ، شادابی اور پانی ملتا وہاں چلے جاتے نہ تو وہ مکان بناتے اور نہ ہی تمدّن اختیار کرنا پسند کرتے تھے۔ اس کے برعکس یمن میں بلند و بالا محلات، بڑے بڑے شہر سرسبز و شاداب باغات اور عمدہ تمدّن تھا۔[1]

علاوہ ازیں مذکورہ روایت میں اشارۃً یا کنایتہً بھی اس بات کا انکار نہیں ہے کہ وہاں انسانی آبادی نہیں تھی، بلکہ روایت کا مقصود تو یہ ہے، مستقل آبادی ہونے کے باوجود مکہ مشرفہ کے باشندے قدیم بدویانہ بود و باش اور طرزِ معاشرت میں ہی مسرور تھے۔ لیکن سعد بن عمر نے اس جمود کو توڑ کر تمدّنی ترقی کا سنگِ بنیاد رکھا اور یہ اسلامی تاریخ کا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ کہ جس نے مکہ مشرفہ کی جدید طرزِ زندگی کے آغاز کی تاریخ کو بھی پوری تفصیلات سے بیان کیا ہے اور یہ سہرا قصی بن کلاب کے سر ہے جس نے اس مقدس شہر کے باشندوں کو تہذیب و تمدّن کی لازوال دولت سے سرفراز کیا، جو روز افزوں ترقی کرتے کرتے آج دنیا کے عظیم و جلیل متمدن شہروں کے غرور کو خاک میں ملا رہا ہے۔

---

[1] العرب قبل الاسلام جلد ۱ صہ ۱۵۴

Marfat.com

مکّہ کی قدامت پر

توریت، انجیل اور زبور کی شہادت

اب ہم تورات، انجیل زبور اور یورپین مورخین کے حوالہ جات کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ مکہ مشرفہ کوئی نیا شہر نہیں بلکہ یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے صدیوں پہلے آباد ہو چکا تھا، اور اسے آباد کرنے والے سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ جو اپنی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کی معیت میں یہاں قیام پذیر ہوتے تھے چنانچہ ہمارے دلائل درج ذیل چار اقسام پر مشتمل ہیں۔

۱۔ تورات، زبور اور انجیل کی شہادت۔

۲۔ جزیرۃ العرب کی تقسیم اور اولادِ اسماعیلؑ کے مساکن۔

۳۔ شاہراہِ تجارت۔

Marfat.com

۴۔ تاریخی شواہد۔

تورات، زبور اور انجیل اصل عبرانی زبان میں ہیں۔ ان کے تراجم انگریزی، عربی، اردو اور کئی دوسری زبانوں میں خود یورپین علماء نے کئے ہیں۔ اور وہ تحریف، قطع و برید اور تلبیس کے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسلام اور اسلامی شعائر کے ساتھ روایتی تعصب کی بناء پر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام، سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور سیدہ ہاجرہ کے اس تاریخی سفر اور منتہائے منزل کے متعلق بھی تراجم میں زبردست تغیر و تبدل کر دیا ہے۔ جس سے اصل اور صحیح واقعات کی صورت مسخ ہو گئی ہے اور پھر آج کل مسلمان عبرانی زبان سے قطعاً بے خبر ہیں جس کے باعث ان کی تلبیس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

بایں ہمہ اسرائیلی روایات کی تصدیق یا تکذیب سے قطع نظر ہم نے صرف اپنے دعویٰ کی صداقت پر استدلال کرنا ہے۔ بعض مقامات پر ہم نے مولانا یعقوب حسن مرحوم کی "کتاب الہدیٰ" سے استفادہ کر کے اصل عبرانی الفاظ بھی ناظرین کی معلومات کے لئے سپرد قلم کر دئیے ہیں تاکہ مترجمین کی دست درازی کی نشاندہی بھی ہو جائے۔

تورات میں ان واقعات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

"حضرت سارہ چونکہ بانجھ تھیں، اس لئے انہوں نے اپنی مصری خادمہ جن کا نام ہاجرہ تھا حضرت ابراہیم کو دی، اور کہا کہ میری خادمہ کے پاس جاؤ، شاید میں اس کی کوکھ سے بچہ والی ہو جاؤں۔ وہ ہاجرہ کے پاس گیا تو وہ حاملہ ہو گئیں۔ حاملہ ہونے کے بعد وہ اپنی مالکہ کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگیں۔ اس پر سارہ نے سختی کی تو وہ بھاگ نکلیں۔ مگر راستہ میں خدا کا فرشتہ ہاجرہ کو ملا اور بشارت دی کہ تو حاملہ ہے اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام شمع ایل رکھنا۔ کیونکہ خدا نے تمہارا دکھ سن لیا۔ وہ فَرَا פ ר א ם ہوگا۔ سب کے ہاتھ اس کے خلاف اور اس کے ہاتھ

Marfat.com

سب کے خلاف ہوں گے۔ اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا۔"[1]

" لفظ فرا کے معنے شکاری اور بہادر کے ہیں۔ مگر بائبل کے مترجمین نے اس کا معنی وحشی آدمی کیا ہے۔"[2]

" اب تو حاملہ ہو گئی اور بچہ جنے گی۔ اور اس کے سر پر اُسترا نہ پھیرا جائے۔ کیونکہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر کیا جائے گا۔"[3]

" اور ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسماعیل رکھا اور جب ابرام کے لئے ہاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوا تب ابراہام چھیاسی برس کا تھا۔"[4]

" پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور اس کا نام اضحاق رکھنا۔ اور میں ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کروں گا۔"[5]

پھر جب اسحاق علیہ السلام بھی پیدا ہو گئے تو رات کا بیان ہے۔

" اور سرہ نے دیکھا ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابراہام سے جنی تھی۔ ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحٰق کے ساتھ وارث نہ ہو گا۔ پھر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابراہام کی نظر میں نہایت بُری معلوم ہوئی۔ خدا نے ابراہام سے کہا اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بُری نہ معلوم ہو۔ ہر ایک بات کے حق میں جو سرہ نے تجھے کہی ہے اس کی آواز پر کان رکھ۔ کیونکہ تیری نسل اضحاق سے کہلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا۔ اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے۔"[6]

" تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کو

---

[1] پیدائش باب ۱۶ [2] کتاب الہدیٰ ص ۴۰۹ [3] توراۃ قضاۃ، صحاح ۱۳۔۴ [4] پیدائش باب عدد ۱۵، ۱۶۔
[5] تکوین، صحاح ۱۷، اعداد ۱۸ [6] پیدائش ۲۱۔ ۹۔ ۱۳

Marfat.com

اس کے کاندھے پر دھر دی، اور اس لڑکے کو بھی رخصت کیا، وہ روانہ ہوئی، بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ اور جب مشک کا پانی چک گیا، تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ اور خود اس کے سامنے ایک تیر کے پٹے پر دور جا کر بیٹھی، کیونکہ اس نے کہا میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں، سو وہ سامنے بیٹھی اور چلّا چلّا کر روئی، تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی، اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا، اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا، مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے۔ خدا نے سنی، اُٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال، کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں۔ اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا، اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا، اور لڑکے کو پلایا، اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا اور تیر انداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لائی۔"[۱]

اگرچہ تورات کی یہ مفصل روایت اسلامی روایات کے ساتھ بہت حد تک مطابقت رکھتی ہے پانی کے مشکیزہ کا ذکر، اس کے ختم ہو جانے، اور سیدہ ہاجرہ کا بے تاب ہونے کا تذکرہ اور پھر جبریل کا چاہ زمزم کے ظاہر کرنے کا واقعہ اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے تسلی دینا سب کچھ اسلامی روایات کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ البتہ تورات کی روایت میں اس جگہ کا صحیح نام نہیں بتایا گیا صرف "فاران" کہا گیا ہے جب کہ اسلامی روایات میں مکہ مکرمہ کا نام صراحۃً موجود ہے۔

تورات کی تصریح کے مطابق بنی اسرائیل میں دستور تھا کہ آدمی اور جانور کا پہلا بچہ قربان کیا جاتا تھا۔

"کیونکہ بنی اسرائیل آدمی اور جانور کا پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔"[۲]

---

[۱] پیدائش باب ۲۱ [۲] عدد ۸-۱۸

اسی دستور کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کو بھی حکم ربانی ہوتا ہے ۔

" اپنے بیٹے، اپنے اکلوتے بیٹے کو لو اور موریاہ کی زمین میں جاؤ، اور وہاں اس پہاڑ پر جو میں تم کو بتاؤں گا اس کو سوختنی قربانی کے لئے چڑھاؤ"[1]

جب ابراہیم علیہ السلام اس حکم کی تعمیل پر بسر و چشم آمادہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کو تورات نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

" اپنا ہاتھ اس لڑکے پر مت بڑھاؤ، اور اسے کچھ نہ کرو۔ کہ اب میں نے جان لیا کہ تم خدا ترس ہو۔

اس لئے کہ تم نے اپنے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے تک کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔

تم نے ایسا کام کیا اپنے بیٹے، اپنے اکلوتے بیٹے تک کو مجھ سے دریغ نہ کیا"[2]

مولانا محمد یعقوب لکھتے ہیں :۔

عبرانی میں اکلوتے بیٹے کے لئے لفظ "یحید" استعمال ہوا ہے جو عربی لفظ وحید کے ہم معنی ہے چونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے اکلوتے اسماعیل علیہ السلام ہی تھے اسحاق علیہ السلام نہیں۔ اس لئے قربانی کا حکم اسماعیل علیہ السلام ہی کے متعلق تھا[3]

تورات کے بیان کے مطابق ابراہیم علیہ السلام باپ کے گھر سے نکل کر پہلے مورہ کے پاس اور بعد میں عی اور بیت ایل کے درمیان مذبح (معبد) تعمیر کیا۔[4]

مولانا یعقوب حسن نے اصل عبارت اس طرح نقل فرمائی ہے ۔

وَیَبَاُوْ کَنْعَن ⑤ وَیَعْبَرْ اَبْرَام بَاَرِصْ	اور کنعان میں وارد ہوئے ⑤ اور اس ملک میں مقام
عَدْ مَقُوْم شِیکِمْ عَدْ اِلُوْن مُوْرِہ	شیکم سے وادی مورہ تک گئے اور ان دونوں ملکوں

---

[1] پیدائش باب ۲۲ [2] پیدائش ۲۲ ۱۲/۱۶ [3] کتاب الہدیٰ صہ ۲۰۲ [4] پیدائش باب ۱۲۔ آیت ۷

Marfat.com

وَهَكْنَعَانِي اِزْ بِاَرِصْ (۶) وَ يَرَاءَ	میں کنعانی آباد تھے (۶) اور ابرام کو یہوہ (خدا)
يَهْوَه اِلْ ابرام ..... وَيَبِنْ شِمْ	دکھائی دیا...... اور وہاں (وادی مورہ میں) ایک
مِزْ بِّحْ (۷) باب ۱۲ پیدائش	مذبح بنایا۔

ان واقعات کے بعد انجیل میں ہے۔

"ابرام کے دو بیٹے تھے۔ ایک لونڈی سے، دوسرا آزاد سے، پر وہ جو لونڈی سے تھا، جسم کے طور پر پیدا ہوا۔ اور جو آزاد سے تھا۔ سو وعدہ کے طور پر، یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ عورتیں دو عہد ہیں۔ ایک کوہ سینا پہاڑ سے ہو اور نرے غلام جنتی ہے۔ یہ **ھاجرہ** ہے، کیونکہ ہاجرہ **عرب کا کوہ سینا** ہے، اور اب کے یروشلم کا جواب ہے۔"[1]

جب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عرب میں پھولی پھلی تو اس کی تفصیلات تورات میں اس طرح بیان کی گئی ہیں۔

"یہ نسب نامہ ابراہام کے بیٹے اسماعیل کا ہے جو ابراہام سے سارہ کی لونڈی ہاجرہ مصری کے بطن سے پیدا ہوا۔

اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں:۔

اسماعیل کا پہلوٹا نبایوت تھا۔ پھر قیدار، ادبئیل، مبسام، مشماع، دومہ، مسّا، حدد، تیما، یطور، نفیس، قدمہ۔ یہ اسماعیل کے بیٹے تھے۔ اور انہی کے نام سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں۔"[2]

تورات کی مذکورہ بالا روایات سے حسب ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

---

[1] انجیل گلیتوں باب ۴ آیت ۲۴، ۲۵ [2] پیدائش باب ۲۵۔ آیت ۱۲ تا ۱۶

Marfat.com

① اکلوتا بیٹا اسماعیل تھا۔
② اسماعیل اپنی والدہ ہاجرہ کی معیت میں فاران میں آباد ہوا۔
③ ابراہیم نے پہلا مرکز (معبد) مورہ میں بنایا۔
④ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کو مورہ پہاڑ پر سوختنی قربانی کیا۔
⑤ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے۔

پہلی بات نور روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اکلوتا بیٹا سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔
توات کے بیان کے مطابق جب ان کی عمر ۱۳ برس کی تھی تب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔
دوسرا یہ کہ آپ والدہ کے ساتھ فاران میں آباد ہوئے۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ فاران کس جگہ کا نام ہے۔ فاران وہی علاقہ ہے جسے اس وقت حجاز کہا جاتا ہے چنانچہ خود توراۃ ہی کی روایت وضاحت کر رہی ہے۔

"اور اس کی اولاد (۱۸۵۰ ق م) حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی، یہ لوگ سب اپنے بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔"[۱]

مشہور مسیحی مورخ جرجی زیدان کی یہ تحریر بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔

"جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ جبالِ مکّہ یا جبالِ حجاز دونوں کو فاران کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے آپ جزیرہ سینا میں ٹھہرے اور وہاں سے حجاز میں آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں شادی بھی کی۔"

اسماعیل اپنی والدہ کے ساتھ فاران یعنی مکّہ میں قیام پذیر ہوئے۔[۲]

---

[۱] قضاۃ باب ۲۰۔۲۲ تا ۲۴ [۲] عرب قبل الاسلام جلد ا صفحہ ۱۵۳

Marfat.com

فرانسیسی مورخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے :۔

اسماعیل کی اولاد فلسطین کی سرحد سے لے کر حجاز تک آباد ہوئی ۔ اور یہی پہلے **مکّہ** کے حاکم بنے[1]

رہی تیسری اور چوتھی بات، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے پہلا معبد مورہ میں بنایا ۔ اور اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل کی مورہ پہاڑ پر قربانی دی ۔ تو **مورہ** کی حقیقت کیا ہے ؟

اصل میں **مورہ** اور **مروہ** ایک ہی جگہ کے عبرانی اور عربی نام ہیں، یہ دونوں الگ الگ جگہیں نہیں ہیں ۔ اور پھر حجاز کے سوا مروہ نام کا پہاڑ کہیں کسی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی اس نام کے کسی دوسرے پہاڑ کے قریب ابراہیم علیہ السلام کے معبد بنانے کا ثبوت تاریخ پیش کرتی ہے ۔
آئندہ صفحات میں ہم یورپین مورخین کی روایات سے ثابت کریں گے کہ ایک قدیم معبد عرب میں بے حد قابل تعظیم تھا جسے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا ۔

اور تورات کی روایت بھی یہ شہادت پیش کر رہی ہے کہ مورہ پہاڑ عرب میں ہی ہے ۔

"اور مدیانیوں کی فوج، شمال کی جانب **مورہ** کی پہاڑی پر وادی میں تھی[2]

مسیحی مورخ بلیکی لکھتا ہے :۔

مدیانی انہیں اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مدیان ان کے دادا کا نام تھا، اور یہ عرب کے صحرا میں آباد تھے[3] (اور یہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد تھی)

یہ واقعات اور شواہد اس بات کی منہ بولتی دلیل ہیں کہ **مورہ** مروہ ہی کا نام ہے فرق صرف عربی اور عبرانی زبان کا ہے ۔

---

[1] تمدن عرب صـ۳، [2] قضاۃ ،صحاح باب، آیت ۲ [3] تاریخ بائبل صـ۳،

Marfat.com

پانچویں صراحت کہ ہاجرہ عرب کا کوہِ سیناء ہے۔

یہ بھنگ کے نشے میں کسی ملنگ کی ترنگ نہیں بلکہ انجیلِ مقدس کی شہادت ہے اور سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے سب سے بڑے جانشین پولوس کا فرمان ہے۔ اگر سیدہ ہاجرہ عرب میں آباد نہ ہوئی ہوتیں، تو عیسائی مذہب کا اتنا بڑا عالم اور جلیل القدر آدمی انہیں اس اعزاز سے کیوں کر نوازتا؟ ہم اس سلسلہ میں زبور کی ایک ایسی ٹھوس شہادت پیش کرتے ہیں جس کی صداقت کا انکار مستشرقین بھی کرنے کی جرأت نہیں کر سکے۔ اگرچہ تاویلات کے ذریعہ اپنی تلبیس کے فن کا مظاہرہ تو کیا ہے، مگر بے سود۔

ہم پہلے عیسائیوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں تحریف اور تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد اصل عبرانی عبارت کے ساتھ ترجمہ پیش کریں گے تاکہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے۔ سیدنا داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں۔

"اے لشکروں کے خداوند تیرے مسکن کیا ہی دل کش ہیں، میری جان خداوند کی بارگاہوں کی مشتاق ہے، بلکہ گداز ہو چلی، میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کے لئے خوشی سے للکارتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں، وہ سدا تیری تعریف کرتے ہیں جس کے دل میں صیئون کی شاہراہیں ہیں۔ وہ وادی بکا سے گذر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں"[1]

اگرچہ یہ عبارت ابتداء سے انتہا تک تحریف شدہ ہے۔ اسی وجہ سے زبور کے شارحین نے

---

[1] زبور باب ۸۴ آیت ۶۔

Marfat.com

وادیٔ بکا کی متعدد تاویلات کی ہیں مگر حقیقت چھپ نہ سکی۔

اصل عبرانی عبارت سے مولانا یعقوب حسنؒ نے اس طرح ان آیات کو نقل کیا ہے :۔

"میری روح خداوند کے بارگاہوں کی آرزومند ہے۔ (۲) اے میرے خداوند، میرے بادشاہ میرے معبود (۳) جو لوگ تیرے گھر میں رہتے ہیں۔ سدا تیری تہلیل کرتے ہیں (۴) جن آدمیوں کو تجھ سے مدد ملتی ہے ان کے سینوں میں تیری شریعتیں ہوتی ہیں۔ (۵)

عبری بعمق هبکه معین یسیتو — لوگ بکہ کی وادی میں چلتے ہوئے ایک کنوئیں کے پاس

هو گم برکوت یغطه موره — ٹھہرتے ہیں، جملہ برکتیں مورہ کو ڈھانپے رہتی ہیں (۶)

زبور کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ ۱۱۰۰ سنہ ق م میں **عمق هبکه** یعنی وادی بکہ کے اندر **موره** کے پاس ایک مقدس **کنواں** اور ایک باعظمت **بیت اللہ** تھا۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام اس باعظمت بیت اللہ کی زیارت کے بے حد مشتاق تھے۔ عیسائی مترجمین نے **عمق هبکه** کا ترجمہ **رونے کی وادی** کیا ہے۔ اگر لفظ بکہ ہوتا تب تو اسے بُکا کا فعل گردانتے مگر اس کے ساتھ حرف "ھ" دلالت کر رہا ہے کہ یہ اسم ہے اور کسی مقام کا نام ہے[1]

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مغربی مورخین کی تحریرات میں اس حقیقت کا ثبوت موجود ہے کہ **وادی بکا یا بکہ** سے مراد مکہ معظمہ ہے۔

فلپ کے حتّی نے بری اور بحری تجارت کی شاہراہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے **وادی بکا** کو دو سڑکوں کا مقام اتصال بتایا ہے[2]

---

[1] کتاب الہدی صہ ۴۷۴ [2] تاریخ لبنان صہ ۸۱

Marfat.com

اور روم لانڈو نے بڑے وثوق سے یہ ثابت کیا ہے۔

"کہ تجارتی شاہراہ پر مکہ ایک خاص اہمیت کا اڈہ تھا۔"[1]

اس حقیقت کو مشہور مستشرقین ھیری سینٹ جان اور نو ہیدگی نے بھی بادل نخواستہ تسلیم کیا ہے۔

"قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا۔ بجز اس کے کہ زبور (۸۴، ۶) میں وادی بکہ کا لفظ پایا جاتا ہے۔"[2]

زبور کی اس قدر واضح دلیل کو مسترد کر دینا اسلام دشمنی اور اسلامی شعائر کے خلاف صریحاً تعصب کا مظاہرہ کرنا ہے۔ ورنہ ایسے فضول اور بے بنیاد خیالات کا اظہار ہرگز نہ کیا جاتا۔

ھ۱ الاسلام والعرب ص ۱۵

ھ۲ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایچلس انسائیکلو پیڈیا لفظ مکہ۔

Marfat.com

Marfat.com

یونانی اور مسیحی تاریخ

میں

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کا تذکرہ

اگرچہ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مکہ معظمہ اور بیت اللہ کا ذکر تورات، انجیل اور زبور کے علاوہ مغربی مورخین کی کتابوں میں موجود ہے لیکن اس باب میں خصوصیت کے ساتھ حج کی قدامت مذکورہ کتب سے ثابت کی جائے گی۔

زبور کے بیان کے مطابق سیدنا داؤد علیہ السلام سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے گیارہ سو سال پہلے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے اپنی بے چینی اور اضطراب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

" اے لشکروں کے خداوند تیرے مسکن کیا ہی دلکش ہیں۔ میری جان ان بارگاہوں کی

Marfat.com

مشتاق ہے۔ بلکہ گداز ہو چلی۔ میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کے لئے خوشی سے للکارتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں بستے ہیں۔ وہ سدا تیری تعریف کرتے ہیں۔ جس کے دل میں صیہون کی شاہراہیں ہیں وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔[1]

تورات کی اس شہادت کی موجودگی میں اگرچہ کسی اور دلیل یا حوالہ کی ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی مگر عیسائی مترجمین نے اصل حقیقت کو اس طرح مسخ کر دیا ہے کہ ایک عام آدمی صحیح مفہوم کو سمجھنے سے قطعی محروم رہتا ہے۔ اس لئے ہم بالکل واضح اور صریح الفاظ میں اپنے دعوی کے ایسے ٹھوس ثبوت پیش کرتے ہیں تاکہ تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

مسیحی مورخ جرجی زیدان لکھتا ہے:۔

"قدیم یونانی تاریخ کی کتابوں میں **مکہ یا کعبہ** کا نام نہیں ملتا۔ ابتہ دیودورس الصقلی نے ۶۰ قبل مسیح میں نبطی قوم کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حجاز میں ایک معبد ہے جس کا احترام اور تعظیم سارے عرب کرتے ہیں۔"[2]

للاب لولس شیخو یسوعی بھی دنیا کے مشہور معبدوں کو تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"دنیا کے تمام معبدوں میں سب سے زیادہ مشہور معبد حجاز کا کعبہ ہے جس کا ذکر تاریخ میں سب سے پہلے دیودورس الصقلی نے ۶۰ قبل المسیح میں کیا تھا۔"[3]

جرجی زیدان کے بقول لفظ **مکہ یا کعبہ** تاریخ میں تو نہیں ملتا۔ لیکن ان الفاظ کے نہ ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس شہر کا وجود قدیم زمانے میں نہیں تھا چنانچہ وہ اس کی تفصیلات بے حد واضح الفاظ میں سپرد قلم کرتا ہے۔

---

[1] زبور باب ۸۴ عدد ۱-۶ [2] عرب قبل الاسلام صہ ۲۳۱ [3] النصرانیۃ وادابہا جلد ۱ صہ ۱۴

Marfat.com

قدیم زمانہ کے محققین نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ "مکہ" کس زبان کا لفظ ہے لیکن ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ کلدانی یا بابلی زبان کا لفظ ہے کیونکہ بابلی زبان میں مکہ کے معنی بیت یعنی گھر کے ہیں۔ اور عرب کے نزدیک یہی کعبہ کا نام ہے۔ اور یہ نام اس شہر کے قدیم ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے۔ سنہ ۱۸۰۰ ق م میں عمالقہ جب ہجرت کرکے یہاں آئے تو انہوں نے یہ نام رکھا تھا۔ عمالقہ کا یہاں سب سے پہلے آباد ہونا اظہر من الشمس ہے۔ بعد ازاں یہ کئی جابر حکمرانوں کی ہوس اقتدار کا نشانہ بنا۔ عمالقہ کے بعد قحطانیہ کا ایک فرقہ جرہم یمن سے ہجرت کرکے یہاں آیا اور عمالقہ سے جنگ کرکے یہاں قابض ہوگیا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد بنو اسماعیل نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا[1]۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا مطبوعہ سنہ ۱۹۷۰ء میں لفظ مکہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ یونانی زبان میں اسے مکورابا کہا جاتا ہے۔

اور مذہبی انسائیکلوپیڈیا میں بھی اس کی تائید موجود ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔

"بطلیموس نے اپنی قدیم تصنیف (جغرافیہ) کے فصل ۶ باب ۷ صفحہ ۳۲ میں مکہ کا نام "مکورابا" لکھا تھا[2]"

فلپ کے حتی جیسا متعصب مؤرخ بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اپنی مشہور کتاب "ہسٹری آف دی عرب" جس کا اردو ترجمہ "ملت عربی" کے نام سے مشہور ہے میں لکھتا ہے۔

"مکہ کا نام بطلیموس نے "مکورابا" لکھا ہے۔ اور یہ لفظ سبائی زبان کے "مُکَربَا" سے مشتق ہے۔

۱؎ عرب قبل الاسلام ص۲۳ ۲؎ ریلیجنس اینڈ ایتھکس انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ ۱۹۵۹ء لفظ مکہ

Marfat.com

جس کے معنے **معبد** کے ہیں۔ اس نام سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اس شہر کی بنا مذہبی تعلق کی وجہ سے وجود میں آئی تھی اور یقیناً حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے بہت پہلے یہ مذہبی مرکز بن چکا ہوگا"[1]

جرجی زیدان اپنی دوسری تصنیف میں لکھتا ہے:۔

"موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ ۱۶۰۰ ق م سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ عرصہ قبل بلکہ پہلی صدی عیسوی تک **یہود** رومانی حکام کے جور و ستم سے تنگ آ کر عرب کے خشک صحراؤں میں بھاگ آتے تھے اور مکہ۔ مدینہ اور طائف میں آباد ہوتے رہے۔

اس اختلاط سے عربوں کے دو گروہ بن گئے ایک **اہل بادیہ** جو اپنی نیچرل زندگی پر قانع رہا ہے۔ جنہیں خانہ بدوش کہا گیا۔ اور دوسرا شہریوں کا گروہ جو مکہ، مدینہ اور طائف میں آباد ہوا جو حضری یعنی شہری عرب کے نام سے مشہور ہوا"[2]

لاب لویس شیخو یسوعی لکھتا ہے۔

"یورپین مورخین کے قول کے مطابق جرہم بنی اسماعیل کے بعد حجاز کے حکمران ہوتے ہیں۔ انہی کے ہاتھ کعبہ کی سدانت اور حجابی تھی۔ ان کا زمانہ ولادت مسیح سے پہلے کا تھا"[3] مورخ مذکور دوسری جگہ لکھتا ہے۔ بنی قحطان کے ایک قبیلہ بنی ازد کی بدولت بنی تغلب اور بنو خزاعہ کے مکہ میں آنے سے پہلے ہی نصرانیت یہاں پھیل چکی تھی"[4]

پطرس بستانی اس کی وضاحت اس طرح کرتا ہے۔

"ازد بلاد یمن میں آباد تھے لیکن جب بند خراب ہو گیا تو یہ لوگ حسان بن اسد ابی کرب

---

[1] ملتمروں ۱۵۹ [2] تاریخ التمدن للاسلامی جلد ۱ ص ۱۵ [3] النصرانیۃ واد ابہا ص ۱۱۶ [4] ایضاً

Marfat.com

کے زمانہ میں وہاں سے حجاز کی طرف چلے گئے۔ پہلے بلاد عکؑ میں جو زبید اور زمع کے درمیان واقع تھا، قیام کیا۔ وہاں کے باشندوں سے جنگ کی ان کا بادشاہ ثعلبہ بن عمرو مزیقیا کے ہاتھوں مارا گیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے اور ظہران میں ٹھہرے اور مکہ میں مقیم جرہم سے جنگ کی اور ان پر غالب آکر مکہ میں اقامت پذیر ہو گئے۔ بعدازاں متعدد شہروں میں منتشر ہو گئے تھے[1]۔"

البتہ یہود کی ہجرت کے متعلق بستانی کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"یہود بابل سے ہجرت کر کے حجاز میں آئے تھے۔ کیونکہ قدیم نسبی تعلقات اور زبان کی مماثلت کے باعث ان کی معاشرت حجاز کے باشندوں سے ملتی تھی۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام یہود کے جدِ اعلیٰ تھے اس بنا پر اسماعیلؑ کا وطن حجاز یہود کے لئے اسحاقؑ کے وطن سے کسی طرح بھی مختلف نہیں تھا۔

نیز یہ خیال درست نہیں ہے کہ سد مارب کی تباہی کے بعد یہود حجاز میں آئے تھے۔ بلکہ بابل کے عروج کے زمانہ میں انہوں نے حجاز کی طرف ہجرت کی تھی[2]۔"

مورخ سیدیو لکھتا ہے۔

"جرہم یمن سے ہجرت کر کے مکہ میں آئے اور بنو اسماعیل سے معاہدہ کر کے وہاں آباد ہوئے پھر انہوں نے زور بازو سے کعبہ کی حکومت ان سے چھین لی۔ اور ۲۰۶ عیسوی تک اس پر قابض رہے بعدازاں ۲۰۷ عیسوی میں بنو خزاعہ نے ان سے جنگ کر کے مکہ پر قبضہ کر لیا[3]۔"

دیوتاؤں کا ذکر فلپ کے حتی دیوتاؤں کا ذکر کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کی قدامت کا ان الفاظ میں

---

[1] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۳ ص ۳۹۵، لفظ حجاز [2] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۱۱۔ لفظ عبرانیین

[3] تاریخ العرب العام ص ۵۰

Marfat.com

اعتراف کرتا ہے ۔

"ہیرودوتس نے سنہ ۴۴۰ ق م میں قبطی دیوتاؤں کے بیان میں **لات** دیوتا کا ذکر بھی کیا ہے ۔ یہ دیوتا طائف کے قریب تھا۔ اس کا حیمیٰ اور حدودِ حرم بھی مقرر تھیں ۔ اہلِ مکہ اور دوسرے شہروں کے لوگ اس کی زیارت کرنے اور یہاں قربانی کرنے آیا کرتے تھے" [۱]

ملاب لوئس شیخو یسوعی عرب کے ہیکلوں کی تفصیلات کے ضمن میں لکھتا ہے ۔

"بلینیوس الطبیعی نے دوسری صدی مسیحی میں بہت سے ہیکلوں کا ذکر کیا تھا ۔ ان میں سے ۶۰ سبا میں اور ۶۵ بنی غطفان کی بستیوں میں تھے۔ ہیکلوں کے چاروں طرف کچھ علاقہ بطور حرم کے مختص ہوتا تھا ۔ ان میں زیادہ مشہور معبد **ملکہ** تھا ۔ ان کی خدمت کرنے والوں کو کاہن کہا جاتا تھا۔ ہیکل مختلف قسم کی تصویروں اور بتوں سے آراستہ کئے جاتے تھے ۔ پھر ان بتوں کے ہاتھ میں مختلف چیزیں دے رکھی تھیں ۔ جو اس بات کی دلالت تھی کہ انہیں ان معاملات میں خاص قدرت حاصل ہے ۔ مثلاً ودّ اور ہبل کے ہاتھ میں کمان اور تیر تھے ۔ اسی طرح سورج کے پرستاروں نے ایک بُت بنا رکھا تھا جس کے ہاتھ میں ایک ایسا منوّر ہیرا دیا جو آگ کی طرح چمکتا تھا ۔ اس کے لئے ایک گھر بھی بنایا جس کا حج کیا کرتے تھے ۔ اور اس کے باہر **نائلہ** اور **اساف** کے بُت نصب تھے" [۲]

پطرس بستانی کے ہی الفاظ میں اساف اور نائلہ کی حقیقت پیش کی جاتی ہے ۔

"اساف بن عمرو اور نائلہ بنت ذئب یمن کے باشندے اور قبیلہ جرہم کے فرد تھے ۔ ان دونوں میں معاشقہ تھا ۔ ایک مرتبہ دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی حج کرنے مکہ آئے ۔ ایک دن لوگوں کو غفلت میں پاکر کعبہ شریف کے اندر بدفعلی کی جس کی پاداش میں دونوں کی شکلیں مسخ ہو

---

[۱] لغت عربی مدیہ ۱۵۲ / ۲ [۲] النصرانیۃ وادابہا ۱۵

Marfat.com

کر پتھر بن گئیں۔ لوگوں نے انہیں اٹھا کر ایک صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر پھینک دیا تا کہ لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ مدت مدید تک وہاں پڑے رہے۔

جب بہت زمانہ گذر گیا لوگ ان کی بدکاری کے واقع کو بھول گئے۔ تو اس کے بعد عمرو بن لحی الخزاعی نے جب مکے میں بت پرستی کی داغ بیل ڈالی اور لوگوں میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تب ان دونوں کی پرستش بھی شروع ہو گئی۔ پھر جب قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو اس نے وہاں سے اٹھا کر ایک کعبہ کے متصل اور دوسرا زمزم کے پاس نصب کر دیا۔ اور ان کے نام کی قربانی دی جانے لگی۔[1]

حج بیت اللہ کا ذکر

مغربی مورخین نے مکہ مکرمہ کی قدامت کا جس طرح واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے اسی طرح بیت اللہ شریف کے حج کی قدامت کا بھی انہیں اعتراف کرنا ہی پڑا ہے۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے:۔

"عربستان میں کعبہ کے نام سے ایک عبادت گاہ تھی جسے قدیم روایات کے مطابق ابراہیم نے تعمیر کیا تھا۔ کعبہ جزیرۃ العرب کی تمام اقوام کی نظروں میں متبرک تھا۔ اور عرصہ دراز سے وہاں حج ہوتا تھا۔ حقیقت میں کعبہ عرب کے دیوتاؤں کا مندر تھا۔"[2]

جرجی زیدان کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

"حجاز کے شہروں میں مکہ کو بہت زیادہ شہرت اس لئے حاصل ہوئی کہ وہاں حج ہوتا تھا۔ اور متواتر کئی سو سال گذر جانے کے بعد وہ ایک تجارتی مرکز بن گیا۔ حج کے موقع پر حجاج کے ہجوم

---

[1] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۳ صد ۱۳۱ لفظ اساف [2] تمدن عرب صد ۸۹

Marfat.com

اور خرید و فروخت کی کثرت کے باعث بڑے بڑے جابر قبائل اور سرداروں کی توجہ اور حرص کا مرکز بن گیا۔

ابتدائی دور میں یہ شہر حجاز کے خاص باشندے اسماعیلیوں کے قبضہ میں تھا۔ وہی کعبہ کے خادم تھے۔ مگر دوسری صدی مسیحی میں سیل ارم کے بعد جب خزاعہ یمن سے ہجرت کر کے مکہ میں آئے تو انہوں نے اس شہر پر قبضہ کر لیا"[1]

امریکن پادری ایس ایم زویمر لکھتا ہے :۔

"اس میں شک نہیں کہ سنگِ اسود مکہ کا سب سے قدیم ترین خزانہ ہے عرب قدیم زمانہ میں پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ اب بھی جزیرہ نما کے بعض حصوں میں یہ رسم پائی جاتی ہے۔

میکسی مس ٹائرس نے دوسری صدی مسیحی میں لکھا تھا۔

میں نہیں جانتا کہ عرب اس چوگوشہ پتھر کی تعظیم کس دیوتا کے نام کی نسبت سے کرتے ہیں قدیم ایرانیوں کے قول کے مطابق یہ پتھر عرش سے برف کی طرح سفید نازل ہوا تھا"[2]

فلپ کے حتی لکھتا ہے :۔

"سامی مذہب کے بنیادی اصول ریگستان میں تو کیا نشو و نما پاتے۔ زیادہ تر سرسبز قطعات ہی سے ان کی کامیابی وابستہ تھی۔ وہ پتھر اور چشموں سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ جنہیں تورات کے "بیت ال" (بیت اللہ) اسلام "حجر اسود" اور زمزم کا پیش رو سمجھنا چاہیے"[3]

اب ہم اس بحث کا اختتام پطرس بستانی کے ناقابلِ تردید حوالہ پر کرتے ہیں۔ بستانی نے دنیا میں جن جن ممالک اور اقوام کے ہاں حج ہوتا رہا ہے ان کی رسومات اور طرزِ طریق کو

---

[1] تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۱ صہ ۱۵ [2] حالات عرب، عراق و عمان صہ ۲۶ [3] ملت عربی صہ ۱۴۴

Marfat.com

تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس نے عیسائی، یہود، مسلمان، ہنود، چاینا اور شیعہ مذاہب کے مقامات کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"حج کا طریقہ مختلف امتوں میں انتہائی قدیم زمانہ سے رائج ہے۔ اگرچہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سب سے پہلے کس امت کے ہاں حج شروع ہوا۔ البتہ عرب زمانۂ جاہلیت میں بھی دور دراز سے فوج در فوج بیت اللہ کا حج کرنے آتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی سب سے پہلی قوم تھی جس کے ہاں تمام اقوام سے پہلے حج شروع ہوا۔ عرب کہتے ہیں کہ آدمؑ نے آسمان سے اترنے کے بعد کعبہ بنایا تھا۔ پھر طوفانِ نوحؑ کے بعد ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے اسے تعمیر کیا۔

پھر ان کے بعد قدیم ترین قبائل جن کے ہاں حج رائج ہوا وہ یہود ہیں۔ بنی اسرائیل موسیٰؑ کی شریعت کے مطابق تین مرتبہ یروشلم میں "تابوت العہد" کا حج کرنے جاتے تھے۔ اسی طرح سریانی "ھیرابولیس" میں بتوں کا حج کرتے تھے۔ جو بہت قدیم زمانہ سے جاری تھا۔ اس میں مصر، ہندوستان، حبشہ اور آرمینیہ وغیرہ سے لوگ آتے تھے۔ یونانیوں کے مشہور ہیکل اور ربا اور ربِ صغیر میں تھے۔ جن کا وہ حج کرتے تھے۔ یہودی ان کے علاوہ بھی متعدد مقامات کا حج کیا کرتے تھے۔

لیکن جب مسیح علیہ السلام تشریف لائے تو صرف بیت المقدس کا حج قائم رکھا اور باقی تمام مقامات کے حج منسوخ کر دیئے۔

عیسائیوں کے حج کی تاریخ کے متعلق اکثر عیسائی مورخین نے قسطنطین کا زمانہ ۳۰۶ء عیسوی بیان کیا ہے۔ جو ولادت مسیح کے بعد آپ کی جائے ولادت، قیام اور مرگ کے مقامات کا حج کیا کرتے تھے"[۱]

---

[۱] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۶۔ عنوان حج

Marfat.com

بستانی کعبہ شریف کے حج کو یہود کے حج سے بھی قدیم تر کس طرح تسلیم کرتا ہے۔

اس بیان سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام جن کا زمانہ ۱۵۰۰ قبل المسیح ہے، سے بھی بہت پہلے بیت اللہ کا حج کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سیدنا اسمٰعیل اور سیدہ ہاجرہ مکہ آباد کر چکے تھے۔ اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اپنے جلیل القدر فرزند سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے تعاون سے وہاں بیت اللہ تعمیر کر چکے تھے۔ اور اگر وہاں نہ کوئی شہر آباد تھا اور نہ ہی کعبہ۔ تو پھر مغربی مورخین اپنی ان کتابوں کی عبارات کا کیا جواب دیں گے؟

Marfat.com

جزیرۃ العرب کی تقسیم

اور

اولاد اسمٰعیلؑ کے مساکن

جزیرۃ العرب جو ایک وسیع عریض صحرا اور بلند و بالا پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آباد ازمنہ قدیم کے عربوں کی تقسیم کو مسیحی مورخ جرجی زیدان اس طرح بیان کرتا ہے۔

جزیرۃ العرب کی تقسیم دو خطوں میں ہے۔

۱۔ القحطانی جو بلادِ یمن میں آباد تھے۔ یہ قحطان یا یقطان بن عابر جس کا سلسلہ نسب ارفخشاد کے ذریعہ سام بن نوح سے جا ملتا ہے، کی اولاد تھے۔

۲۔ اسماعیلی یا عدنانی۔ یہ لوگ حجاز، نجد اور ان کے ملحقہ علاقوں میں آباد تھے۔ یہ اسماعیل کی اولاد تھے۔ جو ابراہیم کی بیوی ہاجرہ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں عدنانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے

Marfat.com

آبا و اجداد میں "عدنان" نامی ایک شخص ہوا ہے۔

قحطانی عرب اسماعیلی عربوں سے بہت پہلے تمدن میں کمال حاصل کر چکے تھے کیونکہ انکی سرزمین اسماعیلی عربوں کی زمین کی نسبت زیادہ سرسبز و شاداب تھی۔ زمانہ قدیم میں قحطانیوں کی بڑی بڑی حکومتیں گذری ہیں جو فرعون مصر، شاہان بابل اور اشور کی معاصر تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور حمیر، کہلان اور سبا کی حکومتیں ہوئی ہیں۔

اسماعیلی عربوں میں بھی ولادت مسیح سے قبل اور بعد کئی نامور حکومتیں معرض وجود میں آئیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور نبطی حکومت تھی۔[1]

بیکی جو علم جیالوجی (طبقات الارض) کا جید عالم تھا وہ لکھتا ہے۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسمٰعیل عرب کے ریگستان میں جا بسا۔ اور اس کی اولاد نے آوارہ گردی اور خانہ بدوشی کی زندگی اختیار کی جو گلہ بان اور صیادوں کو عموماً ایسے ملکوں میں اختیار کرنی پڑتی ہے۔ جہاں انسانوں اور حیوانوں کی خوراک کے اسباب بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطورہ کے فرزند بھی اس کے ساتھ آملے۔ کیوں کہ ان میں سے ایک کا نام مدیان تھا۔ جو مدیانیوں کا دادا تھا۔ اگرچہ ان میں سے اکثر نے وحشی اور آوارہ زندگی اختیار کی جو اب تک عرب صحرا میں دکھائی دیتی ہے تاہم ان میں سے بعض نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔[2]

للاب لویس شیخو الیسوعی لکھتا ہے۔

"ابناء اسمٰعیل بن ابراہیم خصوصاً نبطی، قیدار اور ابناء قطورہ سریہ اور ان میں سے قبیلہ مدیانیہ بادیہ شام، بحر لوط کے مشرق اور کچھ جزیرہ سینا میں اور حجاز کے بعض حصوں میں مقیم تھے۔[3]

---

[1] التمدن اسلامی جلد ۱ [2] تاریخ بائبل صہ [3] النصرانیۃ و آدابہا ص

Marfat.com

ریورنڈ فارسٹر قیدار کی جائے سکونت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"اشعیا نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے اس کا ہر وہ شخص جو جغرافیۂ عرب سے واقفیت رکھتا ہے۔ فوراً کہہ دے گا کہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے۔ جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں..... عربوں کی قومی روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ جب ایک طرف اس کی تصدیق کتب مقدسہ سے ملتی ہو۔ جس سے قیدار کا اسی حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اریانوس، بطلیموس اور پلینی کے بیانات بھی کیداری قوم کی اسی صوبہ میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت پیش کرتے ہیں۔"[1]

ولیم..... لکھتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر عرب میں سامی قبیلے آباد تھے۔ ان میں صحرائی علاقوں کے باشندے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور عموماً ریوڑ پالتے تھے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ معتد بہ تجارتی اور ثقافتی نشو و نما اور ارتقاء کے مرکز مانے جاتے تھے، اور اس نشو و ارتقاء میں یونانی اور یہودی اثرات خاصے نمایاں تھے۔[2]

فرانسیسی ڈاکٹر گستاولی بان لکھتا ہے۔

عرب کی قدیم روایات کے مطابق جو دراصل یہود کی کتابوں سے لی گئی ہیں کے مطابق جزیرۃ العرب میں پہلے پہل دو نسلیں آباد ہوئیں ایک یقطان جو سام کی اولاد تھی، اور دوسری اسمٰعیل بن ابراہیمؑ جو ان کی مصری لونڈی ہاجرہ سے تھی۔ ان میں شمال کی طرف بدوی رہتے تھے اور جنوب کی طرف مستوطنین، یمن میں یقطان کی اولاد نے ایک طرف

---

[1] بحوالہ ارض القرآن جلد ۱ صفحہ ۱ [2] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد ۱ ص ۱

Marfat.com

سبا کی سلطنت قائم کی اور دوسری طرف حمیر کی۔

اسماعیل کی اولاد فلسطین کی سرحد سے لے کر حجاز تک آباد ہوئی اور یہی پہلے مکہ کے حاکم ہوئے۔ایک مدت دراز تک مکہ اور سبائے یمن میں مقابلہ رہا کہ ان میں سے کون سا شہر عربستان کا دارالسلطنت قرار دیا جائے۔[1]

سیدیُو رقمطراز ہے:۔

سبا جسے مآرب بھی کہا جاتا ہے، اسی خطہ میں آباد ہے اور اہل عرب کے ہاں یہ سلسلہ مدت دراز تک متنازعہ فیہ رہا۔کہ جزیرۃ العرب کا دارالسلطنت صنعا قرار دیا جائے یا مکہ۔[2]

ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے۔

نبطیہ، بنو ادوم، بنو مآب، عمالقہ، بنو عمون اور مدیانیہ یہ تمام بڑے بڑے قبائل اسماعیل کی اولاد سے تھے اور ان کے نام اکثر تورات میں آتے ہیں۔

وہ غالباً عمالقہ ہی تھے جنہوں نے دو ہزار سال قبل المسیح شام کے بدوؤں کے ساتھ مل کر مصر پر چڑھائی کی۔ اور وہاں پر چرواہوں کا خاندان شاہی قائم کیا جس نے کئی صدیاں حکومت کی۔[3]

المستشرق ل، ا۔ سیدیُو لکھتا ہے:۔

جزیرۃ العرب کے شمال میں بنی اسماعیل بن ابراہیم اور جنوب میں بنی قحطان رہتے تھے اقدم زمانہ میں ملوک سبا اور ملوک بنو حمیر ہی دو شاہی خاندان تھے۔ یہ دونوں عرب العربا اور عرب مستعربہ حجاز اور نجد میں عربی بولتے تھے اور یمن کے باشندے بنی قحطان کی زبان حمیری تھی۔

---

[1] تمدن عرب صہ ۸۰، [2] تاریخ العام العرب صہ ۲۶ [3] تمدن عرب صہ ۹۰،

Marfat.com

بنی اسماعیل بنی قحطان کے مدت دراز کے بعد پیدا ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ مکہ میں ایک مقدس معبد بنائیں۔ اس ارشاد کی تعمیل کے لئے آپ مکہ آئے اور کعبہ تعمیر کیا۔ جسے عرب قدیم الایام سے قابلِ تعظیم سمجھتے ہیں۔ اس تعمیر میں ابراہیمؑ کافی عرصہ تک مصروف رہے۔ اور اسمٰعیلؑ ان کے بیٹے جو مکہ میں پیدا ہوئے تھے اس کام میں ان کی امداد کرتے تھے[۱]۔

مشہور مستشرق مؤرخ جرجی زیدان کا حقائق پر مبنی مفصل محاکمہ

"اسماعیل کا واقعہ عرب مورخین نے جس طرح بیان کیا ہے۔ وہ تورات کی روایات کے مطابق ہے کہ اسماعیل اپنی والدہ ہاجرہ کے ساتھ بیر سبع میں آئے اور فاران میں اقامت گزیں ہو گئے۔ ان کی اولاد حویلہ سے شور تک پھیل گئی۔ جب کہ شور سویز کے قریب اور حویلہ شمالی یمن کے قریب ہے۔ اور ان کے درمیان حجاز، نجد، تہامہ، مدیان اور جزیرہ سینا ہے۔

عرب مورخین کی روایت کے مطابق جس کی اصل تورات سے منقول ہے اسمٰعیلؑ اپنی والدہ ہاجرہ کے ساتھ فاران یعنی مکہ میں قیام پذیر ہوئے اور مکہ میں مقیم قبیلہ جرہم سے شادی کی اور ۱۲ لڑکے پیدا ہوئے۔ لیکن ہمارے نزدیک تیسری روایت صحیح نہیں ہے۔ ہم دو باتوں پر متفق ہیں کہ اسماعیل صحرا میں رہتے تھے۔ اور تیر اندازی کرتے تھے۔ جو صحرا نشینوں کا طرۂ امتیاز ہے اور ان کے بارہ بیٹے بھی تھے۔ جو بعد میں بارہ قبائل کے سردار اور جدِ اعلیٰ بنے۔

البتہ ہم ان کی اقامت گاہ کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

تورات کی روایت کے مطابق وہ بریۃ فاران میں یا جبل فاران میں مقیم تھے۔ جب کہ

۱؎ تاریخ العام العرب صہ ۳۴۴، ۳۴۳

Marfat.com

دونوں جزیرہ سینا کے شمال میں واقع ہیں اور عرب مورخین کا کہنا ہے کہ وہ حجاز کے شہر مکہ میں آباد ہوئے تھے۔

لیکن ہم ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں۔

جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ جبال مکہ یا جبال حجاز دونوں کو فاران کہا جاتا ہے تو مرادیہ ہو گی کہ آپ پہلے تو جزیرہ سینا میں ٹھہرے اور پھر وہاں سے حجاز میں آکر مقیم ہو گئے اور وہاں شادی بھی کی۔

توراۃ نے اسماعیل کا باپ کے گھر سے چلے جانے کے بعد پھر واپس آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ سوا اس کے کہ ابراہیم کی وفات کے وقت ان کی تدفین کے لئے آئے۔ اور اپنے بھائی اسحاق سے مل کر تدفین کی۔[1]

مورخ مذکور کی مندرجہ ذیل انتہائی مفصل صراحت نے مستشرقین عالم کے تمام اوہام باطلہ کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اس قدر تابناک وضاحت کے بعد اگر کوئی یہودی یا عیسائی علم مکہ مشرفہ زادہ اللہ تعظیما وتکریما کی قدامت کا شبہ نوک زبان پر لاتا ہے۔ تو پھر اس سے بڑھ کر حقائق سے چشم پوشی کرنے والا احمق کوئی نہیں ہو سکتا۔

"عرب مورخین نے اولاد اسماعیل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں سے اکثر تورات سے اخذ کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

جب اسماعیل مکہ میں آئے تو وہاں قبیلہ جرہم کو پایا جس کا آخری بادشاہ مضاض بن بشیر تھا اسماعیل نے انہی میں سے شادی کی اور اولاد ہوئی۔ یہی عرب اسماعیلیہ ہیں جنہیں "عرب المستعربہ"

---

[1] العرب قبل الاسلام صد ۱۵۳

Marfat.com

بھی کہا جاتا ہے۔

اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ان کا لڑکا "قیدار" بہت مشہور ہوا۔ اس کا ذکر توراۃ میں بھی پایا جاتا ہے۔ قیدار کا سلسلہ نسب "عدنان" سے جاملتا ہے۔ اس کی اولاد بہت زیادہ پھلی اور پھولی۔ عدنان کے دو بیٹے "عک" اور "معد" تھے۔ معد ہی سے اسماعیلی قبائل کو فروغ حاصل ہوا۔ ان قبائل کی حسب ذیل تفصیلات ہمیں توراۃ سے معلوم ہوتی ہیں۔ توراۃ کے سفر تکوین میں یوسفؑ کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

وہ (یوسفؑ کے بھائی) کھانا کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آرہا ہے۔ گرم مصالح، روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو جارہے ہیں۔ التکوین باب ۳۷ عدد ۲۵

یہ واقعہ ۱۸۰۰ قبل المسیح میں پیش آیا جب کہ اسماعیلی مصر کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یوسف کو بھائیوں سے خرید کر مصر میں فروخت کر دیا۔

پھر اسماعیلیوں کا ذکر سفر القضاۃ باب ۶ عدد ۳۳، باب ۷، عدد ۱۲، اور باب ۸ عدد ۲۴ و ۲۶ میں مذکورہ واقعہ کے پانچ سو سال بعد اسرائیل کے ساتھ جنگ کے ضمن میں آتا ہے۔ جہاں انہیں کبھی "بنی المشرق" اور کبھی "الاسماعیلین" کہا گیا ہے۔

پھر پانچ سو سال گذر جانے کے بعد اشعیا باب ۲۱ عدد ۱۶ و ۱۷ میں ان کا ذکر "قیدار" کے نام سے کیا گیا ہے۔ جسے توراۃ میں اسمٰعیل کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ بعد ازاں یہ لوگ ۷۰۰ قبل المسیح میں شاہ بابل سے برسرِ پیکار دکھائے گئے ہیں۔ مگر اس جنگ میں بنی اسماعیل کو شکست فاش ہوئی۔ جس کا تذکرہ سفر القضاۃ باب ۸ عدد ۲۲ و ۲۶ میں اس طرح کیا گیا ہے۔

"تب بنی اسرائیل نے جدعون سے کہا کہ تو ہم پر حکومت کر، تو اور تیرا بیٹا اور تیرا پوتا بھی۔

Marfat.com

کیونکہ تو نے ہم کو مدیانیوں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ تب جدعون نے ان سے کہا نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ بیٹیا۔ بلکہ خداوند ہی تم پر حکومت کرے گا۔

اور جدعون نے ان سے کہا میں تم سے یہ عرض کرتا ہوں۔ تم میں سے ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دے دے یہ لوگ اسماعیلی تھے اس لئے ان کے پاس سونے کی بالیاں تھیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم ان کو بڑی خوشی سے دیں گے۔ پس انہوں نے ایک چادر بچھائی اور ہر ایک نے اپنی لوٹ کی بالیاں اس میں ڈال دیں۔ ان کا وزن ایک ہزار سات سو مثقال تھا"۔

موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

عدنانی عرب تہامہ، حجاز اور نجد میں آباد ہوئے ان کی دو شاخیں عک اور معد تھیں عک کی اولاد زبید کے نواح اور تہامہ کے جنوب میں آباد ہوئے اور قبیلہ معد خوب پھلا پھولا حجاز میں ان کی اقامت سنہ ۶ قبل المسیح میں ہوئی۔ پھر اس قبیلہ کی بھی دو شاخیں تھیں نزار اور قنص۔

نزار کے پانچ مشہور قبائل تھے۔ قضاعہ، مضر، ربیعہ۔ ایاد اور انمار۔ یہ سب تہامہ۔ حجاز اور نجد میں آباد تھے اور قبیلہ قنص اور کچھ معد کی اولاد میں سے بھی مکہ شہر، اس کے پہاڑوں وادیوں اور شعائب میں آباد تھے[1]

مورخ علام نے انتہائی شرح و بسط کے ساتھ توراۃ کے ناقابل تردید حوالہ جات سے ثابت کیا ہے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام مکہ میں آباد ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ۱۸۰۰ سال پہلے ان کی اولاد جو مکہ میں مقیم تھی مصر کے ساتھ تجارتی روابط قائم کئے ہوئے تھی۔

---

[1] عرب قبل الاسلام صہ ۱۵۶ تا صہ ۱۵۸

Marfat.com

جن کے تجارتی قافلہ سے سیدنا یوسف علیہ السلام کو خرید کر مصر میں فروخت کیا۔ اس واقعہ کے پانچ سو سال بعد بنی اسرائیل سے ان کی جنگ ہوئی۔ پھر اس کے پانچ سو سال بعد تورات ان کا ذکر قیدار کے نام سے کرتی ہے جو اسماعیل علیہ السلام کا بیٹا تھا۔ اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے چھ سو سال پہلے بابل کے بادشاہ کے ساتھ ان کی جنگ ہوئی ہے۔

کیا تورات کی ان تصریحات اور جرجی زیدان جیسے مشہور عالم مسیحی مورخ کی تشریحات کو جھٹلانے کی مستشرق جسارت کر سکتا ہے؟ کیا ان واضح براہین کی موجودگی میں بھی مکہ مکرمہ کی قدامت کے انکار کی کوئی گنجائش ہے؟

پطرس بستانی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

"حجاز میں عمالقہ، ادومین، مدیانیین اور انباط نہایت قدیم الایام سے قیام پذیر تھے۔ انہی میں اسماعیل بن ابراہیم آئے تھے۔ ان کا سسرالی خاندان جرہم تھا جنہوں نے مکہ کی بنا رکھی تھی۔"[1]

ہم اس بحث کو بستانی ہی کے حوالہ پر ختم کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا عیسائی مورخین اور تورات کے حوالہ جات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ مکہ مکرمہ میں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام آباد ہوئے اور پورے حجاز کی آبادی انہی کے دم قدم سے ہوئی۔

---

[1] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۶ صہ ۶۹۱ لفظ حجاز

Marfat.com

بستانی نے کتنے واضح الفاظ میں اسلامی روایات کی صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ مسلمان بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جرہم مکہ کے قرب وجوار میں پہلے سے مقیم تھے۔ جب سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں مکہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو جرہم ہی نے انہیں خوش آمدید کہا تھا۔ اور اسی خاندان کی ایک دوشیزہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی کر لی تھی۔ کیا مذکورہ بالا حوالہ جات اس بات کا بیّن ثبوت نہیں ہیں کہ مکہ معظمہ ۲۰۰۰ قبل المسیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے آباد کیا تھا۔ بلکہ پورے حجاز کی آبادی انہی کے دم قدم سے وجود میں آئی اور یہی نظریہ مسلمانوں کا ہے۔ اس کے باوجود مکہ کی قدامت کا انکار کرنا پرلے درجہ کی حماقت اور کور چشمی کا نتیجہ ہے۔ ہم انہی حوالہ جات پر اکتفا کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں:

Marfat.com

عالمی تجارتی منڈی میں مکّہ کا مقام

عربوں کی تجارت زمانہ تاریخ سے بھی پہلے عالمی شہرت حاصل کر چکی تھی۔ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ تاریخ کے اوراق میں سب سے پہلے جس تجارتی قافلہ کا ذکر ملتا ہے۔ وہ بنی اسماعیلی تاجروں پر مشتمل تھا۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے اٹھارہ سو سال پہلے حجاز سے مصر جا رہا تھا۔ ہم یورپین مورخین ہی کے حوالہ جات سے ثابت کریں گے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نہیں بلکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے صدیوں پہلے مکہ مکرمہ عالمی تجارتی منڈی کا ایک انتہائی اہم اڈہ تھا۔ تاکہ قارئین مستشرقین کے اس دام تزویر میں نہ پھنسیں کہ مکہ کوئی پرانا شہر نہیں ہے یہ تو بالکل نو آباد ہے۔

جرجی زیدان لکھتا ہے۔ "اسلامی تمدن عرب کے کاروباری فروغ کا کوئی نیا زمانہ نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے بنو حمیر، کہلان اور سبا کے خاندان بھی مشرقی اور مغربی ممالک کے

Marfat.com

درمیان تجارت کا واسطہ رہ چکے ہیں، کیونکہ ملک یمن اس زمانہ کے متمدن ممالک کے وسط میں واقع تھا۔ ہندوستان کا تجارتی مال بحرِ ہند کے ذریعہ بلادِ یمن اور حضر موت تک پہنچتا اور پھر یمنی تاجر اسے حبشہ، مصر، فینیقیہ، فلسطین، بلادِ ادومیین، عمالقہ اور مدیانیین کے علاوہ بلادِ مغرب تک پہنچا دیتے تھے۔

اسماعیلی عربوں نے آباد دنیا کے انتہائی کناروں تک خشکی کے راستے اپنی تجارت کا سلسلہ بڑھایا ہوا تھا۔ اور وہ اس زمانہ میں آباد ملکوں میں عقدِ تجارت کا واسطہ بنے ہوتے تھے[1]۔

جرجی زیدان "عرب قبل الاسلام" میں لکھتا ہے۔

"تجارتی قافلے حضر موت یا عمان سے جب چلتے تو قیدار کے شمال سے گذر کر دھنا، تک پہنچتے۔ پھر وہاں سے غربی جانب گذرتے ہوتے نجد پہنچ جاتے۔ جہاں سے حجاز میں داخل ہوتے تھے۔ اس کے بعد مکہ، مدینہ، یا ینبوع جاتے جہاں سے مدائن کی طرف بھی ایک راستہ جاتا تھا۔

اس تجارتی شاہراہ کا ذکر زمانہ قدیم کے مورخین میں سے بلینیوس اور بطلیموس نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے[2]۔"

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا جس کے مقالہ نگار نے مکہ مشرفہ کی قدامت کا انکار بڑے شد و مد سے کیا ہے لیکن اسے بھی اس حقیقت سے انکار کی جراٴت نہ ہو سکی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"مکہ قدیم تجارتی منڈی ہے جو بحرِ اوقیانوس کو جنوبی عرب، مشرقی افریقہ اور جنوبی ایشیا سے ملاتا تھا۔ یہ علاقہ مآرب یعنی سبا اور پیٹرا جسے الرقیم کہا جاتا ہے کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے رومی اور بازنطینی حکومتوں کے عروج کے وقت بھی مذہبی اور تجارتی مرکز کی حیثیت

---

[1] تاریخ تمدن اسلامی صفحہ ۹ [2] عرب قبل الاسلام صفحہ ۱۵۰

Marfat.com

رکھتا تھا۔[1]

رومی حکومت کو عروج کب نصیب ہوا؟ اس کا جواب بھی ہم کسی مسلمان مورخ کے حوالے سے نہیں بلکہ ایک سخت متعصب مغربی مورخ کی کتاب سے پیش کرتے ہیں۔ فلپ کے حتّی "ہسٹری آف دی عربز" کے حوالے سے لکھتا ہے۔

"مکہ سنہ عیسوی میں جب کہ رومی حکومت عروج پر تھی مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی واسطہ بنا ہوا تھا"۔[2]

نولدکی بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"مکہ کو شاہراہ تجارت پر مرکزیت اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہاں ایک کنواں تھا جسے زمزم کہا جاتا تھا جس میں وافر مقدار میں پانی پایا جاتا تھا۔ یمن اور شام کے تجارتی قافلے یہاں سے ہو کر گذرتے تھے اور اسے طبعی طور پر دیوتاؤں کا عطیہ سمجھتے تھے"۔[3]

فلپ کے حتّی ایک اور مقام پر لکھتا ہے۔

"یورپ اور ہندوستان کے درمیان بحری راستے عراق اور شام سے گذرتے تھے۔ ان تجارتی راستوں پر سب سے پہلے سکندر نے قبضہ کیا۔ بعد میں پارتھیہ (فارس) اور اہل روما انہیں حاصل کرنے کے لئے مدت دراز تک جنگ و جدال میں مصروف رہے لیکن جنوب کا راستہ پہلی صدی عیسوی کے قریب تک مسلسل عربوں کے قبضہ میں رہا۔

عرب کے تاجر ملکی پیداوار کے علاوہ ہندوستان اور حبشہ کی پیداوار بھی جمع کر کے مآرب (سبا) سے مکہ کے راستے شام اور مصر لے جاتے تھے۔ اس بری راستے پر قابض ہونے کی وجہ

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا لفظ مکہ مطبوعہ ۱۹۶۷ء [2] ملت عربی صفحہ ۹ [3] ریلجنس اینڈ ایتھکس انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ ۱۹۵۹ء لفظ "عرب"

Marfat.com

سے بحر قلزم کے جان لیوا سفر کی صعوبتوں سے وہ بچ جاتے تھے[1]

انتہائی قدیم زمانہ میں عالمی تجارتی شاہراہ پر مکہ کی مرکزیت کا اعتراف کرتے ہوئے فلپ کے حتی لکھتا ہے:۔

"زمانہ قدیم میں "مصالح کی سڑک" شہر مکہ کے درمیان سے گذرتی تھی۔ بلکہ اس سے بھی بہت پہلے یہ شہر مآرب یعنی سبا اور غزہ کے وسط کی منزل تھا جس کے باعث ترقی پسند مکہ کے تاجروں نے اسے بہت جلد دولت مند شہر بنا دیا[2]"

فلپ کے حتی تاریخ لبنان میں اس شاہراہ تجارت کی تفصیلات کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

"۲۷۰۰ ق م سے ۲۲۰۰ ق م تک بری اور بحری تجارت کا سلسلہ غالباً بہت زیادہ بڑھ چکا تھا۔ اور مزید کئی اجناس کی خرید و فروخت بھی شروع ہو گئی تھی۔ چھٹے شاہی خاندان کے جو کتبات ملے ہیں ان میں مصری جہازوں کو "جبیلہ" کے جہاز بتایا گیا ہے۔ تجارتی قافلے اس بڑی بین الاقوامی شاہراہ پر چلتے تھے، جو ڈیلٹا کے علاقہ سے شروع ہوتی اور جزیرہ نما سینا کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتی تھی۔

جزیرہ نما سینا میں اس کی ایک شاخ جدا ہو کر جنوب کی طرف تانبے اور فیروزے کی کانوں کو چلی جاتی تھی۔ جو جزیرہ نما کی مشہور کانیں تھیں۔ کچھ آگے بڑھ کر ایک شاخ ساحل کے ساتھ ساتھ جنوبی عرب پہنچ جاتی تھی۔ جہاں سے لوبان آتا تھا۔ اصل بڑی شاہراہ شمال کے رخ مڑ کر فلسطینی ساحل کے ساتھ جنوبی لبنان میں داخل ہو جاتی تھی۔ اور یہاں دو شاخوں میں بٹ جاتی تھی۔

ایک بدستور ساحل کے ساتھ ساتھ صور، صیدا۔ جبیلہ اور دوسرے شہروں سے گزرتی ہوئی

---

[1] تاریخ ملت عربی صد ۹۱ [2] ملت عربی صد ۱۵۹

Marfat.com

شمالی سمت نکل جاتی تھی اور دوسری شاخ بل کھاتی ہوئی وادی لیطانی اور الیکا (مکہ) سے گذرتی تھی پھر الیکا والی شاخ اور ساحلی شاخیں نہر کبیر کے راستے قدلیس کے مقام پر مل جاتی تھیں[1]

روم لاندو اس حقیقت کو بڑے واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ قدیم زمانہ میں عالمی شاہراہ تجارت میں بڑی اہمیت کا اڈہ تھا۔

"اور حق بات تو یہ ہے کہ مکہ جس میں کعبہ قائم ہے۔ قدیم زمانہ سے ہی عربوں کے نزدیک بے حد قابل تعظیم ہے۔ قافلے صحرا میں دور دراز سے سفر کرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ انتہائی مصائب و آلام سے گذر کر پہنچتے تھے۔ قافلوں کی اس شاہراہ پر مکہ بہت بڑی اہمیت کا اڈہ تھا۔ سفر کے دوران سوار، سواریاں اور سارا سامان ریت اور گرد و غبار سے بُری طرح متاثر ہو جاتا تھا۔ جلا دینے والی دھوپ اور بے آب و گیاہ صحرا قافلوں کے لئے جان لیوا ثابت ہوتا تھا۔ لیکن مکہ جسم اور روح دونوں کی تسکین اور سرور کا مقام تھا جب قافلے یہاں پہنچتے تو جان میں جان آجاتی اور یہاں پڑاؤ کرتے۔ اور اس جگہ ہندی اور رومانی مال تجارت کا تبادلہ بھی کرتے تھے[2]"

مغربی مورخین کے مذکورہ حوالہ جات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انتہائی قدیم زمانہ سے مشرق اور مغرب کی تجارتی شاہراہ پر مکہ معظمہ ایک اہم مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس عالمی شاہراہ پر یہاں بہت بڑی منڈی تھی۔ ان دلائل و براہین کی موجودگی میں کیا مکہ معظمہ کی قدامت کا انکار ممکن ہے؟

اب تک تورات، انجیل، زبور، یونانی، مسیحی اور یہودی تاریخوں کے جو حوالہ جات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

---

[1] تاریخ لبنان صہ ۸۰، ۸۱ [2] الاسلام والعرب صہ ۱۵

Marfat.com

(۱) مکہ مکرمہ سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے آباد کیا تھا۔

(۲) سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ علیہم السلام نے مل کر بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا۔

(۳) ان کی آمد سے پہلے جرہم مکہ کے قرب جوار میں موجود تھے جن کی ایک دوشیزہ سے سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ نے شادی کی۔

(۴) ۱۸۰۰ قبل المسیح میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کے وقت جس قافلہ کے ہاتھ سیدنا یوسفؑ کو فروخت کیا گیا تھا۔ وہ اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے۔

(۵) جرجی زیدان کے بقول ۱۸۰۰ قبل المسیح میں عمالقہ نے عراق سے ہجرت کر کے مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

(۶) پطرس بستانی کے بقول ۱۵۰۰ قبل المسیح میں یہود بابل سے ہجرت کر کے مکہ میں آباد ہوئے تھے۔

(۷) زبور کی تصریح کے مطابق ۱۱۰۰ قبل المسیح میں سیدنا داؤد علیہ السلام بیت اللہ شریف کے دیدار کے لئے سخت بیتاب تھے۔

(۸) پطرس بستانی کے بیان کی روشنی میں بیت اللہ کا حج ۱۵۰۰ قبل المسیح سے بہت زمانہ پہلے شروع ہو چکا تھا

(۹) ۶۰ قبل المسیح میں یونانی مؤرخ دیودورس الصقلی نے بیت اللہ کا ذکر کیا۔

(۱۰) ۵۰ عیسوی میں پری پلوس آف دی اری تھرائن نے بیت اللہ کا ذکر کیا۔

(۱۱) دوسری صدی عیسوی میں میکسی مس ٹائرس، بلینیوس الطبیعی اور بطلیموس نے مکہ مکرمہ کے حالات بیان کئے

اس قدر روشن دلائل اور ٹھوس ثبوت کے باوجود بھی یورپین مورخین اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں تو پھر ان کا قصور نہیں بلکہ وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہیں ع بریں عقل و دانش بباید گریست

ہم ان کی فطری جبلت کو بدلنے کی استعداد نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ ہی انہیں ہدایت کی لازوال دولت سے مالا مال فرمائے ہم نے اپنے دعوے کی تصدیق ان کی مایہ ناز کتابوں سے پیش کر دی ہے۔ اگر ان میں جرأت ہے تو ان حقائق کو جھوٹا ثابت کر دکھائیں ٭

Marfat.com

باب سوم

عہد ابراہیمی سے ظہور اسلام تک

اور

شہ کونینؐ کے اجداد کا نسب نامہ

تاریخی و تہذیبی ارتقاء

Marfat.com

عہدِ ابراہیمی میں مکّہ

عہد اسماعیلی میں مکّہ

جرہم کے زمانہ میں مکّہ

قریش کے دَور میں مکّہ

شاہ کونین کے اجداد کا نسب نامہ

Marfat.com

عہدِ ابراہیمی میں مکہ معظمہ

آج کرۂ ارضی پر آباد جس حسین وجمیل اور عظیم وجلیل شہر کو "عُرُوسُ البُلدان" کہا جاتا ہے. کسی وقت وہاں سنگلاخ اور وحشت ناک بیابان تھا. لیکن سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دم قدم سے اسے ایسا عظیم الشان زتبہ نصیب ہوا جس پر ہفت افلاک بھی رشک کرتے ہیں.

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم اس کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں.

آج سے چار ہزار سال قبل یہ سرزمین کیکر اور دوسرے خاردار درختوں سے اٹی پڑی تھی یہاں نہ پانی تھا اور نہ سبزہ. نہ گھاس پھوس اور نہ جانور. نہ تو انسانوں کے قدم اس زمین سے آشنا تھے اور نہ جن یہاں آباد تھے. بلند و بالا پہاڑ ہر جانب استادہ تھے. آج کے دور کے بالکل برعکس مکہ مکرمہ کی زمین بہت بلند تھی. کیونکہ بارش کے سیلاب پہاڑوں سے مٹی، ریت، پتھر اور چٹانیں بہا کر لاتے اور اس نشیبی زمین اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں مسلسل جمع کرتے رہے.

علاوہ ازیں جب شہر آباد ہو گیا تو لوگوں نے بھی یہ عمل جاری رکھا. پہاڑوں سے پتھر اور مٹی لا کر گڑھے اور نشیبی جگہوں کو پُر کرتے رہے جس کے باعث بتدریج پہاڑوں کی بلندی کم ہوتی گئی. چنانچہ

Marfat.com

اس وقت کعبہ شریف جو ایک ٹیلے پر تعمیر کیا گیا تھا وہ جگہ بہت ہی پست ہو گئی ہے۔ اور جو جگہ پست تھی وہ اتنی بلند ہو گئی کہ صرف محلہ شامیہ کی طرف جو راستہ ہے وہ کعبہ شریف سے بیس میٹر سے بھی زیادہ بلند ہو چکا ہے۔

اُس دور میں تمام راستے چٹانوں، پتھروں، ریت اور خاردار جھاڑیوں سے پُر تھے۔ اگرچہ یہ زمین بالکل بیابان تھی مگر گندگی اور نجاست کی آلودگی سے قطعاً پاک صاف تھی۔ کیوں کہ یہاں نہ تو انسان آباد تھے اور نہ ہی جانوروں کا کہیں نام و نشان تھا۔ اور نہ ہی وہاں کسی دوسری مخلوق کا وجود تھا۔ راستے بڑے ہی ہمت شکن اور دشوار گذار تھے۔ نشیب و فراز اور پتھریلی چٹانوں کو عبور کرنے سے آدمی تھک کے چُور چُور ہو جاتا تھا۔

عمرانی اور رفاہی ترقی کا سنگِ بنیاد سیّدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ سیّدہ ہاجرہ علیہا السلام نے رکھا۔ بعد میں قبیلہ بنو جرہم بھی ان کے دست و بازو بن گئے۔ اسی اثنا میں پروردگارِ عالم کے حکم سے سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر فرمایا۔ اور قبیلہ بنو جرہم میں تبلیغ دین کا فریضہ بھی انجام دیا جس سے دعوت و ارشاد کا سلسلہ چل پڑا۔ ادھر توالد و تناسل کے باعث آبادی میں اضافہ ہونے لگا۔ اس طرح یمن اور شام کے قافلوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی۔ انسانی آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ رہائش گاہوں اور خیموں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ جوں جوں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہونے لگی تو راستوں اور سڑکوں کو پتھروں، چٹانوں، جھاڑیوں اور دوسرے خاردار درختوں سے صاف کرنے کا کام بھی روز افزوں تیز ہوتا گیا۔ چنانچہ مکہ معظمہ نے اس قدر ترقی کی کہ آج دنیا بھر کے خوبصورت اور متمدن شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و مجد سے یہ عروس البلدان کا تاج ور بن گیا ہے۔[1]

[1] تاریخ القویم جلد ۲ ص ۳۰۷

Marfat.com

عہد اسماعیلی سیدنا اسمٰعیل اور ان کی والدہ ماجدہ علیہما السلام کے بعد پہلے پہل قبیلہ بنو جرہم وہاں آباد ہوا۔

علامہ قرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے۔

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمزم کے پانی پر پانچ دن برابر گذارہ کرتی رہیں یہی ان کی غذا کا کام بھی دیتا تھا۔ چھٹے دن عمالقہ کے دو نوجوان اپنے ایک گم شدہ اونٹ کی تلاش میں جبل ابی قبیس کی طرف آئے۔ یہ لوگ عرفات میں خیمہ زن تھے۔ ان کی نگاہ پانی پر پڑی جسے دیکھ کر انہیں بے حد تعجب ہوا۔ واپس جاکر یہ خوش آیند خبر اپنے قبیلہ کو سنائی۔ چنانچہ معززین قبیلہ تحقیق حال کے لئے آئے۔ تو سیدہ ہاجرہ اور ان کے فرزند کو وہاں جلوہ افروز پایا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم دونوں یہاں کیسے اور کہاں سے آئے ہو؟ سیدہ ہاجرہؓ نے پوری سرگذشت کہہ سنائی۔ قبیلہ کے سرداروں نے عرض کی کہ اگر ہمیں ہفتہ بھر کے لئے اپنے پاس قیام کی اجازت مرحمت فرمائیں تو بے حد بندہ نوازی ہوگی۔ کیونکہ ہمارے پاس پانی بالکل ختم ہوچکا ہے۔ سیدہ ہاجرہ نے ان کی درخواست کو قبول فرما لیا۔ اس طرح وہ لوگ وہاں قیام پذیر ہوگئے۔[1]

عبدالملک بن حسین المتوفی ۱۱۱۱ھ سمط النجوم میں لکھتے ہیں۔

جرہم جب سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آکر قیام پذیر ہوتے۔ تو انہوں نے دس بکریاں انہیں تحفۃً پیش کیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی تمام بکریاں انہی کی نسل سے تھیں۔[2]

امام سہیلی ایک روایت بیان کرتے ہیں:۔

---

[1] کتاب اخبار الدول صد ۳۲۲ [2] سمط النجوم العوالی صد ۱۴۵

Marfat.com

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے جرہم اور عمالقہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا ان کی دعوت کو قبول کر کے بعض ایمان کی دولت سے مالامال ہوتے اور بعض کفر پر اڑے رہے۔ اور دعوتِ حق کو ٹھکرا دیا۔[۱]

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد خلافت اور جانشینی ان کے فرزند اکبر "نابت" کے سپرد ہوئی۔ یہ بڑے جلیل القدر انسان تھے، چونکہ ان کے اجداد (سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام) بابل کے شہر "اُر" کے باشندے اور ننہیال سیدہ ہاجرہ علیہا السلام مصری تھے۔ اس سبب سے ان دونوں عظیم مملکتوں کے تجارتی قافلے مکہ مکرمہ میں قیام کر کے گذرتے تھے جس کے باعث یہ شہر عالمی شہرت کا حامل بن گیا۔

جرہم کے زمانہ میں مکہ

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی اولاد کو مختلف مقامات پر کچھ اس حسن انداز سے آباد کیا کہ وہ سلسلۃ الذہب میں جڑے رہیں۔ آپ نے اپنے فرزند ارجمند سیدنا اسحاق علیہ السلام کو بابل کے مغرب میں ملک شام میں آباد کیا تاکہ انہیں اپنے ننھیال سے قرب میسر رہے۔ عرب کا ملک سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے حوالہ کیا۔ ان کا ننھیالی ملک مصر اس کے مغرب میں واقع تھا تاکہ بوقتِ ضرورت ایک دوسرے کی امداد و اعانت کر سکیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی بنو جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی جو عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا۔ اور مضاض حجاز کا واحد فرماں روا تھا۔ جب کہ اسحاق علیہ السلام کا نکاح شام میں اپنے ننھیال کے ہاں ہوا۔ بنو جرہم کو حجاز میں آباد ہوئے تو

---

[۱] روض الانف جلد ۱ ص ۱۳

Marfat.com

زمانہ گذر گیا تھا مگر مکہ مکرمہ میں ان کی آمد سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد ہوئی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نے جزیرۃ العرب آپس میں تقسیم کر لیا تھا اور جلد ہی اس قدر پھیل گئے کہ مغرب میں مصر تک جا پہنچے جو ان کا ننھال تھا جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے۔ جہاں باپ نے ان کے بھائی بنو قطورا کو آباد کیا تھا اور شمال میں ان کی بستیاں شام کی سرحد سے جا ملیں جہاں ان کے بھائی بنو اسحاق آباد تھے۔

اس طرح ایک ہی باپ کے فرزند بابل اور مصر کے قدیم علم و تہذیب کے مالک بن گئے بحر ہند اور بحیرہ احمر جیسی بندرگاہیں ان کے قبضہ میں آگئیں جن کے ذریعہ تمام متمدن دنیا کی تجارت پر وہ قبضہ کر سکتے تھے۔ اور عرب کا اندرونی حصہ بھی انہی کے پاس تھا جو دفاعی لحاظ سے ہمیشہ ناقابلِ تسخیر حصار ثابت ہوا۔

سیدنا اسماعیل اسلام کی اولاد میں ان کا دوسرا فرزند قیدار نہایت مدبر اور نامور شخص تھا۔ قیدار کی اولاد مکہ مکرمہ میں آباد ہوئی۔ ان لوگوں نے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چل کر اس مقدس گھر کے حقوق کی ہمیشہ پاسبانی کی۔ یہ گھر دنیا میں توحید کی پہلی درسگاہ تھی۔

سیدنا اسماعیل علیہ اسلام کے وصال کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ شریف کے متولی ہوئے جب ان کا بھی وصال ہو گیا تو ان کے نانا مضاض بن عمرو جرہمی کو بیت اللہ کا متولی بنایا گیا۔ اور مکہ مکرمہ کی سلطنت بھی ان کے سپرد ہوئی۔

جرہم اور قطورا دونوں چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی زبان عربی تھی۔ جب یعرب بن قحطان کا دور حکومت آیا تو اس نے جرہم کو بلادِ حجاز کا والی مقرر کیا۔ عاد بن قحطان شحر وغیرہ پر متصرف ہوئے اور عمان کی ولایت یقطن بن قحطان کے سپرد کی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے جرہم اور بعد میں قطورا بن کرکرہ بن عملاق کی اولاد قحط سے تنگ آ کر یمن سے کوچ کر کے مکہ میں آباد ہوئے۔

Marfat.com

جرہم کا سردار مضاض اور قطورا کا سمیدع تھا۔ یہ لوگ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ایک سرسبز و شاداب جگہ دیکھ کر وہیں ٹھہر گئے۔ جرہم اور اس کے لشکر نے بالائی جانب قعیقعان کے مقام پر قیام کیا۔ اور سمیدع اور اس کی فوج مقام قطورا مسفلہ کی طرف خیمہ زن ہوئی۔ دونوں نے مکہ مکرمہ میں نئے آنے والے حضرات پر ٹیکس لگا رکھا تھا۔ یہ ٹیکس بالائی سمت سے آنے والوں سے مضاض اور نشیبی علاقہ سے آنے والوں سے سمیدع وصول کرتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور بالآخر یہ دشمنی ایک خوفناک جنگ پر منتج ہوئی۔ بنو اسماعیل نے جنگ میں مضاض کا ساتھ دیا کیونکہ یہ ان کا نانا تھا فاضح کے مقام پر زبردست مقابلہ ہوا۔ سمیدع مارا گیا اور مضاض کو فتح حاصل ہوئی۔ بعد میں دونوں قبائل میں صلح ہوئی اور سب نے متفقہ طور پر مضاض کو فرماں روا تسلیم کر لیا۔ انہوں نے شعب عبداللہ بن عامر بن کریز کے مقام پر جو مکہ شریف کے بالائی حصہ میں واقع تھا قیام کیا۔ جسے مطالع بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ مضاض نے فتح کی خوشی میں وہاں ایک پرتکلف دعوت کی تھی جس میں بڑی بڑی دیگیں پکائی گئی تھیں۔ اس نسبت سے اس جگہ کا نام "مطالع" ہوا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شاہ تبع کا ورود مکہ معظمہ میں ہوا تو اس نے اس مقام پر شاندار دعوت کی تھی اس بنا پر اس کا نام مطالع مشہور ہوا۔[1]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بنو اسماعیل اور ان کے جرہمی بھائیوں کی اولاد جب بہت زیادہ ہو گئی تو مکہ کی سرزمین اپنی وسعت کے باوجود ان کے لئے تنگ ہونے لگی تب انہیں مجبوراً مختلف ممالک کی طرف منتشر ہونا پڑا۔ اس وقت مکہ معظمہ کی ولایت بنو جرہم کے ہاتھ میں تھی۔

ادھر بنو عمالقہ کا بادشاہ سمیدع بن ہود بن حدر بن مازن بھی مکہ معظمہ کے نشیبی علاقہ میں

---

[1] اخبار مکہ صہ ۸۵

Marfat.com

برا جمان اور شہر پر قبضہ کرنے کے لئے بے تاب تھا۔

فریقین کے مابین سخت جنگ و جدال ہوا۔ سمیدع مارا گیا اور جرہم کو فتح نصیب ہوئی جس کی سلطنت تین سو سال تک مکہ معظمہ میں قائم رہی بنو جرہم ایک زبردست با وقار سلطنت کے والی تھی۔ مگر جب انہوں نے حدود خداوندی کو توڑا۔ خلق خدا کو ظلم و جور کا نشانہ بنایا۔ حرم محترم کی عزت و تکریم کو تاخت و تاراج کیا۔ باہر سے آنے والے زائرین اور مسافروں کی عزت و آبرو اور مال و متاع لوٹنا ان کا معمول بن گیا۔ بیت اللہ شریف پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کو نوالہ تر بنایا یا خزانہ کعبہ پر دست تصرف دراز کیا اور حد یہ کہ کعبہ شریف کے اندر قبیلہ جرہم کے دو کمینی مرد اور عورت اساف اور نائلہ نے بدکاری جیسے قبیح جرم کا ارتکاب کیا۔ تو پھر ان کے مقدر کا ستارہ گردش میں آگیا۔ ان کا جاہ و جلال اور کرو فر ذلت و خواری اور تباہی و بربادی کا شکار ہو گیا۔ جب یہ اندھیر نگری مضاض بن عمرو بن حارث بن مضاض بن عمرو الجرہمی نے دیکھی تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اے میری قوم اللہ تعالٰی سے ڈرو اور بیت اللہ کی بے حرمتی سے باز آجاؤ۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس قوم نے بھی اس مقدس گھر کی عزت و حرمت کو پامال کیا وہ تباہ و برباد ہوئی۔ اور عمالقہ کی ذلت و رسوائی کی المناک داستان تمہارے سامنے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ افعال بد کی پاداش میں اللہ تعالٰی تم پر کوئی دوسری قوم مسلط کر دے اور تم ذلیل و خوار ہو جاؤ۔

مگر قوم مضاض کی ناصحانہ باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ہم بے حد عزت والے عرب ہیں، ہماری افرادی قوت زبردست ہے ہمارے پاس سامان حرب و ضرب بے انداز ہے ہمیں کون شکست دے سکتا ہے؟

مضاض نے کہا جب اللہ تعالٰی کی گرفت آجاتی ہے تو تمام تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اور نافرمان قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ لیکن قوم بدکاری کی ایسی دلدادہ اور خوگر

Marfat.com

بن چکی تھی کہ مضاض کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

جب مضاض قوم کی اصلاح سے ناامید ہوگیا تو اس نے کعبہ شریف کی قیمتی اشیاء کو چاہ زمزم میں ڈال کر راتوں رات اسے مٹی سے بھر دیا۔ اس نے سونے کے دو ہرن جو کعبہ شریف میں رکھے ہوئے تھے، خزانہ کعبہ، غلاف کعبہ اور قلعی دار تلواریں دفن کر دیں۔

بالآخر خزاعہ نے زبردست حملہ کر کے نہایت ذلّت و رسوائی سے بنو جرہم کو مکہ سے بے دخل کر دیا۔ اور وہ مکہ کے فراق کا حزن و ملال دل میں لئے یمن کی طرف کوچ کر گئے[۵] ع

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

جرہم مکہ مکرمہ کے شمال میں مقیم تھے۔ یہ قبیلہ دو سو خیموں پر مشتمل تھا۔ ان کا سردار مضاض بن عمرو جرہمی، بے حد طاقتور اور جرأت مند شخص تھا۔ قبیلہ میں اس کی بہت زیادہ عزت کی جاتی تھی۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بیت اللہ کے باہر رہائش پذیر تھی۔ صبر و استقامت کے وصف سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ رزقِ حلال کی تلاش کے لئے دور دراز ممالک کا تجارت کی غرض سے سفر بھی کرتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ جس طرح نیک اعمال عبادت ہیں اسی طرح کسبِ حلال بھی عبادت ہے۔

پطرس بستانی علامہ قرمانی کے حوالہ سے لکھتا ہے۔

"جرہم اولیٰ عاد و ثمود کے ہمعصر تھے۔ اور جرہم ثانیہ قحطان کی اولاد سے تھے اور یہی لوگ سیدنا اسماعیل بن ابراہیم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے تھے۔

جرہم کا پہلا بادشاہ عبد یالیل تھا۔ پھر اس کا بیٹا جرشم۔ اس کے بعد جرشم کا بیٹا عبد المدان

---

[۵] اخبار مکہ ص۵۳، اعلام الاعلام ص۴۰

Marfat.com

پھر نفیلہ بن عبد المدان۔ پھر عبد المسیح بن نفیلہ۔ پھر مضاض بن عبد المسیح بعد میں عمرو بن مضاض یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے۔ اس کے بعد عمرو کے بھائی حارث بن مضاض نے ۱۰۰ سال تک حکومت کی۔ اس کے مر جانے کے بعد اس کے بیٹے عمرو نے ۱۲۰ سال حکمرانی کی۔ پھر عمرو کے بھائی بشر بن الحارث اور پھر مضاض الاصغر کو حکومت ملی۔ لیکن اپنی بد اعمالیوں کے باعث آخر یہ لوگ ہلاک ہو گئے۔[1]

علامہ مسعودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

جرہم کی حکمرانی صدیوں تک مکہ مشرفہ پر رہی۔ چنانچہ مضاض بن عمر نے سو سال حکمرانی کی۔ پھر اس کے بیٹے عمرو بن مضاض نے ۱۲۰ سال پھر اس کے بیٹے حارث بن عمرو نے دو سو سال یا اس سے کچھ زیادہ۔ پھر اس کے بیٹے عمرو بن حارث نے ۲۰۰ سال۔ بعد ازاں مضاض بن عمرو بن الاصغر بن الحارث نے چالیس سال حکومت کی۔[2]

خزاعہ کے زمانہ میں مکہ مشرفہ

یہ قبیلہ سبا میں آباد تھا۔ مگر ایک کاہن نے پیش گوئی کی کہ سبا کا بند ٹوٹ جائے گا اور سیلاب ہر جانب تباہی مچا دے گا۔ ڈر کے مارے اکثر قبائل وہاں سے وطن چھوڑ کر مختلف مقامات پر آباد ہو گئے اسی طرح یہ قبیلہ بھی ترک وطن کر کے متفرق شہروں سے گذرتا ہوا مکہ مکرمہ جا پہنچا۔ اور وہاں اقامت کا ارادہ کیا۔ ان کے سردار عمرو بن لحی نے حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کو سرداران مکہ کے پاس بھیجا کہ انہیں یہاں کچھ عرصہ کے لئے قیام کی اجازت دی جائے۔ مگر وہ اس پر سخت غضب ناک ہوئے اور شدت سے انکار کیا۔ حارثہ نے بھی قسم کھائی کہ اگر انہیں بخوشی رہنے نہ دیا گیا تو وہ بزور شمشیر

---

[1] قاموس بستانی جلد ۶ لفظ جرہم صفحہ ۴۴ [2] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۵۱

Marfat.com

یہاں رہیں گے۔ بالآخر فریقین کے مابین تین دن تک کارزار گرم رہا جرہم کو شکست فاش ہوئی اور خزاعہ کا مکہ مکرمہ پر قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد بنو اسماعیل جو جرہم کی لڑائی سے کنارہ کش تھے خزاعہ کے پاس آئے اور مکہ میں رہائش کا استیذان مانگا جسے خزاعہ نے قبول کرلیا۔ پھر عمرو بن لحی کی اولاد نے پانچ سو سال مکہ معظمہ میں حکمرانی کی اور ان کا آخری حکمران خلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب ہوا۔ اور اسی کی لڑکی سے قصی بن کلاب نے نکاح کیا تھا۔[۱]

عمرو بن لحی وہ بدبخت انسان تھا جس نے عرب میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی۔ اس سے پہلے اہل عرب بت پرستی کی لعنت سے قطعاً ناآشنا تھے۔ یہ ملک شام میں کسی ضرورت کو گیا اور وہاں بلقار کے شہر مآرب میں قوم عمالیق کو بت پرستی کرتے دیکھا اور ان سے ایک بت ہبل نامی خرید لایا، جسے کعبہ شریف کے اندر کنوئیں پر نصب کرکے اس کی عبادت شروع کردی۔[۲]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے جہنم کی آگ میں دیکھا کہ اس کی انتڑیاں آگ میں گھسیٹی جارہی تھیں۔[۳]

ابن کلبی کی روایت میں ہے کہ جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو نہ صرف ان کے لئے مکہ مکرمہ میں قیام کی گنجائش نہ رہی بلکہ ان کی معاشی حالت بھی بہت خراب ہوگئی جس کے باعث خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

ان وجوہات کی بنا پر لوگ شہر چھوڑ کر دوسرے مقامات پر جاکر آباد ہونے لگے۔ وہ لوگ بیت اللہ شریف سے جدا ہوتے وقت قرب وجوار سے کوئی پتھر بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ جہاں قیام کرنا ہوتا وہاں پتھر نصب کرکے کعبہ شریف کی طرح اس کا طواف اور تعظیم کرتے۔

۱۔ روض الانف جلد ۱ صفحہ ۸۔ اخبار مکہ ولایۃ خزاعہ۔ ۲۔ روض الانف جلد ۱ عنوان عمرو بن لحی۔ ۳۔ بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۴۹۹۔

Marfat.com

اس طرح رفتہ رفتہ بت پرستی شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں بیت اللہ شریف کے علاوہ منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں بھی جا بجا بت نظر آنے لگے۔[۱]

شاہ تبّع کی مکہ میں آمد

ظہورِ اسلام سے کوئی سات سو سال قبل یمن کا بادشاہ تبّع فوج کشی کے ارادہ سے عازم مکہ ہوا۔ شاہ اور اس کی قوم بت پرست تھی جنہیں کعبۃ اللہ کی عزت و حرمت ملحوظ نہیں تھی۔ ابھی یہ مکہ مکرمہ پہنچنے نہیں پایا تھا کہ ہذیل بن مدرک کے چند آدمیوں نے بادشاہ کو کہا ہم ایک ایسے مخفی خزانہ سے آپ کو آگاہ کرتے ہیں جس کا علم کسی بادشاہ کو نہیں ہے۔ اس میں جواہرات، زبرجد، یاقوت سونا، چاندی اور دیگر بیش بہا قیمتی اشیا موجود ہیں۔ یہ خزانہ مکہ معظمہ میں واقع ایک گھر کے اندر مخفی ہے۔ اہل مکہ اس گھر کی عبادت کرتے اور اس میں نماز پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اگر بادشاہ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تو یہ اس کے لئے ہلاکت خیز ہوگا۔ لہذا یہ اس ارادہ سے باز آجائے۔

شاہ تبع نے اس بات کی تصدیق مدینہ طیبہ سے ساتھ آئے ہوئے دو یہودی علماء سے کرنا چاہی علماء نے مشورہ دیا کہ جس طرح اہلِ مکہ اس گھر کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ آپ کو بھی اس کی تعظیم بجالانی چاہئے۔ خشوع خضوع، فروتنی، انکساری اور ادب و احترام سے وہاں داخل ہوکر اس گھر کا طواف کریں۔ بعد ازاں سر کے بال منڈوائیں۔

شاہ نے علماء سے دریافت کیا کہ تم اس گھر کی تعظیم و توقیر کیوں نہیں کرتے؟

علماء کرام نے جواب میں کہا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مقدس گھر ہمارے جدِ امجد سیدنا ابراہیم

---

[۱] کتاب الاصنام ص۶

Marfat.com

خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ مگر اس وقت اس پر بُت پرستوں کا قبضہ ہے۔ اس کے اندر اور باہر بہت سے بُت رکھے ہوئے ہیں جن کی شب و روز پُوجا کرتے ہیں۔ ان بتوں کے نام نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان کے نام کی قربانیاں دیتے ہیں۔ ایسے مشرکانہ ماحول میں ہم عبادت میں ان کے شریک نہیں ہو سکتے۔

شاہ نے علماء کے مخلصانہ اور ہمدردانہ مشورہ قبول کر لیا اور قبیلہ ہذیل کے جن لوگوں نے دھوکا دہی کا ارتکاب کر کے بادشاہ کو کعبہ شریف کی بے حرمتی پر آمادہ کیا تھا۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ اس کے بعد بادشاہ انتہائی عجز و انکساری اور ادب و احترام اور عشق و محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ سر کے بال منڈوائے اور قربانی ادا کی۔ شاہ نے شہر کے بالائی حصہ جبل قعیقعان پر چھ دن قیام کیا۔ قیام کے دوران مکہ شریف کے باشندوں اور دوسرے غرباء کی بڑی پُر تکلف دعوتیں ہوتی رہیں۔ لوگوں کو شہد کا شربت پلایا جاتا حالاں کہ وہاں سادہ پانی بھی نہیں ملتا تھا۔

اس اثناء میں اسے خواب میں کعبہ شریف پر غلاف چڑھانے کا حکم ہوا۔ چنانچہ اس نے خصف (یمنی موٹا کپڑا) کا غلاف چڑھایا۔ یہ پہلا غلاف تھا جو شاہ تبع نے چڑھایا (اس سے پہلے کعبہ شریف پر غلاف نہیں ہوتا تھا) آداب بیت اللہ سے فراغت کے بعد تبع اپنے ملک یمن واپس لوٹ گیا۔ وہ دونوں یہودی علماء بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ بادشاہ نے اپنی قوم کو بھی اس مذہب کو اپنانے کی دعوت دی جس کا وہ گرویدہ ہو چکا تھا۔ مگر قوم نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اور بادشاہ کے درپئے آزار ہو گئے۔

بالآخر بادشاہ کے مذہب کی حقانیت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ساری قوم نے بُت پرستی سے تائب ہو کر یہودی مذہب اختیار کر لیا ❖

Marfat.com

قریش کا درخشندہ و تابندہ دور

اور

شاہ کونین کا نسب نامہ

قریشؓ کا عالی مرتبت خاندان جس کے بدرِ منیر شاہِ کونین رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں -
ان کا نسب نامہ حسبِ ذیل ہے :-

حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن مغیرہ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر -

نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مُدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان[1]

نَضر بن کِنانہ کے دو بیٹے مالک اور یَخلد تھے - مالک کے گھران کی بیوی جندلہ بنت حرث بن مضاض الجرہمی کے پیٹ سے فِہر پیدا ہوئے - پھر فہر کے چار لڑکے غالب ، مُحارب ، حرث

[1] جمہرۃ الانساب ص۱۱

Marfat.com

اور اسد تھے۔[1]

اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی اور اس خاندان ذی شان کے جدِ اعلیٰ کون تھے جنہیں **قریش** کا لقب عنایت ہوا؟ علم الانساب کے ماہرین نے ایسے دو نام بیان کئے ہیں فہر بن مالک اور نضر بن کنانہ۔

زبیر بن بکار اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کا لقب سب سے پہلے فہر بن مالک کو ملا تھا۔ اس لئے فہر اور اس کی اولاد ہی قریش ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش ان کا نام تھا اور فہر لقب۔

عبداللہ بن مصعب، عثمان بن ابی سلیمان، ابی عبیدہ بن عبداللہ اور ابن شہاب وغیرہم سے بھی یہ قول منقول ہے۔

ہشام بن محمد بن السائب نے ابو الحسن سے روایت کی ہے کہ نضر بن کنانہ کو سب سے پہلے قریش کا لقب ملا تھا۔ اسی طرح شعبی اور ابو عبیدہ بن معمر بن المثنیٰ نے بھی روایت کی ہے۔

اگرچہ بظاہر دونوں روایات مختلف ہیں مگر حقیقت میں دونوں کا مفہوم یہی ہے کہ خواہ نضر بن کنانہ کو یہ لقب پہلے ملا یا فہر بن مالک کو۔ لیکن فہر ہی کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے[2] کیونکہ کنانہ کے چھ بیٹے تھے جن میں صرف نضر کی اولاد کو قریش کہا گیا۔ نضر سے مالک اور مالک سے فہر پیدا ہوا۔ ان کے علاوہ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی نسل کو کسی نے بھی قریش میں شمار نہیں کیا امام سہیلی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے[3]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ عنوان نسب امام الانبیاء [2] روض الانف جلد ۱ صفحہ ۷، لسان العرب جلد ۸ لفظ قرش
[3] روض الانف جلد ۱ صفحہ ۷

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا۔ پھر اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چُن لیا۔ پھر بنو کنانہ میں سے قریش کو بندگی عطا فرمائی۔ پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت عنایت کی۔ اور بنو ہاشم میں سے مجھے ممتاز بنایا۔ [۱]

واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بیشک اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چن لیا اور قریش کو بنو کنانہ میں سے پسند فرمالیا۔ اور ہاشم کو قریش میں سے فضیلت دی اور مجھے بنی ہاشم میں سے منتخب فرمالیا۔" [۲]

نبی علیہ السلام نے اپنے خاندان کی منقبت بیان کرتے ہوتے ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا۔ لیکن مجھے سب سے بہتر مخلوق میں پیدا کیا۔ پھر اسے دو فرقوں میں تقسیم کردیا (اچھے اور بُرے) اور مجھے اچھے فرقہ میں شمار فرمایا۔ پھر ان کے کئی قبائل بنا دیتے اور مجھے ان سب میں سے جو بہتر قبیلہ تھا اس میں رکھا۔ پھر ان کے بے شمار مکانات بنا دئیے لیکن مجھے سب سے بہترین گھر عنایت فرمایا۔ چنانچہ میں ان سب سے جسم اور وجود کے اعتبار اور گھر کے لحاظ سے بھی بہتر اور اچھا ہوں۔" [۳]

وجہ تسمیہ اس خاندان کو قریش کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے متعلق متعدد روایات بیان کی گئی ہیں۔ امام شعبی کہتے ہیں۔ تقریش بمعنی تفتیش کے ہے۔ کیونکہ اس خاندان کے آباؤ اجداد غریب اور نادار لوگوں کی تفتیش اور تلاش کرکے ان کی حاجات اور ضروریات کو پورا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حجاج کرام کے حالات دریافت کرتے اور ان کی امداد کیا کرتے تھے۔ اس لئے

---

[۱] مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ [۲] ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ باب ما جاء من فضل النبی صلعم [۳] الخ

Marfat.com

انہیں قریش کہا گیا ہے[۱]۔

زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ قریش، قرش کی تصغیر ہے۔ اور قرش ایک آبی جانور ہے۔ جو تمام سمندری جانوروں کو کھا جاتا ہے لیکن اسے کوئی جانور نہیں کھا سکتا اور وہ سب جانوروں پر غالب آجاتا ہے۔ مگر اس پر کسی کو غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ گویا کہ وہ سب سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے۔ چونکہ یہ خاندان بھی دوسرے خاندانوں سے بزرگ و برتر اور زبردست طاقتور ہے اس لئے اسے قریش کہا جاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی تو انہوں نے یہی توجیہہ بیان فرمائی تھی۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ قریش، تقرش سے ہے جس کے معنی کسب کرنے، کمانے کے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ تجارت میں بہت مہارت رکھتے تھے اور ان کا یہ پیشہ عالمی شہرت کا حامل تھا۔ بنا بریں یہ خاندان اس لقب سے مشہور ہوا[۲]۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ التقرش، التجمع کے معنی میں ہے۔ بنو کنانہ کے متفرق ہو جانے کے بعد جب قصی بن کلاب نے سب کو حرم شریف میں جمع کر دیا تو اس اجتماع کے باعث وہ قریش کہلانے لگے۔ نیز ایک قول یہ بھی ہے کہ بنو نضر نے جب غارت گری چھوڑ دی تو انہیں قریش کا لقب عطا ہوا[۳]۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظہور پذیر ہوئے اور اس خاندان کی خشت اول کب رکھی گئی۔ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے ہاں اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب جو چھٹی صدی

---

[۱] روض الانف جلد ۱ صفحہ ۷ [۲] روض الانف جلد ۱ صفحہ ۷، نہایت الارب صفحہ ۳۹۸، لسان العرب جلد ۸ لفظ قرش
[۳] روض الانف جلد ۱ صفحہ ۷، نہایت الارب صفحہ ۳۹۸

Marfat.com

عیسوی کے وسط میں ہوئے ہیں ان سے فہر تک دس پشتیں ہیں اور اگر ہر ایک پشت کے لئے ۲۵ برس کا زمانہ فرض کر لیا جائے تو اڑھائی سو برس کی مدت بنتی ہے جس کا تخمینہ حسب ذیل ہے:-

فہر	۳۲۵ء	کلاب	۴۵۰ء	غالب	۳۵۰	قصی	۴۷۵ء
لوی	۳۷۵ء	عبد مناف	۵۰۰ء	کعب	۴۰۰	ہاشم	۵۲۵
مرہ	۴۲۵ء	عبدالمطلب[۱]	۵۵۰ء				

قریش کی اقسام

قبائل عرب میں قریش ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی متعدد شاخیں تھیں لیکن یہ تمام شاخیں دو اقسام مشتمل تھیں ــــــــ قریش الظواہر اور قریش البطاح۔

قریش الظواہر مکہ مکرمہ کی ظاہر یعنی پشت پہ آباد ہوتے۔ اسی نسبت سے انہیں قریش الظواہر کہا گیا۔ ان میں سے بنو بغیض بن عامر بن لوی، بنو الادرم بن غالب بن فہر اور بنو محارب بن فہر تھے ان لوگوں نے بدویانہ زندگی اختیار کی کسی ایک جگہ قرار نہیں پکڑتے تھے۔ مال مویشی کے چارہ اور پانی کی جستجو میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے اور آپس میں غارت گری بھی کرتے رہتے تھے

قریش البطاح یا قریش البطحہ انہوں نے حرم کے گرد و نواح میں سکونت اختیار کی۔ انہی کے ہاتھ تجارت اور اقتصادیات کا محکمہ تھا۔ یہ لوگ صاحب ثروت اور رئیس تھے ان کے تجارتی مراسم شام، عراق، یمن اور حبشہ سے قائم تھے

البطاح مندرجہ ذیل قبائل پر مشتمل تھے۔

بنو عبدالدار، بنو عبد مناف، بنو عبد قصی، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرہ، بنو مخزوم بن یقظہ بنو سہم، بنو جمح، بنو عدی بن کعب، بنو حسل بن عامر بن لوی، بنو ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر بن ہلال بن مالک بن ضبہ، بنو ہاشم بن عبد مناف، بنو حارث بن عبد مناف۔ بنو المطلب بن عبد مناف۔ بنو امیۃ بن عبد شمس، بنو نوفل بن عبد مناف اور بنو حارث بن فہر[۲]

قریش کے قبائل اور مساکن

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قریش کے حسب ذیل قبائل مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے

---

[۱] ارض القرآن صد ۳۲۴ [۲] قسم مکہ صد ۷۵

Marfat.com

بنو حارث بن فہر۔ بنو حذیمہ۔ بنو سامہ۔ بنو لوی بن غالب۔ بنو عامر بن لوی۔ بنو عدی۔ بنو سہم۔ بنو جُمح۔ بنو مخزوم۔ بنو تیم۔ بنو زہرہ۔ بنو اسد۔ بنو عبد الدار۔ بنو نوفل۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم[1]

یہ قبائل دو طرح کے تھے ایک تو خالص شہری بود و باش رکھتے تھے اور دوسرے بدوی۔ شہری قریش اشراف اور سردار کہلاتے تھے۔ جو منیٰ، عرفات اور مکہ میں مقیم تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ کچھ قبائل کا ثقیف سے تعلق تھا جو طائف کے گرد و نواح میں آباد تھے۔ اور بدوی قریش جن کی گذران مال مویشی پر تھی وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چراگاہ اور پانی کی تلاش میں منتقل ہوتے رہتے تھے[2]۔

علامہ لبیب البتنونیؒ نے مکہ معظمہ کے قبائل کی تعداد حسب ذیل بیان کی ہے۔

عتیبہ[3]	یہ مکہ شریف کے مشرق میں مدینہ طیبہ کے راستہ میں آباد تھے۔	تعداد	۲۰،۰۰۰
قریش	اشراف یہ لوگ منیٰ، عرفات اور طائف میں آباد تھے۔	〃	۲،۰۰۰
ھذیل	مکہ اور طائف کے درمیان پہاڑوں میں آباد تھے۔	〃	۱۰،۰۰۰
ثقیف	ان میں بنو سفیان، بنو سعد، ناصر، ربیعہ اور عبیلہ بھی شامل تھے یہ طائف کے جنوب مشرق میں تھے۔	〃	۳۰،۰۰۰
بنی حارث	یہ بھی طائف کے جنوب اور مشرق میں آباد تھے	〃	۲،۰۰۰
بنی فہم[3]، یزید	بجالہ۔ منغانی بنی عفیف۔ بنی سلیم۔ بنی عمر۔ بنی علی اور بنی زیدان وغیرہ مکہ کے جنوب میں	〃	۱۰،۰۰۰

علامہ فواد حمزہ نے ہذیل کے متعلق لکھا ہے۔ کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ کے اطراف مشرق اور مغرب میں جبل بَرد اور جبل ذکا میں آباد تھے[4]۔

---

[1] نہایت الارب صہ ۳۹۸ [2] قلب جزیرۃ العرب فواد حمزہ صہ ۱۹۱ [3] رحلۃ الحجازیہ صہ ۵۲ [4] قلب جزیرۃ العرب صہ ۳۲

Marfat.com

قُصَیّ بن کلاب

قُصَیؓ بن کلاب خاندانِ قریش کے جدِ اعلیٰ اور ایک درخشندہ و تابندہ شخصیت کے حامل تھے۔ نیز یہ سرورِ کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ اس اجمال کو تفصیل کے زیور سے آراستہ کرنا برمحل اور موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ان کا حسب و نسب اس طرح ہے:-

قصی بن کلاب بن مُرّۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔ والدہ فاطمہ بنت سعد بن سیل بن حمالہ بن عوف بن عامر تھیں۔

علامہ قطب الدین فرماتے ہیں "قُصَیّ" قاف کا ضمہ اور صاد کا فتح یہ تصغیر ہے۔

Marfat.com

"قُصَیّ" کی جمع کے معنی بعید کے ہیں۔ ان کا نام زید اور لقب قصی تھا۔ کیونکہ یہ اپنے خویش و اقارب اور وطن سے دور ہو گئے تھے۔[۱]

علامہ محمد بن سعدؒ طبقات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کلاب بن مُرّۃ کی اولاد فاطمہ بنت سعد سے زہرہ اور زید (یعنی قصی) پیدا ہوئے۔ کلاب بن مرہ کی وفات کے بعد ان کی بیوہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن حَرام بن ضمنہ بن عبد بن کبیر بن عذرۃ بن سعد بن زید سے عقد کر لیا۔ یہ صاحب قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے اور فاطمہ کو اپنی قوم بنی عذرہ کے علاقہ ملک شام میں ساتھ لے گئے۔ زہرہ بن کلاب تو بڑے تھے وہ مکہ ہی میں اپنی قوم کے پاس رہ گئے مگر قصی ہنوز شیر خوار تھے۔ اس لئے والدہ ان کو اپنے ساتھ لے گئیں، وطن سے دور چلے جانے کی وجہ سے ان کا نام قصی مشہور ہو گیا جب کہ ان کا اصل نام زید تھا۔[۲]

قصی نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ربیعہ بن حرام ہی سے منسوب کرنے لگے یعنی ربیعہ کو اپنا والد کہتے تھے۔ ایک دفعہ قبیلہ قضاعہ کے ایک شخص رقیع سے تیر اندازی کا مقابلہ ہوا جس میں قصی غالب آ گیا، اور رقیع ان پر غضب ناک ہوا۔ دونوں میں نزاع بڑھا اور ایک دوسرے کو گفتنی و ناگفتنی باتیں کہنے لگے۔ رقیع نے کہا، تو ہمارے خاندان سے تو ہے ہی نہیں۔ اگر اتنا اچھا ہے تو اپنے خاندان میں کیوں نہیں جا ملتا۔

قصی کے لئے یہ بات تعجب انگیز تھی جب گھر آئے تو والدہ سے دریافت کیا میرا باپ کون ہے؟ والدہ نے کہا، ربیعہ۔ قصی نے کہا اگر ربیعہ میرا باپ ہوتا تو مجھے یہاں سے

۱؎ اعلام الاعلام صفحہ ۲۴ ۲؎ طبقات ابن سعد جلد ۱ عنوان قصی

Marfat.com

نکالا نہ جاتا۔ والدہ بولیں! بیٹا تم کیا کہہ رہے ہو، نہ تمہیں حسن جوار کا خیال ہے اور نہ ہی حفظ مراتب کا لحاظ! میرے بیٹے خدا کی قسم! تو اپنی ذاتی حیثیت، اپنے والد کی حیثیت اور خاندان کی حیثیت سے اس خاندان سے کہیں زیادہ شریف ہے۔ تیرا گھرانا اس سے بہت اشرف اور معزز ہے۔ کلاب بن مرۃ تیرے باپ تھے۔ تیری قوم مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے پاس آباد ہے۔

قصی نے کہا جب یہ بات ہے تو پھر خدا کی قسم میں یہاں ہرگز نہیں رہوں گا۔ والدہ نے کہا کہ تنہا جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ حجاج کے کسی قافلہ کے ساتھ چلے جانا۔ بہرحال آپ قبیلہ قضاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ موسم حج میں مکہ آ گئے۔ ان کا بڑا بھائی زہرہ ابھی زندہ تھا مگر بینائی سے محروم تھا۔ اس سے مل کر انہوں نے اپنا رشتہ بتایا، اور مکہ میں رہنے کے ارادہ سے آگاہ کیا۔ حج سے فراغت کے بعد بنی قضاعہ نے انہیں واپس لے جانے کی کوشش تو کی۔ مگر قصی ایک طاقت ور، سخت مزاج، ثابت قدم، پرجوش اور جوان تھے۔ واپس جانے سے انکار کر دیا اور مکہ میں مقیم ہو گئے۔

اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں حُلیل بن حبشیہ الخزاعی حکمران تھا۔ کعبہ شریف کی حجابت یعنی پردہ داری کا منصب بھی اسی کے پاس تھا۔ قصی نے اس کی لڑکی حُبّی کے لئے شادی کا پیغام دیا۔ حُلیل قصی کے اندر جوہر آبدار اور شجاعت کے اوصاف دیکھ چکا تھا۔ اس نے اس پیغام کو شرف قبولیت سے نوازا۔ جب قصی ازدواجی سلسلہ میں منسلک ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد سے نوازا جس کی عزت و شرافت کا ہر سو چرچا ہونے لگا اور حُلیل کے یہ منظور نظر بن گئے۔ تو وہ انہیں اپنا جانشین بنانے کے متعلق سوچنے لگا۔ بڑھاپے اور ضعف کے باعث اس نے کعبہ شریف کی چابیاں اپنی بیٹی حُبّی کے حوالے کر دی تھیں چنانچہ کبھی کبھار کعبہ شریف کی چابی انہیں دے دیتا تاکہ کعبہ شریف کا دروازہ کھول کر لوگوں کو زیارت کرائیں۔ جب اس کا

Marfat.com

انتقال ہونے لگا تو مکہ مشرفہ کی حکومت اور کعبہ معظمہ کی تولیت انہی کے سپرد کردی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلیل کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ابوغبشان سے قصی نے ایک مشکیزہ شراب کے عوض مکہ کی حکومت خرید لی تھی۔

پھر جب قصی کی اولاد کی شرافت معظم و مسلّم مانی جانے لگی اور مال و دولت میں بھی فراوانی ہوگئی، تو قصی کے دل میں مکہ معظمہ کی حکومت کا شوق انگڑائیاں لینے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ قبائل خزاعہ اور بنی بکر کی نسبت مکہ معظمہ کی حکومت اور کعبہ شریف کی تولیت کا میں زیادہ حق دار ہوں۔ کیونکہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی خالص اولاد قریشی ہی ہیں لہٰذا یہ اُن کا حق ہے چنانچہ قریش بنی کنانہ، قصی کے ماں جائے بھائی رزاح بن ربیعہ اور قبیلہ قضاعہ بھی ان کی رائے سے متفق ہو کر خزاعہ اور بنی بکر کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

اس دور میں قبیلہ صوفہ جو غوث بن مُر کی اولاد سے تھا، عرفہ کے بعد لوگوں کو ارکان حج کی اجازت دیتا تھا۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ غوث کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے نام نذر مانی کہ اگر اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اُسے کعبہ شریف کی خدمت کے لئے وقف کر دے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے لڑکا عنائت فرمایا تو اس کا نام غوث رکھا۔ ماں نے اپنی نذر پوری کی اور غوث اپنے ماموؤں کے ساتھ مل کر بیت اللہ شریف کی خدمت پر مامور ہو گیا۔ مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے سب سے پہلے قبیلہ صوفہ ہی آیا کرتا تھا جب اس قبیلہ کے تمام لوگ رمی سے فارغ ہو جاتے تب دوسرے لوگوں کو رمی کی اجازت ملتی تھی۔ ان کے بعد اس خدمت پر آلِ صفوان بن حرث مقرر ہوئے۔ صفوان لوگوں کو عرفات سے حج کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ اس خاندان کا آخری فرد جس کے دور میں اسلام کا ظہور ہوا، ابوسیارہ عملہ بن الاعزل تھا جو اس خدمت پر مامور تھا۔ یہ حاجیوں کو مزدلفہ

Marfat.com

سے مادہ خر پر سوار کر کے منیٰ میں لایا کرتا تھا۔

مگر اب تو قصی فیصلہ کر چکا تھا، کہ یہ خدمت خود ہی انجام دے گا۔ چنانچہ وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ منیٰ میں جمرات کے پاس پہنچ گیا۔ جب قبیلہ صوفہ اپنے قدیم دستور کے مطابق وہاں آئے تو قصی نے مزاحمت کی اور کہا کہ ان خدمات کے انجام دینے میں ہم تمہاری نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ جب تکرار بڑھی تو نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ فریقین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ بنو صوفہ کو شکست ہوئی اور قصی کو غلبہ نصیب ہوا۔ جب رزاح (قصی کے ماں جائے بھائی) نے دیکھا کہ دشمن کا زور ٹوٹ چکا ہے تو قصی سے درخواست کی کہ لوگوں کو اب رمی کے لئے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ قصی کے اجازت دینے پر لوگوں نے رمی کی۔ جب یہ ماجرا بنو خزاعہ اور بنو بکر نے دیکھا تو انہیں اپنی فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں خدمت اور مناصب سے ہمیں بھی محروم نہ کر دیا جائے، چنانچہ وہ بھی قصی سے برسر پیکار ہو گئے۔ زبردست جنگ و جدال اور قتل و قتال کے بعد وہ صلح پر مجبور ہو گئے اور یعمر بن عوف کو حکم مقرر کیا کہ قصی سے صلح کرائے اور اس کا فیصلہ فریقین کے لئے قابل قبول ہو گا۔

یعمر بن عوف نے فیصلہ دیا کہ قصی بن کلاب مکہ کی حکومت اور تولیت کعبہ کا بنی خزاعہ سے زیادہ مستحق ہے اور جس قدر لوگ قصی اور اس کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں ان کا خون بہا ان کے ذمہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان سے کوئی بازپرس ہے۔ اور جتنے آدمی قریش، بنی کنانہ اور قضاعہ کے خزاعہ اور بکر کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں، ان کا خون بہا ان کے ذمہ واجب الادا ہے۔ لہٰذا مکہ مکرمہ کی حکومت قصی کے سپرد کر دی جائے اس طرح قبیلہ خزاعہ سے مکہ کی حکومت قریش کو منتقل ہوئی۔

مورخ جلیل علامہ ابن سعد فرماتے ہیں۔ ہمارے دور تک طواف زیارت کرانے کی

Marfat.com

خدمت قصی کی اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ قائم ہے۔ جب کہ امام موصوف کا وصال ۲۳۰ھ میں ہوا۔[1]

قصی کے تابندہ و پائندہ کارنامے

مکہ معظمہ کی تمدنی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ترقی کے لئے قصی نے ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دئیے، جن کی یادگار عرصہ دراز تک قائم رہی۔ قوم کو ترقی کی جس راہ پر گامزن کیا تھا، بتدریج وہ اوجِ کمال کو پہنچ گئی۔ اس کی چند تابناک جھلکیاں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں۔

مَشْعرُ الحرام انہی کی ایجاد ہے۔ حج کے ایام میں مزدلفہ میں چراغاں کیا جاتا تھا۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ قصی نے مزدلفہ میں آگ روشن کرنے کی رسم ایجاد کی تاکہ عرفات سے آنے والے رات کے اندھیرے میں راستہ سے بھٹک نہ جائیں اور آگ دیکھ کر وہ اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آگ جلانے کا طریقہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور تک جاری رہا۔[2]

دارُ النّدوہ کعبہ شریف کے قریب ہی ایک بیش بہا قیمتی اور ذی شان محل تعمیر کیا جس کا دروازہ کعبہ شریف کی طرف کھلتا تھا۔ اس محل کا نام "دارالندوہ" رکھا قریش جب کسی اہم اور خاص کام کا مشورہ کرنا چاہتے تو سب اسی محل میں جمع ہو کر باہم مشورہ کیا

---

[1] طبقات ابن سعد عنوان اخراج بکر و خزاعہ [2] اخبار مکہ ص ۱۶۷/۲

Marfat.com

کرتے، یہ قریش کا شوریٰ ہال یا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ ندوہ کا ماخذ ندّی ہے اور ندی کا معنی مجمع قوم ہے۔ قوم کے اجتماع کی جگہ کو دارالاجتماع، ندوہ یا دارالندوہ کہا جاتا ہے۔

ہر قسم کے اجلاس اسی محل میں منعقد کئے جاتے جنگی تیاریوں کے انتظامات سے متعلق تمام امور بھی یہیں طے ہوتے۔ شادی بیاہ کی رسوم اور دیگر قومی تقریبات بھی اسی جگہ منعقد ہوتیں۔ قریش کے قافلے جب مکہ سے روانہ ہوتے تو ان کی قافلہ بندی اسی ہال میں کی جاتی اور جب وہ سفر سے واپس آتے تو قصی کے فضل و شرف کا اعتراف کرنے کے لئے پہلے دارالندوہ ہی میں اترتے تھے۔[۱]

قصی کے وصال کے بعد دارالندوہ کا محل اس کے بیٹے عبدالدار کے تصرف میں آیا۔ بعد میں عبدالدار سے حکیم بن حزام کی ملکیت میں آیا جس نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ حکیم نے باپ دادا کی عزت و شرف کو بیچ ڈالا ہے جس کے جواب میں اس نے کہا، اسلام آجانے کے بعد عزت اور شہرت صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں ہے ایک وقت وہ بھی تھا جب زمانہ جاہلیت میں یہ مکان شراب کے ایک مشکیزہ کے عوض فروخت ہوا تھا جب کہ میں نے ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا ہے۔[۲]

علامہ قطب الدین حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

ظہور اسلام کے بعد بھی مکہ مکرمہ کے مکانات میں سے دارالندوہ بڑا اور زیادہ وسیع مکان تھا۔ بادشاہ اور امراء حج اور عمرہ کے لئے آتے تو اسی میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ یہیں سے حرم

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد اول۔ سیرت ابن ہشام۔ اخبار مکہ صفحہ ۱۳۴ [۲] روض الانف جلد ۱ صفحہ ۸۰

Marfat.com

شریف میں نماز اور طواف کے لئے جاتے تھے۔ اس کا صحن کافی کشادہ تھا۔ لیکن جب کبھی سیلاب آتا تو اس میں کوڑا کرکٹ، کیچڑ اور گندگی بھر جاتی جس سے نہ صرف قرب و جوار کے دوسرے مکانوں کو نقصان پہنچتا بلکہ حرم شریف بھی متاثر ہوتا تھا۔

اس لئے قاضی محمد بن عبداللہ المقدسی امیر مکہ عج بن حاج نے خلیفہ المعتضد کے وزیر عبیداللہ بن سلیمان بن وہب کو لکھا کہ دارالندوہ کی حالت سخت ناگفتہ بہ ہے۔ بارش کے وقت چھت ٹپکتی ہے۔ اکثر حصہ منہدم ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں سیلاب، کیچڑ اور کوڑا کرکٹ اس میں پھینک دیتا ہے۔ جب پھر بارش ہوتی ہے تو یہ گندگی حرم شریف میں چلی جاتی ہے۔ اس طرح یہ حرم شریف اور دوسرے مکانات کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

اگر اجازت ہو تو برسوں کا جمع شدہ کوڑا کرکٹ نکال دیا جائے اور اس بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے یہاں مسجد تعمیر کر دی جائے۔ یا نماز پڑھنے کے لئے رحبہ بنا دیا جائے۔ جس سے حجاج کو بھی سہولت ہو گی۔ نیز حرم کے قریب سے گذرنے والا برساتی نالہ مٹی سے بھر گیا ہے۔ جس کے باعث بارش کا پانی حرم شریف کی یمانی سمت سے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی کھدائی اور گہرائی کی شدید ضرورت ہے۔ ایک وفد دربار خلافت میں بغداد بھی بھیجا گیا تا کہ خلیفہ کو بھی ان مقاصد سے مطلع کر دیا جائے۔

چنانچہ قاضی بغداد یوسف بن یعقوب نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے ابوالہیاج عمیرہ بن حیان الاسدی کو اس خدمت جلیلہ پر مامور کیا۔ اور زر کثیر کے علاوہ بہت سا سونا دے کر مکہ شریف بھیج دیا۔ موصوف ۲۸۱ھ کو مکہ شریف پہنچے۔ اور حج سے فارغ ہو کر نالے کی کھدائی شروع کرا دی۔ اسے اس قدر گہرا کیا گیا کہ حرم شریف کی بارہ سیڑھیاں ظاہر ہو گئیں جب کہ صرف پانچ سیڑھیاں باقی رہ گئی تھیں۔ نالے سے جو مٹی نکالی گئی تھی اسے شہر سے باہر پھینکا گیا

Marfat.com

بعد ازاں دارالندوہ کی بقیہ عمارت گرا دی گئی اور نئی بنیادیں کھود کر مسجد تعمیر کی گئی۔ اور حرم شریف کے وہ دروازے جو اس کی طرف کھلتے تھے انہیں مسجد میں داخل کر دیا گیا اور حرم کی بڑی دیوار میں چھ کشادہ دروازے بنا دئیے جن میں سے ہر دروازہ ۵ ذراع یعنی ۶-۷ فٹ چوڑا۔ اور ۱۱ ذراع یعنی ۶-۱۶ فٹ اونچا تھا۔ ان بڑے دروازوں میں چھ چھوٹے دروازے بھی تھے جن کی چوڑائی ۲½ ذراع یعنی ۹"-۳ فٹ اور بلندی ۸ ذراع یعنی ۱۲ فٹ تھی۔

اس مسجد کے دو بڑے دروازے شمال کی طرف باہر جانے کے لئے بھی بنائے گئے۔ اور ایک دروازہ مغربی سمت بھی رکھا گیا۔ یہ مسجد یا عمارت برآمدہ نما تھی۔ جو دارالندوہ والی جگہ کے چاروں طرف بنی ہوئی تھی۔ پتھر کے ستونوں پر ساگوان کی لکڑی کی چھت ڈالی گئی اور اس پر ایک مینار بھی بنایا گیا۔ یہ تعمیر تین سال میں مکمل ہوئی۔ تقریباً ۲۸۷ھ میں کام ختم ہوا۔

خلیفہ معتضد کے بعد جب قاضی محمد ابن موسیٰ مکہ شریف کے قاضی مقرر ہوئے تو انہوں نے اس کی تجدید کا حکم دیا۔ چنانچہ ۳۰۶ھ میں اسے انتہائی مضبوط اور عالی شان بنایا گیا۔ اس کے ستون منقش اور مضبوط پتھر کے اور چھت ساگوان کی بنائی گئی جس میں بے حد نفیس میناکاری کی گئی تھی۔ اور حرم شریف کی طرف والے دروازے سب ایک جیسے بنائے تاکہ اس حصہ میں اعتکاف بیٹھنے والے اور دوسرے لوگ بیت اللہ شریف کا دیدار کر سکیں۔

علامہ قطب الدین کہتے ہیں یہ خوبصورت اور منقش ستون ۹۲۷ھ تک موجود تھے اور ہم نے انہیں اسی طرح مضبوط دیکھا ہے۔

لیکن خاقان خاقان سلطان مراد خاں نے انہیں سفید سنگ مرمر سے بنوایا تاکہ زرد پتھر سے بنے ہوئے حرم کے دوسرے ستونوں کی زیبائش کو دوبالا کر دیں۔ اور لکڑی کی چھت کی جگہ انتہائی جاذب نظر، مضبوط اور خوبصورت قبے بنوائے۔ (اعلام الاعلام صہ ۱۴۴ تا ۱۰۲)

Marfat.com

وہ قبے بحمدہ تعالیٰ آج ربیع الاول ۱۴۰۰ھ مطابق فروری ۱۹۸۰ء تک صحیح وسالم موجود ہیں۔ ان کی پوری تفصیل اس کتاب کی دوسری جگہ میں بیان کردی گئی ہے۔

سقایہ اور رفادہ حجاج کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا۔ غریب اور نادار حجاج کو ایام حج میں کھانا کھلانا خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا۔ قصی نے حرم شریف میں قریش کے مجمع سے خطاب کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے زیر پناہ ہو، اہل حرم اور خانۂ خدا کے متولی ہو۔ اور حاجی حضرات اللہ تعالیٰ کے معزز مہمان ہیں، اس کے گھر کے زائر ہیں۔ وہ تمام مہمانوں سے زیادہ عزت وتکریم کے حق دار ہیں۔ لہٰذا تم حج کے ایام میں ان کے لئے کھانے اور پینے کا انتظام کرو۔ ان کی خدمت اور مہمان نوازی اس وقت تک جاری رکھو جب تک وہ مکہ مکرمہ سے رخصت نہیں ہوجاتے۔ قریش نے اپنے سردار کے اس حکم پر خلوص دل سے لبیک کہا اور برضا ورغبت اپنے مال سے حصہ نکال کر قصی کے سپرد کردیتے۔ جس سے سال بھر میں معقول رقم جمع ہوجاتی۔ پھر اس مال سے حج کے دنوں میں مکہ معظمہ اور منیٰ میں حجاج کے لئے کھانے کا انتظام کیا جاتا۔ انہیں پانی کی سہولت بہم پہنچائی جاتی۔ منیٰ اور عرفات میں چرمی حوض بنا کر ان میں پانی جمع کردیا جاتا۔ جس سے حاجی خوب سیراب ہوتے۔ یہ طریقہ قصی کی قوم میں مسلسل جاری رہا۔ یہاں تک کہ آفتاب اسلام طلوع ہوا اور اس رواج کو اور بھی زیادہ تقویت پہنچی۔ اور حجاج کی ضیافت میں مزید اضافہ ہوا۔ امام ابن ہشام جن کا وصال ۲۱۳ھ میں ہوا، کا بیان ہے

"ہمارے زمانہ میں بھی یہ طریقہ رائج ہے اور سلطان کی جانب سے ہر سال حج کے دنوں میں کھانا پکا کر مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔"[1]

---

[1] اخبار مکہ صہ ۱۳۴۔ سیرت ابن ہشام عنوان قصی

Marfat.com

یہ دستور ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق فروری سنہ ۱۹۸۰ء تک جاری ہے۔ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں حج کے دنوں میں بلاتمیز کھانا دیا جاتا ہے۔ کھانے میں پلاؤ ہوتا ہے جس میں گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ بحمداللہ راقم الحروف نے سنہ ۱۳۹۹ھ میں تناول کیا ہے۔

علامہ قطب الدین کا ہدیۂ سپاس

جب قصی بن کلاب بیت اللہ شریف کی تولیت اور مکہ مکرمہ کی حکومت پر پوری طرح قابض ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو تمام اطراف سے بلا کر مکہ شریف میں آباد کیا۔ کعبہ شریف سے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چاروں طرف ان کے مکانات بنوائے۔ کعبہ شریف اور مکانات کے درمیان فاصلے کا نام "المفروش" رکھا۔ جسے اب حرم یا مطاف کہا جاتا ہے۔ مکانات کے دروازے بیت اللہ کی طرف رکھوائے اور ہر دو مکانوں کے بعد راستہ رکھا گیا۔ تاکہ حرم میں آنے کی آسانی ہو۔ جو منصب اور خدمات اہل مکہ کے سپرد تھیں ان سب پر اپنی قوم کے لوگوں کو مامور کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ جو خدمات ان لوگوں کے سپرد کی گئی ہیں وہ دین کا جزو بن گئی ہیں انہیں تبدیل کرنا نامناسب اور ناروا ہے حتیٰ کہ ظہور اسلام تک وہ برابر قائم رہیں لیکن اسلام نے ان تمام امور کو باطل اور نیست و نابود کر دیا۔

قصی پہلا شخص تھا جسے حکومت نصیب ہوئی اور ساری قوم نے اس کی اطاعت کی۔ اور کعبہ شریف کی تمام خدمات مثلاً سقایہ، حجابہ، رفادہ، ندوہ اور لواء وغیرہ اس کے تصرف میں آئیں۔ اس نے مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں اقامت اختیار کی۔

قصی نے حجاج کی خدمت اور وضع داری کے پیش نظر سقایہ کی خدمت میں بہت زیادہ جدت پیدا کی۔ حجاج کے لئے نہایت خوشگوار قسم کا پانی باہر سے درآمد کیا جاتا اور پھر اس

Marfat.com

میں کھجور اور انگور نچوڑ کر اور زیادہ خوش ذائقہ بنایا جاتا۔ مکہ والوں کے لئے وہ بے حد پسندیدہ مشروب تھا۔ اسی طرح رفادہ کا انتظام بھی بہت عمدہ کیا جب تک حاجی مکہ مکرمہ میں رہتے ان کو مقدور بھر نہایت عمدہ اور اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اور یہ طریقہ خلفائے راشدینؓ کے دور تک برابر جاری رہا۔ اس کے بعد بھی جو ملوک و سلاطین سریر آرائے اقتدار رہے انہوں نے اس نیک دستور کو قائم رکھا۔ علامہ تقی الدین فاسی فرماتے ہیں یہ رواج زمانہ جاہلیت میں شروع ہوا اور صدر الاسلام میں بھی قائم رہا۔ لیکن آج ہمارے دور میں یہ طریقہ مفقود ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ ختم کب ہوا تھا۔

جب قصی بوڑھا ہو گیا تو اس نے یہ تمام عہدے اپنے بیٹوں میں منتقل کر دئیے۔ عبدالدار جو اس کا بڑا بیٹا تھا اسے ان تمام عہدوں کا انچارج بنایا۔ بعد میں بنی عبد مناف، ہاشم، عبدالشمس مطلب اور بنی نوفل وغیرہ جمع ہوئے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ حجابہ، سقایہ، رفادہ اور لواء وغیرہ کے ہم زیادہ حقدار ہیں، کیونکہ ہم شرف و مجد میں ان پر فضیلت رکھتے ہیں۔ قریش میں اس بات پر شدید اختلاف پیدا ہو گیا، بعض تو اس حق میں تھے کہ عبد مناف اس کے زیادہ حقدار ہیں اور بعض کا خیال تھا کہ عبدالدار ہی کے پاس یہ عہدے رہیں۔ کیونکہ ہمارے جد اعلیٰ نے انہیں تفویض کئے تھے۔ ان کا باہم اختلاف جنگ پر منتج ہوا۔ اور بالآخر صلح اس بات پر ہوئی کہ سقایہ اور رفادہ بنی عبد مناف کو ملیں اور حجابہ، ندوہ اور لواء بنی عبدالدار ہی کے پاس رہیں۔ مگر اس پر بنو ہاشم نے شور مچایا جس کے باعث رفادہ اور سقایہ ہاشم کو بھی مل گیا۔[1]

قصی کا زمانہ

تاریخ حمزہ اصفہانی میں قاضی وکیع سے مروی ہے کہ ان کا زمانہ ایران کے شاہ فیروز بن یزدگرد کا ہمعصر ہے اور مورخ ابو طاہر مقدسی

[1] اعلام الاعلام بیان قصی بن کلاب صہ ۴۴

Marfat.com

نے ایران کے بادشاہ بہرام گور کا معاصر بیان کیا ہے۔گویا کہ ۴۳۱ء سے ۴۷۳ء تک ان کی معاصرت ہوئی جو اوپر بیان کردہ تاریخوں سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔[1]

معاشی استحکام

تجارت اور سوداگری عربوں کا قدیم اور باعزت پیشہ تھا۔قصی اور ہاشم نے قریش کے کاروانِ تجارت کو منظم کیا۔یمن اہل حبش کے زیر نگیں تھا اور شام پر مدتوں رومی حکمران تھے۔چنانچہ ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ اور قیصرِ روم سے تجارتی معاہدہ کیا۔موسم سرما میں یمن سے تجارت کی جاتی اور گرمیوں میں ملک شام سے۔قریشی بیوپاری ایشیائے کوچک تک بھی جاتے تھے۔اگرچہ عرب میں لوٹ مار اور بدامنی کا عام دور دورہ تھا۔مگر قریش کے کاروانِ تجارت بے خطر آیا جایا کرتے تھے۔چونکہ قریش کا وطن مکہ مکرمہ تھا جہاں کعبۃ اللہ ہے۔اور کعبہ مشرفہ کی عظمت اہلِ عرب کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھی۔اس لئے وہ قریش کو" جیران اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کا پڑوسی سمجھتے۔اور ان کی عزت وتکریم کرتے تھے۔اس بنا پر ان کے قافلوں کو رہزنی کا خدشہ نہیں تھا۔یہ قافلے ذیقعدہ میں واپس لوٹ آتے تھے۔اور غالباً اس مہینہ کا نام ذیقعدہ یعنی بیٹھنے کا مہینہ اسی وجہ سے رکھا گیا۔کہ وہ اس ماہ میں مکہ میں ضرور موجود رہتے تھے۔[2]

قریش کے تجارتی قافلے ہزارہا اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے۔چنانچہ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے:۔

قریش کے قافلے دو تین ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے جن پر سونا، چاندی، چمڑا، گھی

---

[1] ارض القرآن عنوان قریش [2] ارض القرآن صہ ۲۴۲ ۔ ۳

Marfat.com

اور دوسرا سامانِ تجارت ہوتا تھا جن کے ساتھ دو، دو تین، تین سو آدمی ہوتے تھے۔[1]

قصی بن کلاب کے چار بیٹے تھے۔ عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبد۔ جب قصی کا وصال ہوگیا تو انہیں حجوں (معابدہ) میں دفن کیا گیا۔ ان کا جانشین عبدمناف کو بنایا گیا۔ قریش کے تمام امور انہیں تفویض کیے گئے۔ قصی نے قوم کی بہبود کی خاطر جو محلات تعمیر کرنا شروع کیے تھے ان کی تکمیل عبدمناف نے کی۔ بلکہ کئی اور بھی اس نوعیت کے محلات بنائے۔ عبدمناف کے چھ بیٹے تھے۔ مطلب، ہاشم، عبدشمس، نوفل، ابوعمرو اور ابوعبید۔

ہاشم

عمرو نام اور ہاشم لقب تھا۔ عربی میں "ہشم" روٹی کا چورا بنانے کو کہا جاتا ہے۔ اس کا اسم فاعل "ہاشم" ہے۔ یعنی روٹی کا چورا کرنے والا۔ باپ کے وصال کے بعد رفادہ اور سقایہ کا انہیں متولی بنایا گیا۔

اس خطاب کے ملنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سخت قحط کا شکار ہوگیا۔ لوگ بالکل نادار ہوگئے۔ غربت اور بھوک نے ان کا بُرا حال کر دیا۔ انہیں کہیں سے بھی خوراک میسر نہ آتی تھی۔ عمرو کو قریش کی حالتِ زار پر ترس آیا اور اپنی دولت ساتھ لے کر شام کا سفر کیا۔ وہاں سے بہت بڑی تعداد میں روٹیاں خریدیں۔ بوریوں اور تھیلوں میں بھر کر اونٹوں پر لاد کر مکہ مکرمہ آگیا۔ یہاں پہنچ کر تمام لوگوں کی دعوت کی۔ روٹیوں کا چورا بنایا اور وہی اونٹ جن پر روٹیاں لائی گئی تھیں انہیں ذبح کر کے بڑی بڑی دیگوں میں پکایا۔ اور دیگیں بڑی بڑی صحنکوں اور برتنوں میں الٹ دیں اور

---

[1] حیاتِ محمدؐ صفحہ ۴۰

Marfat.com

روٹیوں کا چورا ان میں ڈال کر ثرید بنایا۔ اور مکہ والوں کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ قحط کی جان لیوا مصیبت کے بعد پہلی بار فراوانی اور ارزانی سے انہیں کھانا نصیب ہوا۔ اسی سبب سے ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔[1]

امام طبری لکھتے ہیں کہ ہاشم فلسطین سے بہت سا آٹا خرید کر مکہ لاتے۔ ان کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے جانور ذبح کر کے گوشت تیار کرایا۔ پھر ان روٹیوں کا چورا بنا کر ثرید تیار کیا اور اپنی قوم کی دعوت کی۔[2]

ہاشم بڑے زیرک اور مدبر تھے۔ اپنے فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے۔ انہوں نے منیٰ میں چرمی حوض بنا کر زمزم کی سبیل لگائی۔ اپنی دانائی اور حسن معاملات کی بدولت انہوں نے قریش کی تجارت کو چار چاند لگا دیئے قیصر روم سے مراسلت کر کے یہ فرمان جاری کرایا کہ جب قریش کا مال تجارت اس کے ملک میں آئے تو اس پر ٹیکس نہ لگایا جائے۔ شاہ حبشہ سے بھی اسی قسم کا حکم نامہ حاصل کیا چنانچہ جب قریش کا کاروانِ تجارت انقرہ میں داخل ہوتا تو قیصر بڑی عزت و حرمت سے اس کا خیر مقدم کرتا۔

عرب میں قزاقی اور رہزنی کے باعث راستے محفوظ نہیں تھے۔ مگر ہاشم نے مختلف قبائل کا دورہ کر کے ان سے معاہدہ کر لیا کہ وہ قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔[3]

ہاشم پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کے لئے سال میں دو تجارتی سفر رائج کئے۔ ایک جاڑے میں اور دوسرا گرمی کا اور ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں سورہ قریش میں بیان ہوا ہے۔[4]

حاجیوں کی آسائش اور خورد و نوش کی سہولت بہم پہنچانے کے لئے آپ ہر سال

---

[1] طبقات ابن سعد عنوان ہاشم [2] تاریخ طبری جلد ا عنوان ہاشم [3] طبقات ابن سعد جلد ا عنوان ہاشم [4] طبری جلد اول عنوان

Marfat.com

بہت سا مال وقف کر دیتے ۔ قریش بھی بڑی فراخ دلی سے اس معاملہ میں ان کا تعاون کرتے ۔ ہر ایک آدمی سو، سو مثقال سالانہ پیش کرتا ۔ ہاشم چاہ زمزم کے قریب بڑے بڑے حوض بنا کر انہیں مکہ معظمہ کے کنوؤں کے پانی سے بھر دیتے ۔ مکہ معظمہ، منٰی اور عرفات میں حجاج کو کھانا کھلاتے ۔ ثرید جو عرب کا انتہائی مرغوب کھانا تھا اس سے حجاج کی ضیافت کرتے ۔ گوشت روٹی ۔ گھی روٹی اور چھوارے اور ستو کی ثرید بنایا کرتے تھے ۔ جب تک حجاج مناسک حج سے فارغ نہیں ہو جاتے تھے یہ ضیافت شب و روز جاری رہتی تھی ۔

زندگی کے آخری ایام میں آپ شام کے سفر پر روانہ ہوئے ۔ مگر غزہ کے مقام پر بیمار ہو گئے وہاں ہی وصال ہوا اور اسی جگہ دفن کر دئے گئے ۔

ہاشم کے چار بیٹے تھے ۔ شیبۃ الحمد ۔ صیفی ۔ اسد اور نضلہ[1] ۔

عبدالمطلب

ان کا نام شیبہ اور عبدالمطلب تخلص تھا ۔ سرورِ کونین رحمتِ دارین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد تھے ۔ عرصہ دراز تک بڑی شفقت اور رحمدلی کے ساتھ آپؐ کی پرورش کرتے رہے ۔

ہاشم آخری مرتبہ جب تجارت کے لئے شام جا رہے تھے تو مدینہ طیبہ میں چند دن قیام کیا ۔ بازار میں ایک عورت پر آپ کی نظر پڑی جس کی حرکات و سکنات سے شرافت و فراست ٹپکتی تھی اور حسن و جمال میں بے نظیر تھی ۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کا نام سلمٰی ہے اور

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ا عنوان ہاشم

Marfat.com

بنی نجار کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست پیش کی جو قبول ہو گئی اور نکاح ہو گیا۔

بیوی کو ساتھ لے کر شام کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مگر اتفاق سے غزہ کے مقام پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت سلمیٰ امید سے تھی اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ نومولود نے تقریباً آٹھ برس مدینہ منورہ میں والدہ کے ہاں پرورش پائی۔

ادھر جب ہاشم کے بھائی مطلب کو ان واقعات کا علم ہوا تو انہوں نے مدینہ پہنچ کر بھتیجے کی تلاش شروع کر دی۔ ان کی آمد اور تلاش کی اطلاع جب سلمیٰ کو ہوئی تو اس نے انہیں بلا بھیجا مطلب کو تین دن مہمان رکھا۔ اس کی خدمت و مدارات کی۔ اور چوتھے دن شیبہ کو ان کے ہمراہ مکہ روانہ کر دیا۔ مکہ میں ان کا نام عبد المطلب مشہور ہوا۔ یعنی مطلب کا غلام۔ ارباب سیر نے اس کی وجہ تسمیہ میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔

جب مطلب مکہ میں داخل ہوئے تو یہ نو عمر لڑکا اونٹ پر ان کے پیچھے سوار تھا، قریش نے اسے دیکھ کر کہا۔ یہ "عبد المطلب" ہے یعنی مطلب کا غلام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ خود مطلب نے کہا تھا یہ میرا غلام ہے لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ اس یتیم لڑکے کی پرورش مطلب نے کی تھی اسی نسبت سے عبد المطلب مشہور ہو گئے۔[1]

عبد المطلب بڑے خوبصورت، جسیم و حسیم، دانش ور اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ عرب کے قاضی، قریش کے سردار، بے حد شریف اور حلیم الطبع تھے۔ جو بھی انہیں ایک نظر دیکھ لیتا ان پر فدا ہو جاتا۔ ملتِ ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، رمضان شریف کا پورا مہینہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ا عنوان عبد المطلب، سیرت ابن ہشام عنوان عبد المطلب

Marfat.com

جبلِ حرا پر عبادت میں گذارتے، غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔ بلکہ وحشی جانوروں اور پرندوں کو بھی کھلاتے پلاتے تھے۔ شراب نوشی، محرم عورتوں سے نکاح کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے سخت متنفر تھے۔ اپنی اولاد کو ظلم وستم اور بغاوت سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عبدالمطلب طویل القامت اور نہایت خوبصورت تھے۔ حطیم میں ان کے بیٹھنے کے لئے ایک غلیچہ بچھا رہتا تھا جس پر کوئی دوسرا آدمی نہیں بیٹھتا تھا۔[2]

امام ابن سعدؒ روایت کرتے ہیں:-

عبدالمطلب بے حد شریف اور جود وسخا میں بہت مشہور تھے۔ یہ اس قدر فیاض تھے کہ قوم انہیں "الفیض" کے نام سے یاد کرتی تھی۔ قوم ان کی اطاعت میں فخر محسوس کرتی تھی۔[3]

مطلب کے وصال کے بعد رفادہ اور سقایہ (حاجیوں کو کھانا کھلانا اور پانی پلانا) کی خدمات ان کے سپرد ہوئیں اور تادم مرگ انہیں بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ حجاج کو پانی پلانے کے لئے مکہ شریف میں کئی حوض بنوائے جنہیں کنوؤں کے پانی سے بھر دیتے تھے۔ (کیونکہ اس زمانہ میں زمزم کا کنواں بند تھا جسے بعد میں خواب کے ذریعہ آپ کو صاف کرنے کا حکم ہوا۔ ہم نے اس کی پوری تفصیل اس کتاب کی دوسری جلد میں بیان کی ہے) پھر جب آپ نے زمزم کا کنواں کھود کر صاف کر دیا۔ تو شہر میں حوضوں کے ذریعہ پانی جمع کرنے اور پلانے کا دستور ختم ہو گیا۔ البتہ منیٰ، عرفات کے حوض زمزم سے بھر دیئے جاتے جن سے حجاج کو پانی پلایا جاتا تھا۔[4]

ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ چاہ زمزم کھودنے کا تھا۔ چاہ زمزم جسے مضاض جرہمی نے

---

[1] تاریخ القوم جلد ا صفحہ ۱۶ [2] ایضاً ص ۱۹ [3] طبقات ابن سعد جلد اول عنوان عبدالمطلب [4] ایضاً

Marfat.com

کعبہ شریف کی قیمتی اشیاء ضائع ہونے کے خوف سے کنوئیں میں ڈال کر اسے مٹی سے بھر دیا تھا۔ تقریباً پانچ سو سال گذر جانے کے بعد زمین برابر ہوگئی۔ لیکن انہوں نے اس کا کھوج لگا کر کھودا اور از سرِ نو درست کیا۔

امام ابن سعدؒ۔ ہشام بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے عبدالمطلب نے خضاب کا استعمال کیا ہے۔ وہ ایک مرتبہ یمن کے ایک حمیری سردار کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے تو اس نے مشورہ دیا کہ اگر آپ ان سفید بالوں کا رنگ بدل دیں تو آپ جوان نظر آئیں گے۔ چنانچہ اس نے تجربہ کے طور پر انہیں مہندی کا خضاب کیا اور پھر اس پر وسمہ چڑھا دیا جب آپ وطن لوٹنے لگے تو اس نے کچھ خضاب تحفتہً دے دیا۔ اس طرح مکہ میں بھی اس کا رواج چل نکلا۔[1]

عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں دس بیٹوں کو جوان دیکھ لیں تو ان میں سے ایک لڑکا خدا کی راہ میں قربان کریں گے۔ جب ان کی اس آرزو کو اللہ کریم نے پورا کر دیا۔ تو منت پوری کرنے کے لئے اپنے سب بیٹوں کو ساتھ لے کر کعبہ شریف میں آئے اور قرعہ ڈالا۔ جس میں عبداللہ کا نام نکلا۔ چونکہ عبداللہ باپ کے انتہائی منظورِ نظر اور محبوب تھے، اس لئے ان کا دل پریشان ہوا۔ لیکن رؤسائے قریش نے مشورہ دیا کہ عبداللہ کے بدلے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کریں۔ اس طرح انہوں نے سو اونٹ ذبح کر کے نذر پوری کر دی۔

جب عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو والد گرامی قدر نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب

---

[1] طبقات ابن سعد عنوان عبدالمطلب

Marfat.com

بن عبد مناف کی صاحبزادی آمنہ جو قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں سے شادی کر دی شادی کے کچھ عرصہ بعد آپ تجارت کی غرض سے ملک شام گئے۔ واپسی پر مدینہ طیبہ جب پہنچے تو بیمار ہو گئے۔ بالآخر اسی بیماری میں انتقال ہو گیا۔ اور مدینہ طیبہ ہی میں دفن ہوئے[1]

آپ کی قبر مبارک مدینہ منورہ ہی میں چودہ سو سال سے مرجع خلائق بنی رہی۔ گذشتہ سال جب سعودی حکومت نے مسجد نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے باعث آپ کی قبر اکھاڑی تو میت بالکل تر و تازہ اور صحیح سالم تھی۔ آپ کی قبر کے قریب ہی دو صحابہؓ کی قبریں بھی تھیں ان کی میتیں بھی بالکل محفوظ نکلیں۔ ان میتوں کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ جنوری ۱۹۷۸ء میں پاکستانی اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں سے شائع ہوئی تھی۔

واقعہ اصحابِ فیل

ہوا یوں کہ نجاشی شاہِ حبشہ نے ابو صحم ارباط کو چار ہزار کا لشکر جرار دے کر یمن فتح کرنے کو بھیجا۔ اس نے یمن فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں پر سخت ظلم و تشدد کیا۔۔۔۔ بادشاہوں کو محتاج اور غربا کو بہت ذلیل کر دیا۔ ان مظالم کو دیکھ کر حبشہ کا ایک شخص ابو یکسوم ابرہہ الاشرم نے اہلِ یمن کو اتحاد کی دعوت دی۔ چنانچہ سب نے متحد ہو کر ارباط کو قتل کر دیا اور ابرہہ یمن کا حکمران بن گیا۔ اس کی ناک کٹی ہوئی تھی اس لئے اسے اشرم کہا جاتا تھا۔[2]

اس نے ایک عالیشان محل سرخ و سفید، زرد و سیاہ پتھروں کا بنایا۔ جو سونے چاندی سے مجلی اور جواہرات سے مرصع تھا۔ دروازوں پر سونے کے پترے اور کیل لگائے۔ دیوارں

---

[1] طبقات ابن سعد عنوان عبدالمطلب [2] تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ سورہ فیل

Marfat.com

پر اتنی زیادہ کستوری مل گئی کہ دیواریں سیاہ ہو گئیں۔ اور اس کے اندر ایک بہت بڑا یاقوت نصب کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ آئندہ مکہ میں کعبہ کا حج کرنے کوئی نہیں جا سکتا۔ بلکہ ہمارے کعبہ کا حج کیا جائے گا۔[1]

اس وقت تک عرب قبائل کے دل میں کعبہ شریف کی عزت و تکریم قائم تھی۔ وہ کعبہ کے مقابلہ میں کسی محل کو ترجیح نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ ایک دن رات کے اندھیرے میں ایک آدمی موقع پا کر اس محل میں جا گھسا اور اس میں خوب نجاست مل دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک عرب قبیلہ وہاں ٹھہرا ہوا تھا ان کے آگ جلانے سے محل میں بھی آگ لگ گئی اور وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

جب ابرہہ کو اطلاع ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ عربوں کے کعبہ کو (نعوذ باللہ) تہس نہس نہیں کرتا چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وہ کوہ قامت ہاتھی اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ کو روانہ ہو گیا۔ اس نے یہ مذموم منصوبہ بنایا تھا کہ کعبہ کے ستونوں میں لمبی اور مضبوط زنجیریں باندھ کر ہاتھیوں کے گلے سے باندھی جائیں اور پھر یکبارگی ہاتھیوں کو ہنکا کر کعبہ کو منہدم کر دیا جائے۔

اثنائے راہ میں متعدد عرب قبائل بڑھ چڑھ کر اس کی فوج پر حملہ آور ہوئے مگر ہزیمت اٹھا کر پسپا ہو گئے۔ بالآخر وہ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ گیا۔ اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ مکہ والوں کی بھیڑ بکریاں اور اونٹ وغیرہ جو کچھ نظر آئے اس پر قبضہ کر لو۔ چنانچہ رئیس قریش عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ جب عبدالمطلب کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ابرہہ کے پاس

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ا عنوان ابرہہ الاشرم

Marfat.com

گئے۔ اس نے ان کا وجیہہ چہرہ دیکھا تو تعظیم سے کھڑا ہو گیا اور تخت سے اتر کر نیچے ان کے برابر بیٹھ گیا۔ جب عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ برافروختہ ہو کر کہنے لگا جب آپ کو میں نے آتے دیکھا تو میرے دل میں آپ کی عزت پیدا ہوئی مگر آپ کے انتہائی کمزور سے مطالبہ نے اس کو ختم کر دیا ہے۔ میں تو تمہارے دین کے کعبہ کو نیست و نابود کرنے آیا ہوں اور تمہیں اس کی تو فکر نہیں اور اپنے اونٹوں کی پڑی ہوئی ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹ میرے ہیں اس لئے مجھے ان کی فکر ہے اور جس کا کعبہ ہے وہ خود اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔ کہنے لگا تمہارا خدا کعبہ کو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا۔ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

عبدالمطلب نے واپس آ کر ایک بڑی جماعت کے ساتھ کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر آہ و زاری سے دعا کی کہ پروردگار تو اپنے گھر کی حفاظت کا خود انتظام فرما ہم تو بے بس ہیں۔ اس کے بعد اپنی قوم کو ساتھ لے کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اس خطاکار قوم پر ضرور عذاب خداوندی نازل ہو گا ——— ادھر ابرہہ نے بیت اللہ پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ سب سے بڑا ہاتھی جس کا نام "محمود" تھا آگے چلنے کے لئے تیار کیا تو نفیل بن حبیب جسے راستہ سے گرفتار کر کے لائے تھے اس نے ہاتھی کا کان پکڑ کر کہا تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحت و سلامتی سے واپس لوٹ جا، کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے "بلد امین" (محفوظ شہر) میں ہے۔ یہ سنتے ہی ہاتھی فوراً بیٹھ گیا۔ فیل بانوں نے اسے اٹھانے کی انتہائی کوشش کی، آہنی گرز مارے، ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال کر کھینچا، مگر وہ اپنی جگہ سے سر مو بھی نہیں ہلا۔ جب لوگوں نے اسے یمن کی طرف چلانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔ پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی چلنے لگا۔ مشرق کی طرف چلایا تب بھی چلا، مگر کعبہ شریف کی طرف ذرہ برابر بھی آگے نہیں بڑھا۔ اسی اثنا میں دریا کی طرف سے پرندوں کے غول کے غول آتے دکھائی دئے ہر ایک پرندے کے پاس چنے یا مسور کے برابر تین

Marfat.com

کنکریاں تھیں - ایک ایک کنکری اُن کی چونچ میں اور دو پنجوں میں تھیں۔ پرندے فوراً ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے - اور اس پر کنکریوں کی بارش کر دی۔ جس پر کنکری پڑتی اسے تباہ کر دیتی - انہوں نے لوگوں کے بدن چھلنی کر دئیے۔ آن واحد میں تمام لشکر کھائے ہوتے گھاس بھوس کی طرح ہو گیا

لشکر کے سرغنہ ابرہہ کو اس سے بھی زیادہ عبرتناک سزا دینا مقصود تھا اس لئے وہ وہاں میدان میں نہ مرا بلکہ واپس یمن کو چل دیا۔ مگر اس کے جسم میں کنکریوں سے کچھ ایسا زہر سرایت کر گیا تھا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر بدن سے علیحدہ ہونے لگا۔ اسی حالت میں وہ اپنے دارالحکومت صنعاء میں پہنچا کہ اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر گیا اور وہ واصل جہنم ہوا - اس کے بعد قدرت خداوندی نے ایک ایسی طوفانی بارش نازل کی جس کے ریلے میں یہ تمام منحوس لاشیں بہہ کر سمندر میں غرق ہو گئیں - اور یہ تمام علاقہ صاف ستھرا ہو گیا۔

"محمود" ہاتھی صحیح سالم واپس لوٹ گیا۔ چونکہ اس مہم میں ابرہہ حبشی ہاتھی لے کر آیا تھا اس لئے عرب اس مہم کو "واقعۃ الفیل" اور اس سال کو "عام الفیل" کہتے ہیں۔ یہ واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چالیس دن پہلے وقوع پذیر ہوا تھا۔[۱]

مفسرین نے ابابیل کے رنگ، جسامت اور کنکریوں کی جسامت کے متعلق مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :-

حضرت عطاء، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ پرندوں کا رنگ ابرہہ کے حبشی فوجیوں کی طرح کالا تھا۔ درحقیقت ان کے کفر اور معصیت کے باعث

---

[۱] معارف القرآن جلد ۸ سورہ فیل

Marfat.com

سیاہ رنگ پرندے بھیجے گئے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ سفید پرندے تھے۔ جو کفر و معصیت کی صفت کے برعکس رنگ ہے۔

بعض روایات میں ان کا رنگ سبز بیان کیا گیا ہے اور ان کے سر درندوں کی طرح بتائے جاتے ہیں۔

امام رازیؒ ان مختلف روایات میں تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ پرندوں کے بعض لشکر سفید بعض سیاہ اور بعض سبز رنگ کے تھے۔ جس رنگ کے پرندے جس آدمی نے دیکھے اس نے وہی کیفیت بیان کر دی ہے[1]۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

امام ابو نعیمؒ نے نوفلؓ بن ابی معاویہ دیلمی سے روایت بیان کی ہے۔ وہ کنکریاں مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں۔

لیکن امام ابو نعیم نے دلائل النبوت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں کنکریاں بندق (ریٹھہ) کے برابر بیان کی گئی ہیں۔ اور ابن مردویہ کی روایت میں بکری کی مینگنیوں کے برابر بتایا گیا ہے[2]۔

امام ابن کثیر اور علامہ محمود آلوسیؒ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔

سرزمین عرب میں اسی سال چیچک کا مرض ظاہر ہوا جب کہ اس سے پہلے اس مرض کا کہیں نام و نشان نہیں پایا جاتا تھا۔ اور اسی سال، حرمل، حنظل اور آک بھی عرب میں پیدا ہوئے تھے[3]۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۴۸۲ [2] تفسیر روح المعانی جلد ۵ اصفحہ ۲۷۴ [3] ایضاً صفحہ ۲۷۲۔ تفسیر ابن کثیر سورۃ فیل۔

Marfat.com

باب چہارم

ظہور قدسی سے خالد بن عبدالعزیز تک

انتظامی، سماجی اور
سیاسی اصلاحات

Marfat.com

ظہورِ قدسیؐ

معراج النبویؐ

ہجرت مدینہ

صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک

شق القمر

خلافتِ راشدہ سے مملکت سعودیہ تک

Marfat.com

ظہورِ قدسی

چمنستانِ عالم میں بارہا روح پرور اور فرحت انگیز بہاریں آئیں۔ چرخِ نادرہ کار نے کئی بار بزمِ عالم اس سروسامانی سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ لیکن آج سے چودہ سو برس قبل ایک ایسا دن بھی آیا جس کے انتظار میں پیرِ کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدلتا رہا۔ کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں اور نیرنگیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، مہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیِ موسیٰؑ اور جاں نوازیِ مسیحؑ سب اسی لئے تھے کہ یہ متاعِ گراں مایہ ارزِ شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں خاک روبی کی خدمت انجام دیں۔

Marfat.com

اس رات کسریٰ ایران کا قصر ابیض ایک خوفناک زلزلے کی گرفت میں آگیا اور اس کے فلک بوس محل کے چودہ کنگرے زمیں بوس ہوئے۔ دریائے ساوہ جہاں آتش پرست اپنے نومولود بچوں کو غسل دیا کرتے تھے، خشک ہو گیا۔ آتش کدہ فارس جو صدیوں سے فروزاں تھا ٹھنڈا پڑ گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکت روم، اوج چین کے فلک ہائے بوس پیوند خاک ہو گئے۔ آتش فارس ہی نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدہ کفر، آذر کدۂ گمراہی بھی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں کی شوکت تاخت و تاراج ہو گئی۔ بت کدوں میں خاک اڑنے لگی۔ شیرازۂ مجوسیت تار تار ہو کر بکھر گیا۔ شجر نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں شباب آور بہار آگئی۔ آفتاب ہدایت کی شعاعوں نے چار دانگ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اخلاق انسانی کا آئینہ پر تو قدس سے چمک اٹھا۔ یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہ حرم، حکمران عرب، فرماں روائے عالم، شہنشاہ کونین عالم قدس سے عالم امکان میں قدم رنجہ فرما ہوئے، عزت و اجلال فرمایا۔

یا رب صلِّ وسلّم دائماً ابداً   علی حبیبک خیر الخلق کلھم

اللھم صلّ وسلّم علیٰ خیر الخلق محمدٍ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریتہٖ اجمعین

شمسۂ نہ مسند ہفت اختراں   ختم رسل خاتم پیغمبراں

احمد مرسل کہ خرد خاکِ اوست   ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست

امیّ و گویا بہ زبانِ فصیح   از الف آدم و میم مسیح

رسم ترنج است کہ در روزگار   پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

Marfat.com

وہ صبح سعادت جس میں ظہور قدسی ہوا دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔ تمام ارباب سیر و تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ پیر کا دن اور ماہ مبارک ربیع الاول تھا۔ البتہ تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام طبری، امام ابن خلدون اور امام ابن ہشام وغیرہ نے ۱۲ ربیع الاول بیان کی ہے اور یہی قول جمہور کا ہے جب کہ امام ابن سعد نے طبقات میں ابو جعفر محمد بن علی سے ۱۰ ربیع الاول اور محمد بن عمر سے ۲ ربیع الاول کی روایت بیان کی ہے۔

لیکن عصر حاضر کے محققین مورخین کے نزدیک ۹ ربیع الاول زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑی محنت، کاوش اور تحقیق و تجسس کے بعد ارقام فرماتے ہیں — ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق و قبل از طلوع نیر عالمتاب پیدا ہوئے۔ یوم ولادت باسعادت کو مکہ معظمہ میں صبح صادق کا طلوع دھوپ گھڑی کے گھنٹوں کے حساب سے ۴ بج کر ۲۰ منٹ پر اور مروجہ عرب کے حساب سے ۹ بج کر ۵ منٹ پر ہوا تھا۔ اور آفتاب اس وقت برج حمل سے ۳۱ درجہ ۲۰ دقیقہ پر تھا۔ اور تاریخ یکم جیٹھ کے شروع ہونے کے بعد ۱۳ گھنٹے ۱۶ منٹ گذر چکے تھے۔[1]

علامہ موصوف کی اس سلسلہ میں تحقیق انتہائی عرق ریزی اور زبردست کاوش کا نتیجہ ہے جو بے حد قابل قدر اور لائق صد تحسین ہے۔ تفصیلات کے لئے رحمت للعالمین جلد اول صفحہ ۴۰ اور جلد دوم کا باب ہشتم مطالعہ فرمائیں۔

---

[1] رحمت اللعالمین جلد اول ص ۴۰

Marfat.com

مصر کے مشہور ہیئت دان علامہ محمود پاشا فلکی نے ریاضی کے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے کہ ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ ان کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو آفتاب کو گہن لگا تھا اور اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔

(۲) ریاضی کے قاعدہ سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ ہجری کا یہ سورج گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بجکر ۳۰ منٹ پر لگا تھا۔

(۳) اس حساب سے اگر قمری ۶۳ برس پیچھے حساب کیا جائے تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء بنتا ہے جس میں از روئے قواعد ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی

(۴) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو ہوتا ہے اور ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔[1]

ولادت باسعادت کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے چند دن دودھ پلایا۔ بعد ازاں ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ نے یہ سعادت حاصل کی۔[2]

اس زمانہ میں عرب کے رؤسا اور شرفاء شیرخوار بچوں کو دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ بدوؤں میں پرورش پاکر فصاحت و بلاغت کا جوہر پیدا کریں اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہیں۔ اس دستور کے مطابق سال میں دو مرتبہ دیہاتی عورتیں شہر میں آکر شرفاء کے بچے لے جاتی تھیں۔

---

[1] نتائج الافہام (مصطفیٰ) [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۶۴، سورۃ الطلاق

Marfat.com

حسبِ دستور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند دن بعد قبیلہ ہوازن کی دس عورتیں مکہ میں آئیں جن میں سیدہ حلیمہ سعدیہ زوجہ حارث بھی تھیں۔ لیکن ان کی غربت کا یہ عالم تھا کہ ایک نہایت لاغر اور ضعیف اونٹنی سفر کے لئے دستیاب ہوئی جو قافلہ سے بہت پیچھے رہ گئی تھی جب کہ دوسری عورتیں ان سے پہلے شہر میں پہنچ گئیں۔ اور امراء کے تمام بچے حاصل کر لئے صرف ایک دُرِّ یتیم باقی رہ گیا تھا۔

جب حلیمہؓ سعدیہ شہر میں پہنچیں تو کہیں سے کوئی بچہ ہاتھ نہ آیا۔ لیکن خالی ہاتھ واپس لوٹنے میں ہم سفر عورتوں کے طعن و تشنیع کا خدشہ بھی لاحق تھا۔ اس لئے خاوند کے مشورہ سے اسی درِ یتیم کو حاصل کر لیا۔ درحقیقت حلیمہؓ کے مقدر جاگ اٹھے تھے اور اسے دو جہاں کی شاہی ہاتھ آ گئی تھی۔ سیدہ حلیمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لے کر دائیں چھاتی سے دودھ پلایا تو آپ نے خوب شکم سیر ہو کر نوش فرمایا لیکن جب دوسری جانب سے پلانا چاہا تو نبی اُمیؐ کی عصمت نے دوسرے کی حق تلفی سے گریز کیا۔ کیونکہ سیدہ حلیمہؓ کا اپنا شیر خوار بچہ بھی تھا۔ اگرچہ غربت اور افلاس کی وجہ سے دودھ اس قدر تھوڑا تھا کہ بچہ بھوک کی شدت سے بلبلاتا اور روتا رہتا تھا۔ مگر رحمتِ دارین کی تشریف آوری سے دودھ میں اتنی فراوانی ہوئی کہ دونوں بچے شکم سیر ہو جاتے تھے۔

قدرت نے اس لاغر اور نحیف اونٹنی کو ایسا طاقتور بنا دیا کہ اس کی برق رفتاری نے کوسوں دور پہنچے ہوئے قافلہ کو پچھاڑ دیا۔ یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر قافلہ والوں نے سیدہ حلیمہؓ سے پوچھا کہ کیا تم نے سواری بدل لی ہے۔ تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ سواری تو وہی ہے البتہ سوار بدل گیا ہے۔

سیدہ حلیمہؓ کی تمام بکریاں خشک تھیں مگر رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے بکریاں دودھ دینے لگیں۔ اور کھجور کا خشک تنہ ہرا بھرا ہو گیا اور تر و تازہ کھجوریں لگ گئیں۔

Marfat.com

سیدہ حلیمہؓ دو برس دودھ پلانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں چونکہ ان دنوں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی اس لئے مناسب یہی سمجھا کہ مزید کچھ عرصہ حلیمہؓ ہی کی تربیت میں رہیں۔ بہر حال سیدہ حلیمہؓ واپس لے آئیں۔

جب آپ کی عمر مبارک چار برس کی ہو گئی تو آپ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ باہر نکل جاتے تھے۔ ایک دن آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بچوں سے کھیل رہے تھے کہ دو فرشتوں نے آ کر آپ کا سینہ مبارک چیرا اور قلب اطہر کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر دھویا۔ یہ ماجرا دیکھ کر آپ کا رضاعی بھائی چیختا چلاتا ہوا گھر آیا۔ والدین سے کہا میرے قریشی بھائی کو کسی نے قتل کر دیا ہے اس کی خبر لو جب سیدہ حلیمہ نے دیکھا تو آپ کا رنگ فق تھا۔ اور سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ دریافت کرنے پر آپ نے پوری سرگذشت کہہ سنائی۔[1]

سفر مدینہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ برس کی تھی تو والدہ ماجدہ انہیں ساتھ لے کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئیں۔ اس سفر میں ام ایمن باندی بھی ساتھ تھیں۔ اگرچہ بظاہر ننھیال کے ملنے کا بہانہ تھا۔ لیکن درحقیقت بے وطن متوفی شوہر کی قبر دیکھنے کا اشتیاق دل میں موجزن تھا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر دار النابغہ میں ایک ماہ قیام فرمایا۔

اس واقعہ کے تقریباً ۴۷ سال بعد جب سرور کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو بچپن کی سب باتیں یاد تھیں اور آپؐ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہاں ایک لڑکی انیسہ تھی جو ہمارے ساتھ کھیلتی تھی۔ اس قلعہ پر ایک پرندہ بیٹھتا اور بچے اسے اڑایا کرتے تھے۔ اس گھر میں میری والدہ بیٹھتی تھیں اور اس گھر میں میرے والد گرامی قدر

---

[1] جمع الفوائد جلد ۲ ص ۲۲

Marfat.com

کی قبر فلاں جگہ بنی ہوئی تھی۔ اور میں نے بنو عدی بن نجار کی باؤلی میں تیرنا سیکھا تھا۔

سیدہ آمنہ نے ایک ماہ قیام کے بعد مکہ مکرمہ کو مراجعت فرمائی لیکن ابوا کے مقام پر پہنچ کر بیمار ہو گئیں اور اسی جگہ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی حقیقت میں پیارے شوہر کی مفارقت کا وہ غم و اندوہ جو قبر دیکھنے سے تازہ ہو گیا تھا قلب پر چھا کر اپنا کام کر گیا۔ اور یہ پیکر مہر و وفا زندگی کے بندھنوں سے آزاد ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں[1]۔

ابوا اور مستورہ

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُمّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اور تدفین کہاں ہوئی ہے؟ مورخین کے اس میں دو اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ کا وصال اور تدفین ابوا میں ہوئی صحیح اور راجح قول یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلا میں تدفین ہوئی ہے۔

ہم اس کی تفصیلات علامہ طاہر کُردی کی تحقیقات کے مطابق ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

پہلی روایت کے مطابق آپ مدینہ طیبہ سے اپنے فرزند دلبند اور اُم ایمن کی معیت میں جب ابوا کے مقام پر پہنچیں تو ایک دو روز کی مختصر سی علالت کے بعد عالم بقا کو رحلت فرما گئیں اور وہیں پہاڑ کی چوٹی پر جہاں زمین نرم تھی آپ کو دفن کر دیا گیا۔ البتہ تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ آپ کا وصال ابوا میں ہوا اور وہیں دفن بھی کیا گیا تھا۔ مگر احتمال یہ ہے کہ بعد میں قبر کھول کر میت مکہ مکرمہ کے قبرستان میں منتقل کر دی گئی۔ لیکن میت کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا نقلاً و

---

[1] مسلم شریف جلد ۱ ص ۳۱۴

Marfat.com

عقلاً بعید از قیاس ہے، کیونکہ اس زمانہ میں ابوا سے مکہ معظمہ تک پانچ دن کا سفر تھا اور سواری اونٹ، خچر اور گدھے کے علاوہ کوئی دوسری نہیں ہوتی تھی۔ بنابریں کسی میت کا اونٹ وغیرہ پہ پانچ دن کی مسافت پرلے جانے سے اس کا جسم پھولنے پھٹنے اور متعفن ہوجانے کا قوی امکان تھا۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا طریقہ بھی رائج نہیں تھا۔

نیز حدیث شریف سے بھی ابوا میں قبر کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام غزوہ خدیبیہ کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے جب ابوا سے گذرنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے والدہ ماجدہ کی قبر پر حاضری کی اجازت چاہی، چنانچہ آپ کو اجازت مرحمت ہوئی اور زیارت سے شرف بار ہوئے۔

ابوا مکہ شریف اور مدینہ طیبہ کے تقریباً نصف میں واقع ہے۔ جو کہ وادی "وُدّان" کا ایک گاؤں ہے۔ ودان اور ابوا میں تقریباً ۶ یا ۸ میل کا فاصلہ ہے۔ ان کے اتصال اور قربت ہی کی وجہ سے یہاں واقع ہونے والے غزوہ کا نام غزوۃ الابوا یا غزوۃ الودان مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ مستورہ بھی وادی ودان ہی کے ایریا میں ہو۔ کیونکہ یہ ابوا اور مستورہ کے درمیان واقع ہے۔ مستورا اور ابوا کے درمیان ۲۹ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

مورخ موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں ابوا کی زیارت کا عرصہ دراز سے اشتیاق تھا۔ تاکہ مکہ مکرمہ کی تاریخ میں چشم دید واقعات لکھ سکیں۔

چنانچہ ہم الشیخ عبداللہ بن عابد الانصاری کی معیت میں پیر کے دن ۸ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ مکہ مکرمہ سے براستہ جدہ مستورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جدہ سے مستورہ ۱۹۶ کلومیٹر دور ہے۔ عشاء کے وقت مستورہ پہنچے وہاں شیخ مذکور کا بیٹا جیپ لئے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ رات مستورہ میں بسر کی اور صبح مستورہ کے امیر الشیخ مبارک بن سلیمان سے بھی ملاقات ہوئی۔ جو بے حد کریم النفس، زیرک اور دانشمند انسان تھے۔ امیر مذکور کی دعوت پر ہمیں منگل کا دن بھی مستورہ

Marfat.com

میں گذارنا پڑا۔ مستورہ کی آبادی تین ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ ان لوگوں کا زیادہ تر کاروبار مچھلی کا شکار ہے۔ اور سرما میں اگر بارش ہو جائے تو زراعت بھی کرتے ہیں۔ سمندر بالکل قریب ہے۔ یہاں کے باشندے صدق وصفا، امانت، دیانت اور دین میں مضبوط ہیں۔ فسق وفجور اور منشی اشیاء کے استعمال سے نفور ہیں۔ اور ان کا باہم کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو قریہ کے معزز اور عقلمند حضرات ان کے درمیان صلح کرا دیتے ہیں۔

زمین ہموار اور مٹی زرخیز ہے اگر بارش ہو جائے تو یہاں گندم، خربوزہ اور ککڑی وغیرہ کاشت ہوتی ہیں۔ اور جہاں زمین مرتفع ہے وہاں آلو کے برابر پتھر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ کنوئیں بھی کافی تعداد میں ہیں مگر ان کا پانی نمکین ہے۔ اور پینے کا پانی رابغ سے موٹر گاڑیوں کے ذریعہ لایا جاتا ہے۔

ابواء، وُدّان اور مستورہ ایک ہی رقبہ ہے جو ضمرہ، غفار اور کنانہ قبائل کا مسکن ہے، لیکن ابواء اہمیت اور عظمت کے اعتبار سے دونوں سے ممتاز ہے۔ مستورہ موجودہ سڑک کے کنارے واقع ہے، قہوہ اور کھانے کے لیے قافلے یہاں رکتے ہیں۔

جمعرات کو ہم طلوع آفتاب کے بعد مستورہ سے ابوا کے لئے شیخ عبیداللہ ابن عابد الانصاری امیر مستورہ کی جیپ میں روانہ ہوتے۔ مستورہ کے مشرق میں ۲۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ابواء واقع ہے آج کل اسے "خریبة" بھی کہا جاتا ہے، راستہ ناہموار اور پتھر کثرت سے پائے جاتے تھے۔

ہم وادی میں ایک ایسے پرانے کنوئیں کے قریب سے گذرے جو بڑی بڑی چٹانوں سے اَٹا پڑا تھا جسے امیر مستورہ نے صاف کرایا تھا۔ اس کا پانی میٹھا تھا نیچے اترنے کے لئے ایک عالیشان منقش سیڑھی بنی ہوئی تھی۔ قدیم زمانہ میں قافلے اسی وادی سے گذر کر بدر اور مدینہ منورہ جایا کرتے تھے۔ رابغ سے مدینہ منورہ جانے کے لئے پہلے دور میں دو راستے تھے، ایک راستہ

Marfat.com

یودی سے مستورہ، دوسرا یودی سے ہرشی بروزن سکری، پھر ہرشی سے دو راستے جاتے تھے، ایک راستہ بیر مبیر یک اور التعاحا کی طرف سے دوسرا راستہ ابوار اور المصفرہ کی جانب سے، المصفرہ، ابوار کے مغربی جانب اس پہاڑ کے قریب واقع ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک بنی ہوئی ہے۔ ابوا میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹی سی پہاڑی پر سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر ہے جو دور ہی سے نظر آجاتی ہے۔ کیونکہ اس کے چاروں طرف ایک میٹر کے قریب پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ پہاڑ کے اوپر اور نیچے اس کے قرب وجوار میں کوئی دوسری قبر نہیں۔

علامہ موصوف کہتے ہیں میں نے ابوا کے باشندوں سے دریافت کیا کہ پہاڑی پر قبر بنانے کی وجہ کیا تھی۔ تو انہوں نے بتایا کہ یہاں زمانہ قدیم سے اب تک کوئی آبادی نہیں، جہاں قافلے ٹھہر سکیں۔ اسی وجہ سے اس قبر کے قرب وجوار میں دوسری کوئی قبر بھی نہیں ہے۔ اور اگر ہموار زمین میں قبر بنائی جاتی تو جنگلی درندوں اور سیلاب کا خطرہ درپیش تھا اور پھر جس جگہ قبر موجود ہے یہ پہاڑ کی دوسری جگہوں کی نسبت کھودنے میں سہل تھی۔

ابوار کی آبادی پانچ ہزار نفوس پر مشتمل ہے لوگوں کی گذر اوقات کھیتی باڑی اور مال مویشی پالنے پر ہے۔ یہ لوگ بھی مستورہ کے لوگوں کی طرح نیک خصال۔ صداقت وامانت میں اچھے اور فسق وفجور سے متنفر ہیں۔ ان کے تنازعات اور جھگڑے عقلاء اور صلحا ہی نمٹاتے ہیں۔

ابوار میں ایک پرائمری سکول بھی تھا جس کے انچارج استاد احمد عبید اللہ الانصاری مکہ یونیورسٹی کے فاضل تھے۔ مدرسہ کی عمارت کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی جو تجدید کی خواستگار تھی۔

ابوار کا علاقہ ۱۲ کلو میٹر لمبا اور ۳ کلو میٹر چوڑا ہے۔ یہ بعض جگہوں سے کشادہ اور بعض سے تنگ ہے۔ شمال کی جانب سے اسے پہاڑ نے گھیر رکھا ہے اور جنوب کی سمت سے سیاہ ٹیلے

Marfat.com

اس کا گھیراؤ کئے ہوئے ہیں جن کی لمبائی تقریباً پانچ سو میٹر ہے۔ اس کے اوپر ایک بہت بڑا حوض بنا ہوا ہے جس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ زراعت اور باغبانی کے لئے اگر بارشیں کافی نہ ہوں تو پھر ٹیوب ویل کے ذریعہ آب پاشی کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ۵۰ ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں۔ یہاں کھجور، باجرہ، جوار، ٹماٹر، بینگن، گھیا کدو، میٹھا کدو، تربوز اور خربوزہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ گائے، بکریاں اور مرغیاں بکثرت ہیں۔ لوگ باز کے ذریعہ پرندوں کا شکار کرتے ہیں اس کے علاوہ خرگوش اور ہرن کا شکار بھی کرتے ہیں [۱]۔

جنگ فُجّار

عرب میں آغاز اسلام تک جنگ وجدال کا سلسلہ متواتر جاری تھا لیکن فجّار سب سے زیادہ خطرناک اور مشہور تھی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حیرا کے فرمانروا نے عکاظ کے بازار میں اپنا مال تجارت عروہ بن عتبہ کو دے کر بھیجا جسے بنو کنانہ کے ایک آدمی نے قتل کر دیا۔ اور خود بھاگ کر خیبر چلا گیا۔

جب یہ خبر قبیلہ قیس کو ملی تو انہوں نے اپنے تمام سرداروں کو جمع کیا اور قریش سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ ادھر قریش نے بنی کنانہ کا ساتھ دینا ضروری سمجھا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ قریش کے رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ جو ابو سفیان کا باپ اور سیدنا معاویہ کا دادا تھا۔ چونکہ قریش اس جنگ میں حق بجانب تھے۔ خاندان کی عزّت و ناموس اور ننگ و عار کا معاملہ تھا اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ میں شرکت فرمائی۔ اُس وقت آپ کی عمر مبارک

---

[۱] تاریخ القدیم جلد ۱ صفحہ ۸۲ تا ۸۴

Marfat.com

بیس برس تھی۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے میں اپنے چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوا۔

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اور امام سہیلی نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ آپؐ نے خود جنگ نہیں کی۔

"آپؐ نے اس لڑائی میں جنگ نہیں کی حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام میں پیش آئی تھی۔ علاوہ ازیں فریقین کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم تو صرف اس لئے خدا نے دیا ہے تاکہ حق کا بول بالا ہو۔

جنگ میں پہلے قیس کا پلہ بھاری رہا اور پھر قریش کو غلبہ حاصل ہوا۔ بالآخر صلح پر جنگ ختم ہوئی۔

چونکہ یہ لڑائی ماہ شوال میں ہوئی جو حرمت والا مہینہ تھا اس سبب سے اس کا نام جنگ فجار مشہور ہوا۔[1]

حلف الفضول

لڑائیوں کے پیہم سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دئے تھے۔ اور قتل و سفاکی موروثی اخلاق بن گئے تھے جس کے باعث بعض سلیم الطبع اور سعید جذبات میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ جنگ فجار سے واپسی پر زبیر بن عبدالمطلب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، کی تجویز پر خاندان ہاشم۔ زہرہ اور تیم وغیرہ عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی پوری طرح حمایت کرے گا تاکہ کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدہ میں شریک تھے آپ فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام عنوان جنگ فجار، روض الانف جلد ا صہ ۱۲۰

Marfat.com

اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اسے ہرگز نہ تبدیل کرتا۔ اور آج بھی کوئی مجھے اس طرح کے معاہدے کی دعوت دے تو میں حاضر ہوں[1]۔

شغلِ تجارت

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سنِ رشد کو پہنچے تو فکرِ معاش اور کسبِ حلال کی طرف توجہ ہوئی۔ آپ کی نظر میں تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نہیں تھا۔

قبل ازیں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے۔ جس کے سبب ہر قسم کا تجربہ حاصل تھا چنانچہ آپ کے حسنِ معاملہ کی شہرت بہت جلد پھیل گئی۔ تاجر کے محاسنِ اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور امانت و دیانت کی ہوتی ہے۔ منصبِ نبوت سے پہلے مکہ کا **تاجرِ امین**ؐ اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ ان اخلاقِ کریمانہ کا تذکرہ جب سیدہ خدیجہؓ نے سنا، تو اپنا مالِ تجارت انہیں دے کر بھیجا۔ خدیجہ خاندانِ قریش کی معزز خاتون، شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق کی مالک تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ انہیں **طاہرہ** کے نام سے پکارتے تھے یہ اس قدر دولت مند تھیں کہ مکہ کے تمام تاجروں کا مال ان کے مال جتنا ہوتا تھا۔

بہرحال خدیجہ نے مالِ تجارت آپ کے سپرد کرتے وقت کہا تھا کہ جتنا معاوضہ میں دوسروں کو دیا کرتی ہوں آپ کو اس سے دوچند دوں گی۔ آپ مال لے کر ملک شام روانہ ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مال میں بہت زیادہ نفع مرحمت فرمایا۔ واپسی پر خدیجہؓ کو یہ خوشخبری پہنچی تو وہ دل و جان سے آپ پر فدا ہوگئیں۔ اور تقریباً تین ماہ بعد آپ سے شادی کی استدعا کی جسے آپ نے قبول فرمالیا۔ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی جب کہ سیدہ خدیجہؓ دو خاوندوں سے بیوہ چالیس سال کی بوڑھی تھیں[2]۔

---

[1] روض الانف جلد اس ۹ [2] طبقات ابن سعد عنوان عقد خدیجہ۔

Marfat.com

غارِ حرا میں عبادت

زمانۂ نبوت جتنا قریب آرہا تھا دنیوی علائق سے کنارہ کشی اور تفکر میں دل جمعی کا غلبہ بڑھتا گیا۔ آپؐ مکہ معظمہ سے تین میل شمال میں غارِ حرا میں مہینوں قیام فرماتے۔ وہاں عبادت و ریاضت اور مراقبہ میں مصروف رہتے۔ گھر سے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے جب وہ ختم ہو جاتا تو مزید لے جاتے۔ کبھی کبھار حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی پہنچا دیتی تھیں۔

یہ نبوت کا دیباچہ تھا کہ خواب کے ذریعہ آپ پر مخفی اسرار منکشف ہونے لگے۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بعینہٖ وہ پیش آتا تھا۔ حسبِ معمول آپ غارِ حرا میں مشغولِ عبادت تھے کہ جبرئیل امین تشریف لائے اور خلعتِ نبوت آپ کے زیب تن کی۔ اور وحی نبوت کا آغاز اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ سے ہوا۔

آپ گھر تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز اور ثقلِ وحی سے کانپ رہے تھے۔ اپنی رفیقۂ حیات خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنایا۔ وہ آپؐ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو تورات اور انجیل کے ماہر تھے۔ انہوں نے ساری سرگذشت سُن کر فرمایا یہ وہی ناموس ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔

ورقہ نے بڑے حسرت انگیز لہجہ میں کہا۔ کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب قریش تمہیں مکہ سے نکالتے تو میں آپ کی پوری پوری مدد کرتا۔ لیکن یہ بات نبی علیہ السلام کے لئے بے حد حیران کن تھی کہ میرا معاملہ قوم کے ساتھ سچائی اور صفائی کا ہے اور قوم بھی مجھے امین اور صدیق یقین کرتی ہے۔ تو پھر وہ مجھے کیوں نکالے گی۔ ورقہ نے کہا کہ آپ جس توحید خداوندی کے علمبردار بنائے گئے ہیں یہ چیز جسے بھی ملی تو قوم اس کی جانی دشمن بن گئی[1]

[1] بخاری شریف جلد اکتاب بدء الوحی مد ۲، ۳

Marfat.com

تبلیغ کی ابتداء

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضہ نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت روح فرسا اور جان لیوا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے آپ نے انتہائی دانشمندانہ تدابیر اور تدریج سے کام آگے بڑھایا۔ امانت توحید کے پرخطر راز کو پیش کرنے کے لئے صرف ان لوگوں کو منتخب کیا جو آپ کی چالیس سالہ اخلاق و عادات، حرکات و سکنات کا تجربہ کر چکے تھے اور فیض یاب صحبت بھی رہ چکے تھے۔ وہ لوگ آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ حسب ذیل خوش نصیب حضرات کے نام سر فہرست آتے ہیں:۔

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ کی حرم محترم تھیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

جب حلقۂ احباب وسیع ہونے لگا تو دار ارقم کو تبلیغ کا مرکز بنایا گیا۔ بس یہی وہ مقدس مکان تھا جہاں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم شمع رسالت کے پروانوں کو نماز با جماعت پڑھایا کرتے تھے۔ اسی میں معلم اعظم تبلیغ و تدریس کی خدمت انجام دیتے اور اسی مکان میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے اور پھر اس کے بعد تبلیغ کا مرکز کعبہ شریف بن گیا تھا۔

وفا کیش جاں نثاروں کا حلقہ جس قدر بڑھتا جا رہا تھا مصائب و آلام اور قریش کی آتش عناد کے شعلے بھی فزوں تر ہوتے جا رہے تھے۔ چار و ناچار حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی ــــ نبوت کے دسویں سال آپؐ کے قلب اطہر پر دو گہرے زخم ابوطالب اور خدیجہ طاہرہؓ کے وصال سے آئے آپ کی انتھک کوشش کے باوجود چچا ایمان کی دولت سے محروم رہا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں تیرے لئے

Marfat.com

اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی۔[۱]

نبی اور مومنین کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

وصالِ سیّدہ خدیجہ طاہرہؓ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثار و غمگسار رفیقۂ حیات ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نبوت کے دسویں سال داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر خلد بریں میں جلوہ نشیں ہوگئیں۔ مکی زندگی کے پُر آشوب دور میں طاہرہؓ جیسی وفا شعار بیوی کی جدائی نے آپؐ کے قلبِ اطہر پر گہرا اثر کیا۔ لیکن رضا بالقضا شیوۂ انبیاء ہے۔ آپ نے صبر و ثبات سے کام لیا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طاہرہؓ کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

سارے جہاں کی ممتاز اور برگزیدہ چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران۔ خدیجہ بنت خُویلد۔ آسیہ زوجہ فرعون اور فاطمہ بنت محمدؐ۔[۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں خدیجہ طاہرہؓ آپؐ کی خدمت میں کچھ کھانے پینے کی چیز لے کر حاضر ہو رہی ہیں جب وہ آئیں تو انہیں اللہ رب العالمین کا سلام اور میرا سلام بھی پیش فرما دیں اور انہیں جنت کے ایک ایسے ذی شان محل کی بشارت دیں"

---

[۱] بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ کتاب الجنائز، جلد ۲ صفحہ ۶۷۴ سورہ توبہ پ ۱۱ [۲] ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ فضل خدیجہ۔ بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۵۳۸

Marfat.com

جو خالص مروارید کا بنا ہوا ہے جس میں قطعاً رنج و الم نہیں ہوگا۔"[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خدیجہ طاہرہؓ کی تعریف میں ارشاد فرمایا:۔

★ " طاہرہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب ساری دنیا کفر پر اڑی ہوئی تھی۔

★ اس نے میری اس وقت تصدیق کی جب کہ دنیا جہاں کے لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے۔

★ اس نے اپنے مال میں ایسے وقت مجھے شریک کیا جس وقت لوگوں نے کسب مال سے مجھے منع کیا۔

★ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی کے بطن سے صاحب اولاد بنایا جب کہ کسی دوسری بیوی سے اولاد نہیں ہوئی۔[2]

آپ کے بطنِ اطہر سے سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن، قاسم اور طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور ابراہیم سیدہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی جب ان کا وصال ہوگیا تو اس کے تین سال بعد میرے ساتھ نکاح کیا۔[3]

امام ابن کثیرؒ بخاری اور مسند احمد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سیدہ عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ برس اور رخصتی کے وقت نو برس تھی۔[4]

---

[1] بخاری شریف جلد ا صفحہ ۵۳۹، مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۸۴ [2] سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۱۱، فضل خدیجہ [3] ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ عنوان فضائل خدیجہ [4] بخاری شریف جلد ا صفحہ ۵۴۳ کتاب المناقب باب تزویج خدیجہ

Marfat.com

معراج النبویؐ

یہ واقعہ اسراء اور معراج کے نام سے مشہور ہے۔ اسراء کے معنی رات میں لے جانے کے ہیں۔ یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور پھر وہاں سے ملاءِ اعلیٰ تک بجسد عنصری رات ہی کو ہوا تھا۔ اس لئے اس سبب سے قرآن مجید نے اسے اسراء سے تعبیر کیا ہے۔

"معراج" "عرج" سے مشتق ہے جس کے معنے چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں نیز معراج زینہ کو بھی کہا جاتا ہے چونکہ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شب میں ملاءِ اعلیٰ کی منازل ارتقا طے فرماتے ہوئے سبع سماوات، سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے بھی بلند ہو کر قدرت خداوندی کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ بعد ازیں آپؐ نے اس رفیع الشان اور جلیل القدر سفر کی تفصیلات بیان فرماتے ہوئے "عُرِجَ بِیْ" مجھے اوپر چڑھایا گیا، کا لفظ استعمال فرمایا اسی لئے اس عدیم النظیر اور فقید المثال واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے۔

مکی زندگی کا روح فرسا و جاں گداز باب قریب الاختتام اور ہجرت کے بعد رافت و راحت اور طمانیت کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا۔ کہ اس مبارک شب کی وہ ساعت ہمایوں آئی۔ جو دیوانِ قضا میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہفت افلاک کی سیر کے لئے مقرر تھی۔ جس میں پیش گاہ ربانی سے خاص احکامات کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا۔

رضوانِ جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو زرق و برق سامان سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے کہ شاید سارا عالم یہاں مہمان آنے کو ہے۔ روح الامین کو ارشاد ہوا کہ وہ سواری جو بجلی سے تیز گام و نور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لئے ریزرو ہے

Marfat.com

حرم ابراہیمی (کعبہ) میں لے کر فوراً حاضر ہوں۔ کارکنانِ عناصر کو مملکت آب و خاک کے نافذ شدہ احکام و قوانین کچھ دیر کے لئے معطل کر دینے کے حکم صادر ہوا۔ اور زمان و مکان، سفر و اوقات، رویت و سماعت اور تخاطب و کلام کی طبعی پابندیاں اٹھالی گئیں۔

ہجرت سے کچھ عرصہ قبل ایک شب سرورِ کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں آرام فرما رہے تھے۔ بیداری اور نیند کی درمیانی حالت میں دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ تشریف لائے اور آپؐ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے جہاں سینۂ نور گنجینہ چاک کر کے قلب اطہر نکالا اور اسے زمزم سے دھویا۔ پھر ایمان و حکمت سے معمور سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ جبرئیل نے وہ ایمان و حکمت کا خزانہ آپؐ کے سینہ مبارک میں رکھ کر اسے برابر کر دیا۔[1]

اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا ایک جانور جسے براق کہا جاتا ہے لایا گیا۔ جب آپؐ اس پر سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی۔ جبرئیل نے کہا شوخی نہ کر۔ آج تک تیری پشت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ برگزیدہ کوئی آدمی سوار نہیں ہوا۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔[2]

براق کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اس کا ہر قدم نگاہ کی آخری حد تک پڑتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے اور براق اس حلقہ میں باندھا جہاں انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ پھر مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ صفحہ ۵۰ - باب المعراج جلد ۱ صفحہ ۵۴۸ - مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۹۱ باب الاسراء۔ [2] ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ سورۃ بنی اسرائیل۔

Marfat.com

ہو کر جب باہر نکلے تو جبریلؑ نے شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کئے۔ آپؐ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا جبریلؑ کہنے لگے، آپ نے فطرت کو پسند کیا ہے۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپ جبریلؑ کی معیت میں آسمانوں پر تشریف لے گئے پہلے آسمان میں حضرت آدمؑ دوسرے میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تیسرے میں حضرت یوسفؑ چوتھے میں حضرت ادریسؑ پانچویں میں حضرت ہارونؑ چھٹے میں حضرت موسیٰؑ اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد جواہرات کے اور زمین کستوری کی تھی[1]

آپؐ اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ کچھ اور آگے بڑھے تو سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى (انتہائی بیری کا درخت) تک پہنچ گئے جس پر انوار تجلیات کا نظارہ کیا، پھر شاید مستور ازلی نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت اور نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى

اسی موقعہ پر آپؐ کو ایک رفیع الشان تحفہ مرحمت ہوا۔ کہ آپؐ پر اور آپؐ کی امت پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ جب آپ کا گذر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کون سا تحفہ عطا کیا گیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ میں اپنی قوم کو آزما چکا ہوں

---

[1] بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ ... باب معراج جلد ... ۴۲ و مسلم شریف جلد اصد ۹۱ باب اسراء

Marfat.com

آپ کی امت بھی یہ بار نہیں اٹھا سکے گی۔ بہرحال متعدد بار اس میں تخفیف کی سند عا کرنے کے بعد پانچ نمازیں باقی رہ گئیں[1]۔

تکذیب صبح کے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ شریف میں رؤسائے قریش کے سامنے اس واقعہ کو بیان فرمایا جسے سن کر وہ سخت حیران ہوئے۔ ان میں سے کسی نے بھی آپ کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دئے۔ قریش میں اکثر شام کے تاجر تھے جنہوں نے بیت المقدس کو بارہا بار دیکھا تھا، وہ کہنے لگے کہ اگر آپ کا قول صحیح ہے تو بیت المقدس کی ہیئت بتائیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ آپ بیت المقدس کا نقشہ دیکھنے کی غرض سے تو گئے ہی نہیں تھے۔ لیکن اللہ کریم نے فی الفور مادی پردے ہٹا کر پوری عمارت آپؐ کے سامنے جلوہ گر کر دی۔ کفار سوال کرتے جاتے تھے اور آپؐ دیکھ کر جواب دے رہے تھے[2]۔

ان دنوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر پر گئے ہوئے تھے، جب واپس تشریف لائے تو یہ واقعہ سن کر بلا تامل اس کی تصدیق فرمائی۔ کیونکہ آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ آمنہ کے لال کی معیت میں گذارا تھا۔ ابوبکر کو عین الیقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے غلط بات صادر ہو ہی نہیں سکتی۔

---

[1] بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ صفحہ ۵، باب معراج جلد ا صفحہ ۵۴۸، مسلم شریف جلد ا صفحہ ۹۱ باب اسراء۔
[2] بخاری شریف جلد ا صفحہ ۵۴۸

Marfat.com

ہجرت مدینہ

اسلام کا آفتاب عالمتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوئے اب تیرہ برس گذر چکے تھے، اس کی روپہلی کرنیں مدینہ کو منور کر رہی تھیں۔ اوس اور خزرج کے سعادت مند اور وفا شعار لوگ دعوتِ توحید کے لئے اپنے دامن پسار رہے تھے اور یہ فکر بھی دامنگیر تھی کہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے میں مدینہ کے یہودی ان سے سبقت نہ لے جائیں۔

ادھر قریش بھی حیران تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار ہمارے ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی چکی میں پس جانے کے باوجود بھی اپنے آقا پر پروانہ وار جان نچھاور کر رہے ہیں مسلسل تین سال آلِ ہاشم کو شعب ابی طالب میں نظر بند رکھا۔ ان کا آب و دانہ بند کر دیا گیا سخت ترین سوشل بائیکاٹ کے باوجود بھی ان کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

بالآخر دار الندوہ میں جو قریش کا دار الشوریٰ تھا تمام قبائل کے زعماء کی میٹنگ بلائی گئی بہت سی تجاویز پیش ہوئیں اور مسترد کر دی گئیں۔ لیکن ابوجہل کی یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور کر لی گئی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لے لیا جائے اور یک بارگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تلواروں سے حملہ کر کے (نعوذ باللہ) اُن کا کام تمام کر دیں۔ اس صورت میں اُن کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا۔ اور آلِ ہاشم تنہا سب قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ تاکہ جس وقت بھی آپ باہر آئیں تو حملہ کر دیا جائے۔

قریش کو رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر شدید عداوت کے باوجود آپ کی امانت اور دیانت پر پورا اعتماد تھا۔ اور اپنی امانتیں اس وقت بھی ان کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔

Marfat.com

تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ارادہ کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اور بارگاہ خداوندی سے ہجرت کا پروانہ بھی مل چکا تھا۔ اس لئے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر ارشاد فرمایا مجھے ہجرت کا حکم ہوا ہے اور میں آج رات مدینہ طیبہ جا رہا ہوں۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ صبح کے وقت کفار کی امانتیں ان کے سپرد کر کے مدینہ طیبہ آ جانا۔[۱]

اگرچہ اس رات رحمت للعالمینؐ کا بستر خواب گاہ قتل میں تبدیل ہونے کے امکانات ہویدا تھے۔ لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ بھی فرش گل تھی۔ چونکہ اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ عظمت، صبر و ثبات توکل علی اللہ، اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات کے ساتھ غیر معمولی محبت و شیفتگی کے علاوہ حسن انتظام، نفاست پسندی اور لطافت طبع کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم اس واقعہ کی پوری تفصیلات بخاری شریف اور بعض دوسری کتب سے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اختصار پسندی کے اس واقعہ کے تمام پہلوؤں کو خوب اجاگر کیا ہے۔ اس کی تفصیلات ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی روایت کی گئی ہیں :۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تیاری شروع کر دی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیقؓ سے فرمایا "ابھی ٹھہر جاؤ، میں امید کرتا ہوں کہ مجھے بھی عنقریب اجازت مل جائے گی"۔ صدیقؓ نے عرض کی "میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، کیا آپ کو اس کی امید ہے؟" ارشاد ہوا "ہاں" یہ سن کر ابوبکر صدیقؓ

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۱ عنوان ہجرت، طبری جلد ۱ عنوان ہجرت

Marfat.com

نے تہیہ کر لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ہی میں جاؤں گا۔ اور اس مقدس سفر کے لئے دو اونٹنیوں کو کیکر کی پتیاں کھلا کر پالنا شروع کیا تاکہ بوقت روانگی ان پر سواری کریں۔

ہجرت کے لئے روانگی علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کو مکہ سے غار میں اور پیر کے دن غار سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ میں ورود ہوا۔[1]

مذکورہ واقعہ کے چار ماہ بعد ایک دن دوپہر کے وقت اچانک آپؐ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے۔

حسب دستور دروازہ پر دستک دی اور اجازت کے بعد گھر میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ کوئی ضروری مشورہ کرنا ہے لہٰذا سب کو ہٹا دو۔ صدیقؓ نے عرض کیا آپؐ کے حرم کے سوا یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت صدیقؓ نے بڑی بیتابی سے عرض کیا۔ "میرا باپ آپؐ پر فدا ہو مجھے بھی ہمرکابی کا شرف نصیب ہوگا۔" ارشاد ہوا "ضرور۔"

حضرت صدیقؓ عرض پرداز ہوئے کہ میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ پسند فرمالیں محسن کائنات کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا "بہت اچھا" مگر بلا معاوضہ نہیں بلکہ میں قیمت ادا کروں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کرلی۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کمسن تھیں۔ ان کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سامان تیار کیا۔ دو تین دن کی خوراک توشہ دان میں ڈالی۔ مگر اس کا منہ باندھنے کے لئے گھر میں کوئی چیز نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۵۳ [2] فتح الباری جلد ۷ ص ۱۸۸

Marfat.com

اپنے نطاق (پٹکہ جسے عورتیں کمر سے لپیٹتی تھیں) کو پھاڑ کر توشہ دان کا منہ باندھا۔ اسی شرف کے باعث انہیں آج تک "ذات النطاقین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

امام ابن سعد کی روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے وہ اونٹنی ۸۰۰ درہم میں خرید فرمائی تھی۔[2]

کفار نے طے شدہ پروگرام کے مطابق آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور اس تاک میں تھے کہ آپ باہر آئیں اور ہم اپنا منصوبہ پورا کریں۔ جب رات کافی گذر گئی تو قدرت نے انہیں بے خبر کر دیا۔ اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے اور وہاں سے دونوں جبل ثور کی طرف چل پڑے جہاں پہاڑ کی چوٹی پر غار ثور میں روپوش ہو گئے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواں سال صاحبزادے عبداللہ بڑے فہیم اور دانش ور تھے وہ رات تو غار میں بسر کرتے اور علی الصبح شہر میں آکر قریش کے ساتھ گھل مل جاتے۔ قریش میں باہم جو مشورہ یا منصوبہ ہوتا اسے محفوظ کر لیتے اور جب رات کی تاریکی چھا جاتی تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دن بھر کی رپورٹ پیش کرتے۔[3]

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ دن کے وقت بکریاں چراتے اور شام کے قریب غار کی طرف لے جا کر ان کا دودھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔ اسی طرح تین دن غار میں گذر گئے۔

صبح جب قریش کو اپنے منصوبہ میں ناکامی کا علم ہوا تو سخت برہم ہوئے اور آپ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے ان میں سے ایک گروہ تلاش کرتے کرتے غار ثور کے دہانہ تک پہنچ گیا جن کے قدموں کی آہٹ پا کر رفیقِ غار غمزدہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ دشمن اس قدر قریب پہنچ

---

[1] بخاری شریف جلد ا صد ۵۵۳ [2] طبقات ابن سعد جلد ا عنوان ہجرت [3] بخاری شریف جلد ا صد ۵۵۳

Marfat.com

چکا ہے کہ اگر وہ اپنے پاؤں پر نظر ڈالے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ لیکن شفیق و رحیم آقا نے ارشاد فرمایا

ما ظنك يا ابابكر باثنين الله ثالثهما[1] ابو بکر ان دو کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے۔

ادھر رب کریم نے تسلی و تشفی کے لئے ارشاد فرمایا۔

لا تحزن ان الله معنا[2] فکر کی کوئی بات نہیں ہم دونوں کے ساتھ اللہ کی ذات ہے۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت نے عجیب کرشمہ دکھایا کہ جب نبی علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غار میں تشریف فرما ہوئے تو غار کے قریب ایک درخت پیدا ہو گیا جس کی جڑیں اس کے منہ پر پھیل گئیں۔ ساتھ ہی مکڑی کو حکم ہوا غار کے منہ پر جالا بنا دے۔ اور دو جنگلی کبوتروں نے اس پر گھونسلہ بنا کر انڈے بھی دے دئیے۔ جب قریش نے ان چیزوں کو دیکھا تو یقین ہو گیا کہ غار میں کوئی آدمی نہیں ہے ورنہ تار عنکبوتی کا وجود سالم نہ رہتا اور نہ ہی کبوتر کے انڈے محفوظ رہ سکتے تھے[3]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موقعہ پر ایک روایت بیان کی ہے۔

"کہ جب مشرکین غار کے قریب پہنچ گئے تو نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی یا اللہ انہیں اندھا کر دے۔ چنانچہ فی الفور سب کی بینائی سلب ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے اندھے ہو گئے۔ اور غار کے ارد گرد چکر لگا کر محروم واپس لوٹ گئے"۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ اس روایت کی روشنی میں کبوتر اور تار عنکبوتی والی روایت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی، مشرکین کا اندھا ہو جانا بھی نبی علیہ کے معجزہ کا اظہار تھا[4]

---

[1] بخاری شریف باب مناقب المہاجرین جلد ا صہ ۵۱۶ [2] سورہ توبہ [3] طبقات ابن سعد جلد ا عنوان ہجرت البدایہ والنہایہ جلد ۳ صہ ۱۸۲ [4] مرقاۃ جلد صہ ۱۴۰

Marfat.com

الشیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا والنسرائے مصر نے جبل ثور کی بلندی ۵۰۰ میٹر بیان کی ہے[1]۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مشرفہ سے رخصت ہونے سے پہلے ہی ایک قابل اعتماد اور دیانتدار کافر عبداللہ بن اُریقط کو اجرت پر رہنمائی کے لئے مقرر کر لیا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق چوتھے دن وہ دونوں اونٹنیاں لے کر جبل ثور کے پاس پہنچ گیا۔ اور آقائے نامدارؐ، رفیق غارؓ اور عامر بن فہیرہ کی رہنمائی میں سوئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

ایک دن رات مسلسل چلنے کے بعد دوسرے دن دوپہر کے وقت جب دھوپ زیادہ تیز ہو گئی تو جاں نثار نبوتؐ سایہ دار جگہ تلاش کرنے لگے تاکہ سرورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمائیں۔ آپ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ جہاں جگہ صاف کر کے اپنی چادر کا بستر بنایا اور مولائے کل ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استراحت کے لئے درخواست کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کے لئے لیٹ گئے اور پروانہ شمع رسالتؐ اس جستجو میں نکلا کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو آقا کی خدمت میں پیش کروں حسن اتفاق سے قریب ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ صدیقؓ نے اسے دودھ دوہنے کو کہا جب وہ دوہنے لگے (ازراہِ نفاست اور غلبہ حبِ نبویؐ کے باعث) تو آپ نے اسے بکری کے گرد آلود تھن اور اپنے ہاتھ صاف کرنے کو کہا۔ اس کے باوجود برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا تاکہ گرد وغبار دودھ میں نہ پڑے۔

دودھ لے کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس میں تھوڑا سا پانی ملا کر ٹھنڈا کیا اور پھر آپؐ نے نوش فرمایا۔ بعدازاں آپؐ نے دریافت فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں ہوا؟ حضرت صدیقؓ نے عرض کی وقت ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپؐ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے[2]۔

---

[1] مرآۃ الحرمین جلد ا ص ۶۳ [2] بخاری شریف جلد ا مناقب مہاجرین ص ۵۱۵

Marfat.com

قریش جو اپنے ناپاک عزائم میں بری طرح ناکام ہو چکے تھے۔ اب ایک اور چال چلی کہ جو شخص محمد یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اسے ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا جب یہ بات سراقہ بن جعشم نے سنی تو انعام کی لالچ میں آپؐ کی تلاش کے لئے نکل پڑا۔ اور اتفاق سے اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔

گھوڑے کو ایڑی لگائی اور فوراً آپؐ کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن قدرت خداوندی سے گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر گیا۔ اس وقت سراقہ نے ترکش سے تیر نکال کر فال لیا کہ حملہ کرنا چاہئے یا نہیں اگرچہ جواب تو نفی میں ملا مگر سو اونٹوں کا گراں قدر انعام بھی ایسا نہ تھا جو ایک تیر کی بات سے پس پشت ڈال دیا جاتا۔ وہ دوبارہ سوار ہو کر بڑی تیزی سے آگے بڑھا حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ آپؐ کے پڑھنے کی آواز اسے سنائی دینے لگی۔ لیکن اچانک گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور زمین پر گر گیا۔ سراقہ نے ایک مرتبہ پھر تیروں سے فال لی مگر جواب نفی ہی میں ملا جس پر وہ چونک گیا کہ یہاں تو معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ بالآخر وہ امان کا خواستگار ہوا۔ جسے نبی الرحمتؐ اور صدیقؓ نے قبول کر لیا۔ چنانچہ وہ حاضر خدمت ہوا اور قریش کے انعام کی روداد سنائی اور امن کا پروانہ طلب کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پروانہ لکھ کر اس کے حوالے کیا اور وہ لے کر مکہ مکرمہ لوٹ گیا [1]

اس طرح یہ قافلہ منزل بہ منزل چلتے چلتے امن و امان کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ جہاں انصار کئی دنوں سے چشم براہ تھے۔

---

[1] بخاری شریف جلد ا باب ہجرت النبیؐ صہ ۵۵۴

Marfat.com

صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک
سیاسی و معاشی حالات

مکہ مکرمہ سے ۱۹ میل کے فاصلہ پر جدہ کے راستہ میں حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا اسی نسبت سے وہاں کی آبادی کا نام وادیٔ حدیبیہ مشہور ہوا۔ چونکہ اس مقام پر ملّتِ اسلامیہ اور کفر کی طاغوتی طاقت کے مابین ایک تاریخی معاہدہ طے پایا تھا علاوہ ازیں یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے جاں نثاری کی ایک ایسی عدیم النظیر بیعت لی تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑے اہتمام سے بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اس اجمال کی تفصیل پوری شرح و بسط سے ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔

سرورِ کونین رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے تیرھویں سال اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ فگن ہوئے۔ چھ سال مسلسل قریش کی آتشِ غیظ و غضب فروزاں رہی، جس کی وجہ سے مسلمان بیت اللہ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے اور نہ ہی اس ذوق کے پورا ہونے کی کوئی صورت بنتی نظر آتی تھی۔

Marfat.com

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ایک خواب بیان فرمایا کہ ہم مکہ معظمہ پہنچ کر بیت اللہ کی زیارت سے شرف یاب ہو رہے ہیں۔ صحابہ کے قلوب جو دیدار بیت اللہ کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ ان کے اضطراب اور اضطرار میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اور ان کے اصرار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تیاری فرمالی۔ کسی خاص اہتمام کے بغیر ہی چودہ سو شمع رسالت کے پروانے اس مقدس سفر میں آپ کی ہم رکابی کے لئے تیار ہو گئے۔[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ ماتقدم کے طور پر چند احتیاطی تدابیر اختیار فرمالیں کہ کوئی آدمی ہتھیار ساتھ نہ لے جائے صرف ایک تلوار نیام میں ساتھ لے جاسکتا ہے۔ آپؐ نے عمرہ کی نیت فرمائی اور ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ بھی ساتھ لئے تاکہ قریش کو جنگ کا شبہ نہ ہو۔ علاوہ ازیں ذیقعدہ کا مہینہ سفر کے لئے تجویز کیا جس میں عرب کے قدیم رواج کے مطابق جنگ کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔[۲]

اَشْھُرُ الحُرُم میں قبائل عرب دور دراز سے آکر قبلہ گاہ عام میں عبادت اور عقیدت کی رسومات ادا کرتے تھے حتیٰ کہ جو قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے وہ بھی اس جگہ باہم شیر و شکر ہو کر زیارت بیت الحرام سے محظوظ ہوتے تھے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود جب قریش کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے بڑے زور شور سے مقابلہ کی تیاری شروع کردی اور ساتھ ہی متحدہ قبائل کی عظیم جمعیت طلب کر لی۔ چنانچہ مکہ سے باہر "بلدح" کے مقام پر مشرکین کی فوجیں جمع ہو گئیں۔

مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ:۔

---

[۱] تفسیر ابن کثیر سورہ فتح آیت ۲۷ [۲] بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۹۰

Marfat.com

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہوئے یہاں پانی کا ایک کنواں تھا جس میں انتہائی قلیل مقدار میں پانی تھا جو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو گیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پیاس کی شدت کے باعث بے تاب ہو گئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اعجاز نبوی سے پانی میں اس قدر فراوانی ہوئی کہ سارا لشکر سیراب ہو گیا۔

قبیلہ خزاعہ جو ابھی تک حلقہ بگوش اسلام تو نہیں ہوا تھا مگر مسلمانوں کا حلیف اور رازدار تھا۔ اس کا رئیس اعظم بُدیل بن ورقہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے اور انہوں نے بلدح کے مقام پر پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا ہے اور آپ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور آپ کو کعبہ شریف کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا انہیں کہہ دیں ہم عمرہ کرنے آئے ہیں لڑنے نہیں آئے۔ بہتر یہ ہے کہ قریش ایک مدت معینہ کے لئے ہمارے ساتھ معاہدہ صلح کر لیں۔ اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں۔ تو اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن جدا نہ ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ پورا نہ کر دے۔

بُدیل نے پیغام محمدیؐ قریش کو سنانا چاہا تو ناعاقبت اندیش جنگجو نوجوان اس قدر جوش و خروش میں تھے کہ وہ کچھ سننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ البتہ بڑے تجربہ کار لوگ بات چیت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ تب بُدیل نے تمام شرائط پیش کر دیں۔ ایک معمر اور آزمودہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی کہنے لگا۔ محمدؐ نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں۔ اگر مجھے اجازت ہو تو میں ان سے معاملہ طے کر دوں۔ چونکہ قریش کو اس پر پورا اعتماد تھا اس لئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا۔

عُروہ ضروری گفتگو کر کے لوٹ گیا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی جو حیرت انگیز عقیدت اور محبت دیکھی تھی اس سے اس کے دل پر گہرے نقوش مرتسم ہو گئے

Marfat.com

عُروہ نے قریش کو کہا مجھے نجاشی شاہ حبشہ، قیصر شاہ قسطنطنیہ اور کسریٰ شاہ ایران کے دربار میں جانے کا بارہا اتفاق ہوا مگر میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی عظمت اس کے درباریوں کے دل میں محمدؐ کے صحابہ کی طرح پائی جاتی ہو۔ ایسی عقیدت و وارفتگی کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آئی جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص نظر بھر کر ان کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی حاصل کرنے کے لئے خلقت پروانہ وار ٹوٹ پڑتی ہے۔ اور جب تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر مشک و عنبر کی طرح اپنے چہرے اور جسم پر مَل لیتے ہیں۔ میری ناصحانہ رائے ہے کہ ان سے صلح کر لی جائے۔[۱]

چونکہ ابھی معاملہ طے نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن امیہ کو اپنی خاص اونٹنی دے کر بھیجا لیکن قریش نے اونٹنی قتل کر دی اور قریب تھا کہ انہیں بھی قتل کر دیتے مگر بیچ بچاؤ سے ان کی جان بچ گئی۔ انہوں نے واپس آکر سارا ماجرا دربارِ رسالت میں بیان کیا۔ اسی اثنا میں قریش نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک دستہ بھیجا جسے گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ عفو اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا چنانچہ آپؐ نے سب کو معاف کر دیا۔[۲]

حضرت عثمانؓ کی سفارت

قریش کی اس مخالفانہ روش اور معاندانہ رویہ کے باوجود نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر مصالحت کی کوشش فرمائی اور اپنے داماد سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ان کے جانے کے بعد صحابہ کہنے لگے عثمان کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کی

---

[۱] بخاری شریف جلد اول ص ۳۰۰، ۳۰۹ کتاب الشروط باب شروط فی الجہاد [۲] تفسیر ابن کثیر سورۃ فتح آیت ۲۵

Marfat.com

نعمت سے سرفراز ہو گئے اور ہم یہاں محروم بیٹھے ہیں لیکن جب یہ بات نبی علیہ السلام نے سنی تو ارشاد فرمایا کہ ہمیں عثمان کی وفاداری پر قوی یقین ہے کہ وہ ہمارے بغیر کعبہ شریف کا طواف نہیں کریں گے۔

چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا کا پیغام قریش کو پہنچایا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو طواف کرنے کی اجازت ہے مگر نبی علیہ السلام کو ہم کسی طرح اجازت نہیں دے سکتے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر آقا سے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مجھے بھی طواف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد قریش نے آپ کو قید کر دیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا جب یہ المناک خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گذار ہوئی تو آپ کو سخت صدمہ پہنچا[1]

آپ ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے لہذا جو شخص اس میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ولولہ انگیز دینی جوش و خروش کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر جان دینے کا عہد کیا۔ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور اپنے دوسرے ہاتھ میں کر کے عثمان کی طرف سے بھی بیعت کی تاکہ وہ اس اجر جزیل سے محروم نہ رہیں[2]۔

اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی بایں ہمہ جن لوگوں نے قلت تعداد اور فقدان اسباب ظاہری کے باوجود نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر فداکاری و جانثاری کی بیعت کی اللہ نے ان کے اس ایثار اور عقیدت حق کی جزا عظیم یہ عطا فرمائی کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اپنی خوشنودی کی سند انہیں مرحمت فرمائی اور اسی مبارک سند کی بنا پر وہ بیعت "بیعت رضوان" کے نام سے رہتی دنیا تک موسوم ہوئی۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر سورت فتح آیت ۲۵، فتح الباری جلد ۵ صہ ۲۱۴، فتح الباری جلد ۱ صہ ۱۶۴ [2] بخاری شریف جلد ۱ صہ ۵۲۳ مناقب عثمان اور جلد ۲ صہ ۵۹۹ کتاب المغازی باب عمرۃ القضا، ترمذی شریف جلد ۲ صہ ۲۱۱ باب مناقب عثمان

Marfat.com

سیدنا مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران قریش کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے قابل اعتماد فصیح و بلیغ خطیب سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ کافی رد و قدح کے بعد چند شرائط پر صلح ہو گئی۔ صلح نامہ کی کتابت کی خدمت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انجام دی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا سر نامہ میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھیں۔ جب کہ عرب میں خطوط کی ابتدا بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ کے الفاظ سے کی جاتی تھی اور وہ بسم اللہ شریف سے ناآشنا تھے اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا بسم اللہ کی بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ جملہ لکھنے کو ارشاد فرمایا۔

ھٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ　　　یعنی یہ معاہدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا

اس پر سہیل چیں بجبیں ہو گیا کہ اگر ہم آپؐ کو رسول تسلیم کر لیں تو پھر جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگرچہ تم میری رسالت کی تکذیب کرتے ہو، حالاں کہ خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں"۔

بہر حال آپ نے کاتب سے فرمایا صرف میرا نام لکھ دیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے غایت عقیدت و محبت کے پیش نظر آپ کا اسم مکرم مٹانے سے انکار کیا۔ لیکن خود نبی علیہ السلام نے لفظ رسول اللہ مٹا دیا۔ اور اس طرح معاہدہ کی شرائط لکھنے کا کام شروع ہو گیا۔

حسب ذیل شرائط پر معاہدہ طے پایا۔

۱۔ مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں۔

۲۔ آئندہ سال عمرہ کرنے آئیں، اور صرف تین دن مکہ میں قیام کر کے چلے جائیں۔

Marfat.com

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف ایک تلوار ساتھ لا سکتے ہیں۔ وہ بھی نیام میں اور نیام جُلُبّان یعنی تھیلا میں ہو۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی آدمی مکہ میں رہنا چاہے تو اُسے منع نہ کیا جائے۔

۵۔ مکہ کے قریش یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔[1]

۶۔ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔

۷۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے نبی علیہ السلام کا ساتھ دیا اور بنی بکر نے قریش کا۔[2]

ابھی معاہدہ پر دستخط ہونے باقی تھے کہ سہیل کے لڑکے ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلام قبول کر چکے تھے اور مکہ میں کافروں کی قید میں تھے، پاؤں میں بیڑیاں پہنے کسی طرح بھاگ کر وہاں آ پہنچے۔ ان کے وجود با وجود پر ظلم و تشدد اور کفار کی بربریت کے نشانات نمایاں نظر آ رہے تھے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوئے انہیں قریش کی طرف واپس لوٹا دیا اور انہیں تسلی و تشفی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ابوجندل صبر و ضبط سے کام لو، اللہ کریم تمہارے لئے

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ صہ ۹، ۳۷۹، ۳۸۰ کتاب الشروط باب شروط فی الجہاد، مسلم شریف جلد ۲ صہ ۱۰۵ باب صلح حدیبیہ۔ مسلم شریف کی روایت میں حضرت علیؓ کا نام ذکر کیا گیا ہے لیکن بخاری کی مذکورہ روایت میں ان کا نام نہیں ہے البتہ بخاری شریف جلد ۱ صہ ۴۵۷ کتاب الجہاد باب المصالحۃ علی ثلاثۃ ایام بخاری جلد ۲ صہ ۶۱۰ کتاب المغازی باب عمرۃ القضا میں نام کی تصریح موجود ہے۔

[2] سیرت ابن ہشام عنوان صلح حدیبیہ۔

Marfat.com

ضرور کوئی راہ نکال دے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے اور تمام صحابہ کرامؓ نے اسی جگہ اپنی اپنی قربانیاں ذبح کیں اور مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے[1]۔

معاہدہ پر مسلمانوں اور کفار کے حسب ذیل اشخاص نے بطور گواہ کے دستخط کئے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ محمود بن مسلمہ۔ مکرز بن حفص۔ (ابن ہشام عنوان صلح حدیبیہ)

صلح حُدیبیہ کے سیاسی ثمرات

اگر آزادیٔ ضمیر نصیب ہو اور تعصب راہ میں حائل نہ ہو تو اسلام ایسا دین فطرت ہے کہ خود بخود کائنات انسانی کو اپنے اندر جذب کرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ "صلح حدیبیہ" کو "فتح مبین" کا اعزاز اسی وجہ سے نصیب ہوا کہ جب مسلمانوں اور کفار کے مابین ایک معاہدہ کے ذریعہ جنگ کا التوا ہو گیا، تو مشرکین کو امن و سکون سے مسلمانوں کے ساتھ میل جول کا موقع ملا۔ باہم گفتگو اور بحث و تمحیص میں مشغول ہو گئے۔ اسلام کی مقناطیسی کشش اور مسلمانوں کے کریمانہ اخلاق، قابلِ رشک اعمال، کردار اور گفتار میں ہم آہنگی، صداقت و عدالت، حق پسندی و حق آگاہی اور اجتماعی و انفرادی حیثیت سے تمام اقوام عالم پر امتیاز و برتری نے کفار کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد صرف ۱۴۰۰ تھی لیکن دو سال کے اندر فتح مکہ کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار بن چکا تھا[2]۔ صلح ہو جانے کے بعد خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ صہ ۳۸۰ [2] سیرت ابن ہشام عنوان صلح حدیبیہ

Marfat.com

سے قریش مدینہ میں آتے اور مہینوں قیام کرتے ۔ مسلمانوں کے اخلاص، حسنِ عمل، نیکوکاری اور پاکیزہ اخلاق سے بے حد متاثر ہوتے اور یہ کیفیات مکہ میں جاکر دوسرے کفار سے بھی بیان کرتے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت گھر کر نی گئی ۔

دوسری طرف قریش مکہ کی بے جاہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ان کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا بُدیل بن ورقا اپنے ساتھیوں سمیت قریش سے الگ ہوگیا ۔ اور عروہ بن مسعود بھی اپنی جماعت سمیت قریش سے کٹ گیا۔[1]

ادھر ابوجندلؓ نے زندان مکہ میں پہنچ کر دین حق کی تبلیغ شروع کردی ۔ جو آدمی بھی ان کی نگرانی پر مامور ہوتا آپ اسے توحید کی خوبیاں سناتے ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا ذکر کرتے اور اسے ایمان قبول کرنے کی رغبت دلاتے ۔ ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں ایک سال کے اندر تین سو اشخاص نے ایمان قبول کرلیا اب کفار اپنی عائد کردہ شرط پر نادم ہوتے ۔ اور ایک وفد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا کہ ہم معاہدہ کی اس شرط سے دست بردار ہوتے ہیں لہذا آپ اپنے نومسلموں کو مدینہ طیبہ بلالیں ۔

اسی طرح عتبہ بن اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا لقب ابوبصیر تھا ۔ کفار نابکار کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ طیبہ بھاگ آئے ۔ قریش نے دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے کہ حسب معاہدہ ہمارا آدمی واپس کیا جائے ۔ آپؐ نے عتبہ سے ارشاد فرمایا ، واپس جاؤ ، انہوں نے عرض کیا حضور ! کیا پھر مجھے کفار کے چنگل میں دیا جارہا ہے تاکہ وہ مجھے کفر پر مجبور کریں ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ، اللہ تعالیٰ تیری نجات کی کوئی تدبیر پیدا فرما دے گا ۔ ابوبصیر مجبوراً دو کافروں کی حراست میں

---

[1] تفسیر معارف القرآن جلد ۸ سورہ فتح آیت ۲۵

Marfat.com

واپس لوٹ گئے، لیکن ذوالحلیفہ پہنچ کر ابو بصیرؓ نے ایک کافر کو قتل کر دیا اور دوسرا ڈر کے مارے بھاگ نکلا۔ اور دربارِ رسالت میں پہنچ کر شکایت کی۔ اتنی دیر میں ابوبصیر بھی پہنچ گئے۔ آپ نے عرض کیا حضرت آپ نے عہد کے موافق مجھے واپس کر دیا ہے۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں رہی۔ یہ کہہ کر مدینہ مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص جو سمندر کے کنارے ذومروہ کے پاس ہے اقامت اختیار کر لی اس کے بعد مکہ کے ستم رسیدہ مسلمان بھی چوری چھپے بھاگ کر آنا شروع ہو گئے اور ابوبصیر کے پاس ستر مسلمانوں کی ایک طاقتور جماعت جمع ہوگئی۔ اس کے بعد قریش کا جو قافلہ تجارت شام کو جاتے ہوئے وہاں سے گذرتا تو یہ لوگ انہیں قتل کر کے مال لوٹ لیتے۔ اس طرح یہی مالِ غنیمت ان کا ذریعہ معاش بن گیا۔

چنانچہ قریش حالات کی سنگینی سے مجبور ہو کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے کہ معاہدہ کی اس شرط سے باز آئے۔ لہٰذا جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم اس سے تعارض نہیں کریں گے۔ اس کے بعد ابوبصیر اور ان کے ساتھی مدینہ طیبہ میں آکر آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔ اس طرح کفار نے خود ہی اس معاہدہ کی دھجیاں بکھیر دیں اور جن شرائط کو مسلمانوں نے کڑوا گھونٹ سمجھ کر پیا تھا۔ وہ ان کے حق میں واقعی فتح مبین ثابت ہوا۔[1]

عمرۃ القضاء

فخرِ موجودات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کی مقدس زندگی میں چار مرتبہ عمرہ ادا فرمایا۔ پہلا حدیبیہ والے سال (اگرچہ کفار نے ادائیگی سے روک دیا تھا) دوسرا عمرہ ۷ھ میں حدیبیہ

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۹۔ ۳۸۰ تا ۳۸۱ کتاب الشروط باب شروط فی الجہاد

Marfat.com

والے عمرہ کی قضا کی صورت میں۔ تیسرا عمرہ غزوۂ طائف سے فارغ ہو کر جعرانہ میں تشریف لائے اور مالِ غنیمت تقسیم فرمایا اور وہاں ہی سے احرام باندھ کر عمرہ ادا فرمایا۔ اور چوتھی مرتبہ حجۃ الوداع کے ساتھ ادا کیا۔[1]

عمرہ قضاء، جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے کہ ذیقعدہ سنہ ۶ھ میں کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کبارؓ کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اور اگلے سال عمرہ کا معاہدہ ہوا تھا چنانچہ ذیقعدہ سنہ ۷ھ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کی تیاری فرمائی اور اعلان فرمایا کہ گذشتہ سال جتنے لوگ ہمارے ساتھ شریکِ سفر تھے سب عمرہ کی تیاری کریں کوئی ان میں سے رہ نہ جائے بجز ان حضرات کے جو اس اثنا میں غزوۂ خیبر میں شہید ہوئے یا وفات پا گئے۔ صحابہؓ نے بڑے جوش و خروش سے تیاری کی اور دو ہزار کی جمعیت اس مقدس سفر میں آپ کے ہم رکاب ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں آپ نے ابورہم الغفاری کو نیابت سپرد فرمائی۔ آپ نے خود، زرہیں اور نیزے بھی ساتھ لئے اور ایک سو گھوڑے ساتھ تھے۔ گھڑ سوار رسالہ کی امارت پر محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی ہی میں احرام باندھ لیا اور ساٹھ اونٹ قربانی کے لئے ساتھ لئے۔ معاہدہ کے مطابق آپ ہتھیار ساتھ لے کر مکہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ آٹھ میل دور بطن یا جح کے مقام پر اسلحہ جمع کر دیا اور دو سو سواروں کا دستہ اس کی حفاظت کے لئے تعینات فرمایا۔ اس جگہ سے حرم کے بُت نظر آ رہے تھے۔

اہلِ مکہ نے اگرچہ بادلِ نخواستہ آپؐ کو عمرہ کی اجازت تو دیدی مگر ان کی آنکھیں اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی تھیں اس لئے رؤسا قریش شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ اور عبداللہ بن رواحہ نکیل تھامے ہوئے الحجون کے راستہ سے

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ صہ ۵۹۷ مسلم شریف جلد ۱ صہ ۴۰۹

Marfat.com

اکڑتے ہوئے چلیں

شہر میں داخل ہوئے صحابہ کرامؓ کا جم غفیر برسوں کی دیرینہ تمنا اور فرض مذہبی بڑے ولولہ اور جوش سے ادا کر رہا تھا۔ اہلِ مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ طواف کے پہلے تین چکر اکڑتے ہوئے چلیں۔ اسے عربی میں رَمل کہتے ہیں۔ یہ سنّت آج تک جاری و ساری ہے[1]۔ آپ نے اونٹنی پر ہی طواف کیا اور لاٹھی سے حجرِ اسود کا استلام کیا۔ اور اسے بوسہ دیا[2]۔ پھر سواری پر ہی صفا مروہ کی سعی ادا فرمائی۔ جب سات چکر پورے ہو گئے تو مروہ کے قریب قربانی ادا کی اور وہیں سر منڈایا۔

کفار جبل ابی قبیس پر کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ مسلمانوں کے سچّے جوش، سادہ مؤثر طریق عبادت اور ان کی اعلیٰ دیانت و امانت نے عجیب اثر دکھایا۔ لوگوں سے شہر خالی پڑا تھا مگر کسی کا ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوا۔ اس حُسنِ کردار سے سینکڑوں کفار اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم مکہ شریف میں کسی مکان میں قیام فرما ہونے کی بجائے ریتلی زمین پر چمڑے کا خیمہ لگا کر تین دن اسی میں رونق افروز رہے۔ جب تین دن پورے ہو گئے تو کفار نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وساطت سے پیغام بھیجا کہ حسبِ معاہدہ مدتِ قیام پوری ہو چکی ہے لہٰذا آپ تشریف لے جائیں[3]۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔

نبی علیہ السلام نے اس موقع پر سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح بھی کیا تھا جبکہ وہ احرام میں تھیں[4]۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر قریش مکہ میں ولیمہ کرنے کے لئے ہمیں ایک دن مزید ٹھہرنے کی اجازت دیں تو ہم انہیں بھی دعوت میں شریک کریں گے۔ لیکن قریش اس پر رضامند نہ ہوئے اور آپ مکہ سے روانہ ہو کر سرف میں جا ٹھہرے اور وہیں ولیمہ کیا[5]۔

---

[1] مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۴۱۲ [2] ایضاً صفحہ ۴۱۳ [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ [4] بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۶۱۱ باب عمرۃ القضاء [5] البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۲۳۴

Marfat.com

فتح مکہّ

حدیبیہ میں جو معاہدہ فریقین کے مابین طے پایا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ نیز قبائل عرب کو اختیار ہے کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں مل سکتے ہیں۔ اور فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ مگر اس کے باوجود قبیلہ بنو خزاعہ جو مسلمانوں کا حلیف بن گیا تھا اس کے حریف بنی بکر قریش کے معاون بن گئے اور ان کی حمایت میں قریش نے حرم کے اندر بنی خزاعہ کو قتل کیا۔ اس سانحہ کے بعد بنی خزاعہ کے لوگ شکایت لے کر دربار محمدی میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ مقتولین کا خوں بہا ادا کریں یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں ورنہ پھر اعلان کردیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

یہ شرائط سن کر قریش کی جانب سے قرظہ بن عمر نے کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔[1]

---

[1] زرقانی جلد ۲ عنوان فتح مکہ

Marfat.com

لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد قریش کا یہ فیصلہ سن کر مدینہ طیبہ روانہ ہوگیا، تو بعد میں قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے فوراً ابوسفیان کو تجدید عہد کے لئے مدینہ بھیجا، وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے مگر اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا اور آپ کعبہ شریف کو بتوں کی نحوست سے پاک کرنے کا فیصلہ کرچکے تھے۔ اسی لئے آپ نے تجدید عہد سے گریز کیا اور ابوسفیان کے واپس لوٹ جانے کے بعد تطہیر کعبہ کی تیاریاں شروع فرما دیں۔ غرض ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو لشکر نبوی نہایت تزک و احتشام اور عظمت و احترام سے مکہ مشرفہ کی طرف بڑھا۔ دس ہزار آراستہ فوجیں ہمرکاب تھیں۔ مرّ الظہران میں جو مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر تھا محمدی فوج فروکش ہوئی آپ کے ارشاد کے مطابق تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادی ایمن بن گیا۔ قریش کو بھی خبر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے تحقیق حال کے لئے حکیم بن حزام (سیدہ خدیجہ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔

خیمہ نبوی کے محافظ دستہ نے انہیں گرفتار کرکے بارگاہ رسالت میں پیش کردیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا ہوتے کہ اب کفر کے استیصال کا وقت آگیا ہے۔ مگر سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی جان بخشی کی استدعا کی، جسے شرف قبولیت سے نوازا گیا۔ (ابوسفیان کے گذشتہ تمام کارنامے سب کے سامنے تھے۔ ان میں سے ہر ایک فعل اس کے قتل کا متقاضی تھا۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کو اشتعال دلانا اور رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرانے کی خفیہ سازش یہ سب واقعات ان کے خون کے جویا تھے) لیکن ان سب سے بالاتر رحمت دارین محبوب کل صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کریمی اور عفو کی چادر تھی۔ چنانچہ آپ نے چپکے سے ابوسفیان کو کہہ دیا لَا تَخَفْ۔ اس خلق عظیم کا اثر قلب ابوسفیان پر اس قدر جلد ہوا کہ وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہوگئے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انہیں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کریں تاکہ خدائی افواج

Marfat.com

کے جلال کا مظاہرہ کریں۔ تھوڑی دیر بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا اور قبائل عرب کی فوج
ظفر موج جوش مارتے ہوئی آگے بڑھی۔ سب سے پہلے غفار کا پرچم تھا کے بعد دیگرے تمام قبائل
ہتھیاروں سے لیس تکبیر کی رُوح پرور ترانہ سنجی کرتے گذر رہے تھے۔ انصار کا قبیلہ اس سج دھج، شان و
شوکت اور سروسامانی سے آیا کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اور سب سے آخر میں کوکبۂ نبوی نمودار
ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھتا چلا جا رہا ہے۔

آپ نے مکہ معظمہ پہنچ کر زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عَلَم نبوی مقام حجون میں نصب
کرنے کا ارشاد فرمایا۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی فوج کی کمان کرتے ہوئے زیریں علاقہ سے
داخل ہونے کا حکم صادر فرمایا اور خود بالائی سمت سے تشریف لائے۔[۱]

قریش میں اس لشکر جرار کے مقابلہ کی جرأت نہیں تھی انہیں جان کے لالے پڑ گئے لیکن رحمت للعالمین
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو ایک ایسا فقید المثال ارشاد فرمایا کہ جب تک کوئی شخص حملہ آور
نہ ہو اس پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے اسے قتل نہ کیا جائے۔ جو آدمی ابوسفیان
کے گھر پناہ لے اُسے امان دی جائے۔ جو آدمی اپنے گھر کا دروازہ بند کر دے اس پر چڑھائی نہ کی جائے
جو کوئی کعبہ شریف میں داخل ہو جائے تو اسے امن دیا جائے اور جو شخص بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔[۲]

فتح مکہ کے موقع پر نبی علیہ السلام نے منٰی میں خیف بنی کنانہ کے مقام پر قیام فرمایا تھا۔ یہی وہ
جگہ تھی جہاں کفّار نے مسلمانوں کے خلاف باہم متحد رہنے کا عہد و پیمان کیا تھا۔[۳]

کعبۃ اللہ جو سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار تھی۔ اس کی آغوش میں ۳۶۰

---

۱ بخاری شریف جلد ۲ صہ ۶۱۳ بعض روایات میں ہے کہ آپ نشیبی علاقہ سے داخل ہوئے تھے ۲ مسلم شریف جلد ۲
صہ ۱۰۴ ۳ بخاری شریف جلد ۱ صہ ۶۱۴

Marfat.com

بت جا گزیں تھے جنہیں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی کی ٹھوکر سے گراتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ

کعبہ شریف میں سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ کے بت بھی تھے۔ جن کے ہاتھ میں تیر دے رکھے تھے۔ نبی علیہ السلام نے انہیں اور دیگر سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرا کر باہر پھنکوا دیا۔

آپ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ کعبہ کی دیواروں پر جتنی تصویریں بنی ہیں انہیں مٹا دیں۔ جب کعبۂ شریف شرک کی آلائشوں سے پاک صاف ہو گیا تو نبی علیہ السلام نے عثمان بن طلحہؓ سے چابی طلب فرمائی اور حضرت بلال اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہو کر نماز شکرانہ ادا فرمائی۔[2]

اس کے بعد آپؐ نے قریش کے سامنے توحید و رسالت پر مبنی ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں عام معافی کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ	تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

۲۰ رمضان المبارک ۸ھ بروز جمعہ مکہ فتح ہوا۔ اور دس یا پندرہ دن قیام کرنے کے بعد آپؐ حنین تشریف لے گئے۔[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"نبی علیہ السلام کے ساتھ ہم دس دن مکہ میں رہے اور نماز قصر پڑھتے رہے۔ البتہ حضرت ابن

---

[1] بخاری شریف جلد ا ص ۶۱۴ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد جلد ا عنوان فتح مکہ

Marfat.com

عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ۱۹ دن قیام کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔[ا]

فتح مکہ کے سیاسی اثرات

مکہ معظمہ فتح ہونے کے بعد قریش کا جاہ و جلال اور شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ عرب کے تمام قبائل اس انتظار میں تھے کہ قریش اور مسلمانوں میں سے کون سا فریق غالب اور فاتح بنتا ہے تاکہ ہم بھی اسی کی رفاقت اختیار کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی تصویر ساری دنیا نے دیکھ لی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا[ب]	جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آجائے گی تو آپ دیکھیں گے کہ سب لوگ فوج در فوج دینِ اسلام میں داخل ہو جائیں گے

سنہ ۹ ھ میں قبائل عرب کے نمائندہ وفود اس کثرت سے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے کہ اس سال کا نام "عام الوفود" مشہور ہو گیا تھا۔ بنو تمیم، ملوک حمیر، اہلِ نجران۔ سلامان۔ ازد۔ ہمدان۔ ملوک کندہ عبد قیس۔ بنو حنیفہ۔ کندہ۔ وائل ابن حجر۔ مذحج۔ محارب۔ حضر موت۔ عبس۔ خولان اور طے وغیرہ کے وفود۔ گویا سارا عرب اُمڈ کر پروانہ وار شمع رسالت کے گرد جمع ہو گیا۔

الحجۃ الوداع

ذی حجہ سنہ ۱۰ھ مطابق فروری سنہ ۶۳۲ء

جب عرب کے ریگ زاروں میں اسلام کا سورج پوری آب و تاب سے چمکا تو خدا تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز کے گرد جمع ہو گئی۔ اسلام کے عقائد و اعمال اور شریعت کے اصول و فروع پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔ ریاست اسلامی کا نظام عمل میں آیا اور سارے عالم کی رہنمائی کے لئے

ا۔ بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۶۱۵ ب۔ سورہ نصر ب ۳۰

Marfat.com

ایک قدسی صفات جماعت تیار ہو چکی تو یہ فرمان نازل ہوا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

جب خدا کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو چکا، اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ آپ خدا کی حمد کی تسبیح پڑھیں اور استغفار کریں۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورت کے نزول سے آپ سمجھ گئے کہ وقت رحلت قریب آگیا ہے اس لئے ضروری تھا کہ شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصول مجمع عام میں پیش کر دیے جائیں۔ ہجرت کے بعد اب تک ۹ برس گذر چکے تھے مگر آپ نے فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ چنانچہ ذی قعدہ ۱۰ھ میں اعلان ہوا کہ امام الانبیا رصلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادہ سے مکہ مشرفہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر سُو پھیل گئی۔ اور شرف ہمرکابی کے لئے تمام عرب اُمڈ آیا۔ ہفتے کے دن ۲۶ ذیقعدہ کو آپ نے غسل فرمایا اور احرام کی چادر اور تہمد باندھی۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی۔ تمام ازواج مطہراتؓ بھی ساتھ تھیں۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذُو الحُلَیفہ جو مدینہ منورہ کی میقات ہے پہنچ کر شب بھر قیام فرمایا۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وجود باجود پر عطر افشانی کی۔ بعد ازاں دو نفل ادا فرمائے۔ احرام کی نیت فرمائی اور قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بلند آواز سے تلبیہ پکارا۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

اے اللہ ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر ہیں۔ تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت میں تیرا کوئی شریک نہیں

انسانوں کا ایک تلاطم خیز سمندر آپ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

Marfat.com

کم و بیش لاکھ سوا لاکھ کا جم غفیر تھا۔ مکہ مکرمہ کے قریب سرف (وادی فاطمہ) میں پہنچ کر غسل فرمایا۔ دوسرے دن اتوار ۴ ذوالحجہ صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا یہ سفر ۹ دن میں طے ہوا جب کعبہ شریف پر نظر پڑی تو فرمایا۔ یا اللہ! اس گھر کے عزت و شرف کو دو بالا کر دے۔ پھر کعبہ شریف کا طواف ادا فرمایا پہلے تین چکر رمل (کندھا ہلا کر اور اکڑ کر چلنا) کے ساتھ اور باقی چار چکر عام چال سے پورے فرمائے۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی — اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ

یہاں دو نفل ادا کئے پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ہو اللہ احد پڑھی پھر سعی کے لئے صفا و مروہ پر تشریف لائے۔ سات چکر ادا کر لینے کے بعد اعلان فرمایا کہ جن کے پاس قربانی کے جانور ہیں وہ احرام نہ کھولیں اور باقی آدمی حجامت بنوا کر احرام کھول دیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں یمن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانی کے اونٹ لانے کو بھیجا گیا تھا وہ ایک سو اونٹ اور یمن کے حجاج کا قافلہ لے کر تشریف لائے۔ جمعرات کے روز آٹھ ذی الحجہ صبح سورج طلوع ہونے کے بعد آپ منیٰ تشریف لے گئے۔ جہاں ظہر، عصر، مغرب عشا اور نویں تاریخ کی نمازِ صبح ادا فرمائی۔ جمعہ کے دن نویں تاریخ منیٰ سے عرفات کو روانہ ہوئے۔ نمرہ میں کمبل کا ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا وہاں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد ناقہ پر سوار ہو کر میدانِ عرفات میں تشریف لائے اور ناقہ پر ہی خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ پھر ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔ پھر موقف میں تشریف لائے۔ دیر تک قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا میں مصروف رہے جب آفتاب ڈوبنے لگا تو چلنے کی تیاری فرمائی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا کی نماز ایک اذان اور دو

Marfat.com

اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائی۔ رات آرام فرمانے کے بعد صبح نماز پڑھ کر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ اس وقت فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹنی پر پیچھے بیٹھے تھے۔ وادی محسر میں ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ مجھے کنکریاں چن دیں۔ جمرئ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر میدانِ منیٰ میں تشریف لائے۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناقہ کی مہار تھامے تھے۔

آپ نے اس عظیم الشان مجمع کو غور سے دیکھا۔

فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے پھر رہے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور ضو فشاں تھا۔ دیوانِ قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارنامو پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات عالم کی زبان سے سن رہی تھی۔ ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لئے ملتِ ابراہیمی کا مرکز بن چکا تھا۔

آپ نے ایک سو اونٹ کی قربانی ادا فرمائی۔ ۶۳ اونٹ آپ نے خود اپنے دستِ اطہر سے ذبح کئے اور ۳۷ کی سیدنا علی المرتضیٰ نے قربانی کی۔ قربانی سے فارغ ہو کر سر مبارک مُعمَر بن عبداللہ سے منڈوایا۔ فرطِ محبت سے ابو طلحہؓ اور ان کی بیوی ام سلیمؓ کو اپنے دستِ مبارک سے کچھ بال عنایت فرمائے۔ اور باقی ماندہ بال ابو طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو، دو کر کے تقسیم کر دیے۔ بعد ازاں طوافِ زیارت کیا۔ چاہ زمزم پر تشریف لائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا۔ آپ نے قبلہ رو کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ اور منیٰ واپس تشریف لے جا کر نماز ظہر ادا فرمائی۔ ۱۳ ذی الحجہ سہ شنبہ تک منیٰ میں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد منیٰ سے چل کر وادی محصب (معابدہ) میں قیام کیا۔ رات وہاں بسر فرمائی اور سحری کے وقت مکہ شریف تشریف لائے۔ کعبہ شریف کا الوداعی طواف ادا فرمایا اور نماز صبح کے بعد مدینہ منورہ کو روانگی فرمائی۔[1]

[1] مسلم شریف۔ باب حجۃ النبی، داؤد شریف باب حجۃ النبی۔ الشہر المحرم وغیرہ

Marfat.com

شق القمر

سرورِ کائنات رحمتِ موجودات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، آپ کی حقانیت اور صداقت کی واشگاف نشانیاں ہیں جن کی تعداد حد و شمار سے فزوں تر جن سے قرآن مجید، احادیث سیر اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں چونکہ کتاب کا موضوع اس بحث سے مختلف ہے۔ اس لیے صرف معجزہ شق القمر کے ایمان افروز تذکرہ ہی ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ — قیامت قریب آگئی ہے اور چاند پھٹ گیا

حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

رحمت دو عالم فخر موجودات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چاندنی رات منٰی میں رونق افروز تھے کہ مشرکینِ مکہ نے آپ سے کوئی محیر العقول نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا، اور یہ عہد بھی کیا کہ اگر کوئی انوکھی نشانی آپ نے دکھا دی تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔

پروردگار عالم نے اپنے حبیبؐ کی صداقت کو آشکار اکرنے کے لیے ایک ایسا عظیم الشان معجزہ ظاہر فرمایا جسے دیکھ کر لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جنہیں وہاں موجود ہر ایک آدمی نے دیکھا۔ لیکن اس جلیل القدر نشانی اور ٹھوس ثبوت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی ازلی بدبخت لوگوں نے اسے تسلیم نہ کیا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جادو نے آسمان پر بھی اثر کر دکھایا۔ بعض لوگوں نے اپنا ردِ عمل اس طرح ظاہر کیا۔ کہ اگر یہ جادو کا کرشمہ ہے تو آپ سارے

ے سورہ قمر پ ۲۷

Marfat.com

جہاں پر جادو تو نہیں کر سکتے۔ اس لئے دوسرے ملکوں سے آنے والے لوگوں کا انتظار کیا جائے وہ اس واقعہ کے متعلق کیا کہتے ہیں۔[۱]

سیّدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ اہل مکہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنی نبوت کی کوئی نشانی دکھائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ حتّٰی کہ انہوں نے چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان جبل حرا، کو حائل دیکھا۔[۲]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابونعیم کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ۔ عاصی بن وائل۔ اسود بن مطلب اور نضر بن حرث وغیرہ مشرکین نے جمع ہو کر نبی علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو چاند دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں۔[۳]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا جسے سب لوگوں نے صاف صاف دیکھا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر چلا گیا۔

حاضرین سے مخاطب ہو کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو دیکھو اور گواہ رہنا۔[۴]

بخاری شریف کی اس روایت میں منیٰ کا لفظ نہیں ہے لیکن ترمذی شریف کی حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ واقعہ منیٰ میں ہوا تھا۔

علامہ طاہر کردی مدظلہ نے اس خیال کی سختی سے تردید کی ہے کہ واقعہ شق القمر جبل ابی قبیس پر

---

[۱] ترمذی شریف جلد ۲ صہ ۱۶۱ سورۃ قمر [۲] بخاری شریف جلد ا صہ ۲۶ ۵ [۳] فتح الباری جلد ۷، صہ ۱۴۴

[۴] بخاری شریف جلد ۲ صہ ۷۲۱ ۔ ترمذی شریف جلد ۲ صہ ۱۶۱

Marfat.com

ہوا تھا۔ یہ روایت جو لوگوں میں عام طور پر مشہور ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔
بلکہ یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا تھا۔ نیز جبل ابی قبیس کی بلند و بالا تھکا دینے والی چوٹیوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ ہی آپؐ کا نحیف و ناتوان وجودِ مسعود پہاڑ پر چڑھنے کا متحمل ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں قریش کا جبل ابی قبیس پر رہائش پذیر ہونا بھی ثابت نہیں ہے[1]

چاند کا معجزانہ طور پہ دو ٹکڑے ہو کر پھر مل جانے کا واقعہ رات کے وقت پیش آیا تھا جس کی وجہ سے بعض جگہ تو لوگوں نے اسے دیکھا اور اکثر ممالک کے لوگوں نے یہ منظر نہیں دیکھا جس کی وجہ سے بعض ملحدین اس شہرۂ آفاق معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رشحاتِ قلم ملاحظہ ہوں۔

اس معجزہ کا اظہار جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہے منیٰ میں ہوا۔ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی چشم دید شہادت بھی پیش فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ ہجرت سے پہلے رونما ہوا تھا۔ کیونکہ ہجرت کے بعد چھٹیں سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار فرمایا مگر حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے روک لیا تھا اور آپ کے شریف میں داخل نہ ہو سکے تھے۔ اس کے بعد فتح مکہ کے وقت آپ کا ورودِ مسعود مکہ مشرفہ میں ضرور ہوا۔ لیکن اس سے پہلے مشرکین کے سرغنہ یہیں واصلِ جہنم ہو چکے تھے اور فتح مکہ کے دن کسی مشرک کو لب کشائی کی جسارت ہی نہیں ہو سکی تھی۔ اس سفر میں آپ کا منیٰ جانا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔
بالفرض آپ منیٰ گئے بھی ہوں تو اس وقت کسی کی کیا مجال تھی کہ ایسے معجزہ کا مطالبہ کرتا۔

---

[1] تاریخ القویم جلد ۱ صفحہ ۱۰۶

ہجرت کے نویں سال آپ کا مکہ میں آنا نہیں ہوا۔ پھر دسویں سال حجۃ الوداع کے لئے آپ تشریف لائے اس سال آپ نے منیٰ میں ضرور قیام فرمایا تھا۔ مگر اب تو معاشرہ پاک صاف ہو چکا تھا۔ مشرکین کی حج پر آنے کی ممانعت کا اعلان ہو چکا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں اس واقعہ کا ظہور ہجرت سے قبل ہی ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ جب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:۔

قد مضی ذاک قبل الھجرۃ — یہ معجزہ ہجرت سے پہلے ہو چکا ہے

مشرکین نے دوسرے ممالک سے آنے والے قافلوں سے بھی اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بھی اپنا مشاہدہ بیان کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی جس قدر یہ معجزہ عظیم الشان ہے قدرت نے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مضبوط فراہم کر دیا اور وہ بھی ایسے زمانہ اور ماحول میں جہاں ان امور کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ یعنی اس امر کی شہادت موافق، مخالف، حاضر اور غائب سب کی زبان سے ثابت ہو چکی ہے[1]

مفتیٔ اعظم مفتی محمد شفیع مرحوم و مغفور لکھتے ہیں:۔

چونکہ یہ واقعہ رات کے وقت نمودار ہوا۔ جس کے باعث بعض جگہ دیکھا گیا اور اکثر ممالک میں مشاہدہ نہیں کیا گیا۔ ایک واقعہ کا اچانک ظہور پذیر ہونا اور وہ بھی رات کے وقت جب کہ اکثر لوگ غفلت میں یا سوئے ہوئے ہوتے ہیں اسے نہ دیکھنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ لیکن بایں ہمہ مشرکین نے انہی دنوں دوسرے ممالک سے آنے والے قافلوں سے اس کی تصدیق کر لی تھی۔

[1] ترجمان السنۃ جلد ۴ ص ۱۶۳

Marfat.com

"تاریخ فرشتہ" کے مؤلف نے ہندوستان کے راجہ ملیبار کا ذکر کیا ہے کہ اس محیر العقول واقعہ کو راجہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسے اپنے روزنامچہ میں لکھوایا تھا اور یہی واقعہ اس کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔[1]

محقق عصر حاضر علامہ قاضی سلیمان منصورپوریؒ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ ثابت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں رات کے ۹ بجے جب یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کیا وقت تھا جس سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ پوری دنیا میں اس کا دیکھا جانا ممکن تھا یا نہیں۔

ہندوستان	۵۰	۱۲	رات	شمالی لینڈ۔ مڈغاسکر	۲۰	۱۰	شب
مارشیس	۲۰	۱۱	"	ریاستہائے ملایا	۲۰	۲	بعد نیم شب
رومانیہ۔ بلغاریہ۔ ترکی۔ یونان۔ جرمنی، لکسمبرگ۔ ڈنمارک اور سویڈن	۲۰	۸	دن	جزائر سنڈوک	۵۰	۷	دن
آئس لینڈ۔ مڈیریا	۲۰	۵	"	انگلستان۔ آئرلینڈ۔ فرانس، بلجیم۔ سپین۔ پرتگال۔ جبل الطارق، الجیریا۔ پیرو۔ تہامہ۔ جمیکا۔ بھامن	۰۰	۶	"
مشرقی برازیل	۲۰	۲	بعد نیم شب				
متوسط برازیل چلی	۲۰	۲	"	امریکہ	۲۰	۱	بعد نیم شب
برٹش۔ کولمبیا	۲۰	۱۰	قبل دوپہر	سموا	۲۰	۶	دن
لوکون	۲۴	۹	"	نیوزی لینڈ	۵۰	۶	"
برما	۵۰	۱	بعد نیم شب	تسمانیہ۔ وکٹوریہ۔ نیو ساؤتھ	۲۲	۵	صبح

[1] معارف القرآن جلد ۸ صہ ۲۲۶

Marfat.com

جنوبی آسٹریلیا	۵۰	۴	صبح
جاپان۔ کوریا	۲۰	۴	سہ پہر
مغربی آسٹریلیا۔ شمالی بورنیو۔ جزائر فلپائن۔ ہانگ کانگ اور چین	۲۰	۳	"
(یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق تیار کیا گیا ہے[۱])			

خلافت فاروقی

عہد فاروقی میں مکہ معظمہ کی اصلاحات کے ضمن میں علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام بلاد عرب کو غیر مسلم آبادی سے پاک کر دیا تھا اور حرمین شریفین میں غیر مسلموں کا داخلہ قانوناً ممنوع قرار دے دیا تھا جس کی وجہ سے جدّہ ینبوع اور صنعاء کی بندرگاہوں تک غیر مسلم آتے تھے مگر مکہ شریف میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے[۲]

امام المورخین علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:۔

"قدیم زمانہ سے مکہ شریف میں انتہائی تباہ کن سیلاب آتے رہتے تھے جن سے نہ صرف جانی اور مالی نقصان ہوتا تھا بلکہ بیت اللہ شریف کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچتا رہا۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیلاب کی روک تھام کے لئے "المدعا" میں (مروہ کے قریب) ایک بہت مضبوط بند تعمیر کرایا جس کے باعث ۱۸۵ سال تک حرم شریف اور اہل مکہ سیلاب کی آفت سے محفوظ رہے۔ بعد ازاں ۲۰۲ھ میں وہ بند کمزور ہو جانے کی وجہ سے سیلاب کی نذر ہو گیا"[۳]

۱؎ رحمت للعالمین جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ ۲؎ دائرۃ المعارف جلد ۹ صفحہ ۳۳۴ ۳؎ اعلام الاعلام صفحہ ۶۰

Marfat.com

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "ازالۃ الخلفاء" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:
"۱۷ھ میں جب امیر المومنین خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فریضہ حج ادا کرنے مکہ معظمہ تشریف لائے تو انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ہر ایک منزل پر چوکیاں، سرائیں، چشمے، سایہ دار جگہیں اور مسافر خانے بنوائے۔ بہت سے نئے کنوئیں کھودنے اور پرانے صاف کرنے کا حکم دیا: تاکہ حجاج کرام کو پانی سہولت سے دستیاب ہو سکے۔"[1]

امیر المومنین خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرم شریف کی توسیع کے لئے قرب وجوار کے بہت سے مکانات خرید کر اسے وسیع کیا۔ انہوں نے ایک ایسے عظیم الشان نیک کام کی بنیاد رکھی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ قیامت تک جاری رہے گا۔

بنا کردند خوش رسم بخون وخاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

خلافت اموی

اموی خاندان میں سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ کی ترقی اور فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دی۔ سبزیوں کی پیداوار اور پینے کے لیے پانی کا معقول انتظام کیا۔ متعدد بند، حوض اور کنوئیں بنوائے۔ بعد ازاں اموی خلفاء نے نہ صرف سیلاب کی روک تھام کے لیے بند تعمیر کیے بلکہ سیلاب کا رخ موڑنے کے لیے نالے کھدوائے۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں کعبہ شریف کی حفاظت کے لئے حرم شریف کے چاروں طرف ایک مضبوط پشتہ تعمیر ہوا جس میں شام اور مصر کے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اموی

[1] الفاروق جلد ۲ صہ ۶۶

Marfat.com

دور میں مکہ، مدینہ اور طائف پورے حجاز میں بڑی اہمیت کے شہر تھے [۱]

گورنر خالد بن عبداللہ القسری الیمنی نے بہت سے قابلِ تعریف کام کئے تھے۔

مثلاً :- رمضان شریف میں طواف کے دوران تکبیرات بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا۔ ان سے پہلے کعبہ شریف کی صرف ایک سمت میں صفیں بنائی جاتی تھیں۔ لیکن موصوف نے چاروں طرف صفیں بنانے کا طریقہ رائج کیا۔ عورتوں کو مردوں سے الگ ہو کر طواف کرنے کا حکم دیا۔ حجاج کرام کو پانی کی سہولت فراہم کرنے کی غرض سے چاہ زمزم کے اوپر حوض تعمیر کرائے۔

موصوف کے دادا عقبہ بن الازرق نے سب سے پہلے حرم شریف میں روشنی کا انتظام کیا تھا۔ وہ اپنی حویلی کی دیوار پر ایک بہت بڑا چراغ جلا کر رکھتا تھا جس سے پورا مطاف منور ہو جاتا تھا۔ خالد موصوف نے اپنے عہدِ امارت میں ایک اور چراغ کا اضافہ کر دیا۔ اس نے حجرِ اسود کے سامنے زمزم کے قریب لکڑی کا ایک ستون نصب کیا جس پر چراغ جلایا جاتا تھا۔ اسی نسبت سے اس چراغ کا نام مصباح زمزم مشہور ہوا [۲]

اس کے علاوہ شہر کے باہر ایک کنواں بھی بنوایا تھا جس کے سبب پانی کی قلت رفع ہو گئی تھی [۳]

۱۱۲ھ میں مکہ شریف قحط اور گرانی کی لپیٹ میں آ گیا۔ مرغی ایک درہم میں اور جوار تقریباً ایک سیر بیس درہم میں فروخت ہونے لگی [۴]

خلافت عباسی

۱۳۲ھ تا ۹۲۳ھ

خلافت عباسی میں اسلامی ریاست کے مراکز دمشق، شام اور بغداد ہونے کی وجہ سے

---

[۱] قسم کم صہ ۱۹۵ [۲] شفاء الغرام صہ ۱۰۱ [۳] روض الانف جلد ۱ صہ ۱۰۹ [۴] شفاء الغرام صہ ۳۱۱

Marfat.com

مکہ معظمہ میں صرف ایک گورنر تعینات کر دیا جاتا جو وہاں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ بعض اوقات امیر حجاج ہی کو عارضی گورنر بنا دیا جاتا تھا جو حج کے دنوں میں وہاں کا نظم و نسق چلاتا تھا۔

عباسی خلفاء نے اہالیان مکہ کی امداد و تعاون اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی عہد خلافت میں بلا تمیز تمام شہریوں کو صدقات و خیرات دے کر مالا مال کر دیا تھا۔ موصوف نے بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ اور ان میں سے کوئی شخص بھی محتاج اور مفلس نہیں رہا[1]۔

عباسی دور کی ایک عظیم یادگار "نہر زبیدہ" ہے جسے زبیدہ خاتون نے بنوایا تھا۔ جو عدیم النظیر منفعت کی حامل اور زبیدہ کے باقیات الصالحات کا عظیم شاہکار ہے۔ اس کی تفصیلات پوری شرح و بسط کے ساتھ آئندہ صفحات میں قارئین پڑھیں گے۔

۱۶۰ھ میں جب خلیفہ مہدی عباسی فریضہ حج ادا کرنے مکہ مکرمہ آیا تو اس متقی و پرہیزگار اور نیک خصال خلیفہ نے لاکھوں دینار باشندگانِ مکہ میں تقسیم کیے[2]۔

۴۵۵ھ میں علی بن محمد صلیحی امارت مکہ پر تعینات ہوئے تو ان کے حسنِ انتظام اور اخلاقِ کریمانہ سے ظلم و جور کا دور ختم ہوا۔ اور رعایا کو عدل و انصاف اور امن و امان کی دولت نصیب ہوئی۔ لوگ ان کی حسن کارکردگی سے اس قدر مطمئن اور مسرور تھے کہ ہر آدمی کی زبان سے ان کے حق میں دعا نکلتی تھی[3]۔

۵۶۹ھ میں مکہ معظمہ شدید ترین قحط کی گرفت میں آ گیا۔ پونے دو سیر گندم ایک دینار میں فروخت ہونے لگی۔ لوگ بھوک کی شدت سے خون، چمڑے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اکثر لوگ جاں بحق ہو گئے۔ پھر خلیفہ المستضی بامر اللہ نے صدقہ و خیرات کا بہت زیادہ مال بھیجا، جس کے سبب قحط کی آفت سے لوگوں کو نجات حاصل ہوئی[4]۔

---

[1] اعلام الاعلام صفحہ ۹۰ [2] ایضاً ۳۹۰ [3] شفاء الغرام صفحہ ۲۱۲ [4] ایضاً صفحہ ۳۱۱

Marfat.com

خلافت عثمانیہ

دولت عثمانیہ کی بعض سماجی، معاشی اور رفاہی خدمات کا تذکرہ سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

۸۱۱ھ میں سلطان غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر شاہ نے ہندوستان سے اپنے خادم خاص یاقوت الغیاثی کے ہاتھ بہت زیادہ تعداد میں مال و دولت دے کر حرمین شریفین بھیجا تاکہ وہاں کے باشندوں کی خدمت میں وہ مال پیش کرے۔ علاوہ ازیں تعلیم و تربیت کے فروغ کی خاطر باب ام ہانی کے قریب ایک مدرسہ جاری کیا اور زائرین، مدرسین اور طلباء کی رہائش کے لئے ایک سرائے تعمیر کرائی۔ نیز نہر بازان کو مرمت کرایا جس سے پانی کی قلت رفع ہو گئی۔[1]

۸۱۶ھ میں حسن بن عجلان نے حرم شریف کے شمال میں ایک ہسپتال "بیمارستان" کے نام سے بنوایا جس میں امیر غریب، مقیم اور مسافر سب کا علاج بلا معاوضہ کیا جاتا تھا۔ مریض شفایاب ہونے کے باوجود جب تک خود نہ جانا چاہے اسے فارغ نہیں کیا جاتا تھا۔ قیام، طعام اور علاج وغیرہ تمام انتظام بلا معاوضہ تھے۔ اس طریق کار اور حسن انتظام سے غربا اور مساکین کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔[2]

۸۴۳ھ میں امیر سودون نے عرفات کا راستہ خاردار درختوں اور چٹانوں سے صاف کرایا۔ خاردار درختوں کی بہتات کے سبب حجاج کا چلنا سخت دشوار تھا۔ راستوں کی صفائی اور توسیع کے اس عظیم کار خیر پر موصوف کو لوگوں نے مبارکباد پیش کی۔

۸۵۰ھ میں خواجہ بیرم ناظم حرم نے معلاۃ میں ایک سبیل اور حوض تعمیر کرایا جن کے پانی سے انسانوں کے لئے، جانور، پرندے اور درندے بھی سیراب ہوتے تھے ان دونوں باقیات الصالحات

---

[1] اعلام الاعلام صہ ۱۹۹ [2] ایضاً صہ ۲۰۳

Marfat.com

سے ۹۶۸ھ تک خلقِ خدا بہرہ یاب ہوتی رہی۔ بعدازاں پانی کی کثرت کے باعث مولانا محمد بن محمود آفندی قاضی مکہ نے وہاں باغ بھی بنایا تھا۔[1]

۸۵۱ھ میں سلطان مراد خان ثانی کا ایک نیک سیرت وزیر فریضۂ حج ادا کرنے آیا۔ تو اس نے مکہ اور مدینہ کے باشندوں کو صدقات و خیرات دے کر مالا مال کر دیا۔ موصوف نے حوضِ عباسؓ میں ۳۶ بوری شکر اور کافی مقدار میں شہد ڈال کر بہت زیادہ شربت بنایا۔ جس سے حجاج کرام کو خوب سیراب کیا۔ علاوہ ازیں نہر زبیدہ کی اصلاح اور مرمت کا کام بھی کرایا۔

۸۵۳ھ میں موصوف نے عرفات کے متعدد حوض جو عرصہ دراز سے مٹی اور ریت سے اَٹے پڑے تھے صاف کرا کر قرب و جوار کے کنوؤں سے پانی لا کر بھر دیا۔ جس کے سبب حجاج کو عرفات میں پانی کی تکلیف پیش نہ آئی۔[2]

۸۷۴ھ میں سلطان اشرف قایتبائی نے منٰی میں مسجد خیف کے قریب حجاج کرام کی رہائش کے لئے ایک مکان تعمیر کرایا اور اس کے دروازہ کے پاس پانی کی سبیل بنوائی جسے مسجد کے صحن میں واقع حوض سے بھر دیا جاتا تھا۔ اس کارِ خیر سے منٰی میں بھی حجاج کو پانی کی دقت نہیں ہوئی۔[3]

سلطان موصوف نے نہر زبیدہ کی صفائی اور مرمت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ گذشتہ ۱۵۰ سال سے نہر خشک پڑی تھی۔ کیونکہ مٹی، ریت اور دیواروں کے گرنے سے پانی بند ہو گیا تھا۔ مرمت اور صفائی کا کام جبلِ رحمت سے لے کر وادیٔ نعمان تک کیا گیا۔ جس میں وافر مقدار میں پانی پایا گیا۔ پھر حوض اور برساتی گڑھوں کو صاف کرایا اور پانی سے بھروا دئے۔

اس کے بعد نہر خُلَیص کی مرمت کرائی اور اس کے قریب واقع تمام حوض صاف کر کے پانی سے بھر دیئے

---

[1] اعلام الاعلام صہ ۲۱۷ [2] ایضاً ۲۱۱ [3] ایضاً ۲۲۳

Marfat.com

اس طرح زائرین اور حجاج کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔[1]

۸۸۶ھ میں سلطان بایزید ثانی بن سلطان محمد خان نے اپنے عہدِ خلافت میں حرمین شریفین کے باشندوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ وہ ہر سال ۴۵۰۰ دینار سرخ بھیجتا۔ جو نصفا نصفی کر کے مکہ اور مدینہ کے لوگوں میں تقسیم کر دئے جاتے تھے۔[2]

۹۰۶ھ میں سلطان قانصوہ غوری نے باب ابراہیم کے باہر بیت الخلا بنوائے۔ مگر صفائی کا انتظام ناقص ہونے کی وجہ سے ان میں تعفن پیدا ہو جاتا تھا۔ جس سے حرم شریف میں نمازیوں کو اذیت پہنچتی تھی۔ چنانچہ ۹۶۸ھ میں انہیں بند کر دیا گیا۔[3]

۹۲۳ھ میں سلطان سلیم خان نے مکہ کے علماء اور فقہاء کا ایک سو دینار ماہوار مقرر کیا تھا جسے بعد میں شریف ابی نمی نے ۵۰۰ دینار کر دیا علماء، فقہا، غربا اور دوسرے لوگوں کے نام رجسٹر میں درج کرائے اور ان کا حسب مراتب ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ اس کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ تمام غربا اور مساکین کو دو، دو دینار دئے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی برس تک جاری رہا۔

اسی سال سلطان موصوف نے گندم کے پانچ ہزار تھیلے خیرات کئے۔ غلہ تقسیم کرنے کے لئے تمام محلوں کی مردم شماری کرائی گئی۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کی مجموعی تعداد ۱۲۰۰۰ تھی۔ آدمی کو گھر کے افراد کے مطابق فی کس کے حساب سے غلہ دیا گیا۔ اس زمانہ میں قحط اس قدر شدت اختیار کر گیا تھا اگر خدانخواستہ سلطان موصوف کی امداد نہ پہنچتی تو لوگ بھوک سے مر جاتے۔ ان صدقات جاریات کا سلسلہ علامہ قطب الدینؒ کے زمانہ ۹۶۸ھ تک مسلسل جاری رہا۔[4]

۹۲۹ھ میں سلطان مذکور کے خلف الرشید سلطان سلیم خان نے اس مقدار میں اضافہ کر دیا۔ عام شہریوں

---

[1] اعلام الاعلام صد ۲۲۴ [2] ایضاً صد ۲۶۱ [3] ایضاً ۲۴۴ [4] ایضاً صد ۲۸۵

Marfat.com

کے لئے سات ہزار تھیلے اور فقراء مساکین کے لئے تین ہزار تھیلے گندم کر دی گئی۔ اسی طرح مدینہ منورہ، ینبوع اور جدہ کے لئے بھی سالانہ امداد مقرر کر دی۔

علاوہ ازیں جدہ کے ایسے معذور اور نادار لوگ جو حج کا شوق رکھتے ہوئے بھی اس سعادت سے محروم تھے ان کے لئے پانچ ہزار اردب گندم مخصوص کی گئی۔ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ کے حجاج کو عرفات کے اخراجات کے لئے ایک ہزار دینار دیئے جاتے۔ اور مکہ مکرمہ کے فقراء میں بھی حج کے دنوں میں وظائف تقسیم کئے جاتے تھے۔ علماء کرام اور صلحاء عظام کی خدمت میں عمدہ اور نفیس پوشاک کا ہدیہ پیش کیا جاتا تھا۔[1]

۹۶۵ھ میں سلطان اعظم سلطان سلیمان خان کے حکم سے حرم شریف کے قریب فقراء اور غرباء کے لئے ایک سرائے تعمیر کرائی گئی تاکہ یہ لوگ حرم شریف کو قیام گاہ نہ بنائیں۔ اسی عمارت میں ایک دارالشفاء تعمیر کرایا اور اس کے متصل فقراء، غرباء اور مریضوں کے استعمال کے لئے چند دوکانیں اور مکان بھی بنوائے علاوہ ازیں شہر کے وسط میں ایک عالیشان حمام بنوایا جس میں صاف ستھرا پانی اور ہوادار کمرے تھے۔ سلطان موصوف کے یہ جلیل القدر اور منفعت بخش کارنامے ۹۸۴ھ تک قائم رہے۔[2]

۹۹۴ھ میں سلطان سلیم خان نے زائرین اور دوسرے لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر باب الصفا کے باہر دائیں طرف پانی کی ایک سبیل بنوائی اور اس کے قریب ہی وضو کے لئے جگہ بنائی گئی۔ یہ کام ۹۹۵ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اس پر بیس ہزار دینار خرچ آیا۔

۹۹۷ھ میں حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ کے باشندوں کے لئے تین ہزار دینار، امیر اور شریف مکہ کے لئے زر کثیر اور قاضی و شیخ حرم کے لئے قیمتی پوشاک بھیجیں۔[3]

---

[1] اعلام الاعلام ۳۸۸، ۳۸۹ [2] ایضاً ص ۳۰۸ [3] ایضاً ص ۴۱۶

Marfat.com

خاندانِ سعود

اس عظیم المرتبت خاندان کی قابلِ صد افتخار تاریخ بہت قدیم اور طویل ہے۔ لیکن زیرِ نظر کتاب کے مضمون سے تفاوت کے باعث طویل و عریض واقعات وحالات قلم بند کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ بایں ہمہ اس خاندان کی حرمین شریفین کی ناقابلِ فراموش خدمات اور زریں کارہائے نمایاں کے پیشِ نظر اس خاندان کی تفصیلات سے قارئین کو محروم رکھنا بھی صریح ناانصافی اور ناسپاس گزاری ہوگی۔ اس لئے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی قدر تفصیلات سپردِ قلم کی جاتی ہیں:۔

نسب نامہ خاندان عالیہ سعودیہ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:۔

فیصل بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود بن محمد بن مقرن بن مرخان بن ابراہیم بن موسیٰ بن ربیعہ بن مانع بن المسیب بن المقعد بن یدران بن مالک بن سالم بن مالک بن غسان بن ربیعہ بن منقذ بن الحارث بن ہمام بن مرہ بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان[1]

۱۴۶۶ء عیسوی میں قطیف کا ایک عام شہری، ریاض کے قریب "منفوحہ" میں مقیم اپنے ایک رشتہ دار ابن درع کو ملنے گیا۔ میزبان رئیس کبیر تھا۔ اس نے مہمان کو غصیبہ اور المائبہ کی جاگیر تحفہ میں دے دی۔ اور ساتھ ہی اپنی دوشیزہ سے عقد بھی کر دیا یہی علاقہ بعد میں درعیہ کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔

اسی بستی میں محمد بن مقرن کے گھر ۱۶۶۵ء میں ایک فرزند ارجمند تولد ہوا جس کا نام سعود رکھا گیا۔ سعودی عرب کے موجودہ فرماں روا شاہ خالد ان کی سولہویں پشت میں ہیں۔ ...

[1] المملکۃ العربیہ السعودیہ جلد اول ص ۲۶

Marfat.com

۲۵ برس کی عمر میں درعیہ کے امیر بنے۔ ۱۱۲۳ھ مطابق ۱۷۱۱ء سعودی گھرانے میں اس بطل جلیل نے جنم لیا جسے عبدالعزیز اوّل کے نام سے دنیا یاد کرتی ہے۔

۱۲ جون ۱۷۲۵ء امیر سعود اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور ان کے جانشین زید بن مرخان بنے۔ ان کے بعد عبداللہ بن معمر اور پھر ۱۷۲۶ء میں محمد بن سعود درعیہ کی امارت پر فائز ہوئے اور تادم آخر ۱۱۷۹ھ مطابق ۱۷۶۰ء تک اس عہدہ پر متمکن رہے۔

محمد بن عبدالوہاب | اس اثنا میں ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء عیینہ میں شیخ عبدالوہاب کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا۔ والد گرامی قدر سے تفسیر، حدیث اور فقہ حنبلی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد زیارت حرمین شریفین کو جانا ہوا۔ وہاں مدینہ منورہ کے شیوخ سے اکتساب علم کیا۔ بعد ازاں بصرہ کے جیّد علمائے کرام سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔

موصوف نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہاں ہر سو مشرکانہ اور جاہلانہ رسومات کا دور دورہ تھا۔ ایمان اور اسلام نام کا باقی رہ گیا تھا۔ مسلمانوں کی ہلاکت خیز گمراہی کو دیکھ کر شیخ نے توحید و رسالت اور اصلاح اعمال کی تبلیغ شروع کر دی۔

عقیدہ | شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین کا عقیدہ ان کی اپنی تصریحات کے مطابق حسب ذیل تھا۔

"ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اور مقام ساری مخلوق سے اعلیٰ اور افضل ہے آپ اپنی قبر مبارک میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جو شہدا کی زندگی سے بلند تر ہے۔ کیونکہ آپ بلاشک و شبہ شہدا سے افضل ہیں۔ آپؐ سلام پیش کرنے والے کا سلام سنتے ہیں۔ آپؐ کی قبر اطہر کی زیارت مسنون ہے۔ لیکن شد رحال کی مشہور حدیث کے پیش نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسجد نبویؐ کی

Marfat.com

حاضری اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر کیا جائے۔ اور اگر اس کے ساتھ زیارت قبر اطہر کا قصد بھی شامل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جو شخص اپنا قیمتی وقت آپ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے، تو حدیث شریف کی رو سے اسے دنیا اور آخرت کی سعادت اور کامرانی نصیب ہوگی۔ اور درود شریف کی برکت سے رنج والم اور پریشانیوں سے نجات مل جائے گی۔

ہم اولیاء اللہ کی کرامت کو تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو خاص مرتبہ اور مقام عنایت فرمایا ہے۔ ہم اس کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ زندگی میں اور نہ ہی مرنے کے بعد کسی قسم کی عبادت کے مستحق ہیں اور نہ وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ البتہ زندگی میں اولیاء سے بلکہ ہر مسلمان سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ قیامت کے دن شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء، اولیاء ملائکہ اور معصوم بچے بھی شفاعت کریں گے جس کی تصریح احادیث صحیحہ میں وارد ہوتی ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس شفاعت کے طلب گار ہیں۔ انتہائی عاجزی اور انکساری سے بارگاہ خداوندی میں التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ اور اسے ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ ہم اسی طرح اولیاء کرام اور فرشتوں کی شفاعت کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں[۸]۔ ہمارا مسلک حنبلی ہے لیکن ہم چاروں فقہی مسالک کو حق پر سمجھتے ہیں اور ہم کسی بھی مسلمان کی تکفیر نہیں کرتے۔ ہماری نسبت جتنی باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں[۹]۔"

۸۔ سیرت محمد بن عبدالوہاب ص ۵۸، ۵۹

۹۔ سیرت محمد بن عبدالوہاب ص ۴۸، ۴۹

Marfat.com

عہد ساز رفاقت امیر محمد بن سعود اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے مابین بھرپور تعاون اور طویل رفاقت کا عہد صرف دو شرائط پر طے ہوا تھا۔ ابن سعود نے شیخ سے کہا:

"مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر میں نے آپ سے تعاون کیا اور ہم نے دنیا فتح کر لی تو آپ مجھے چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ میں اپنی رعایا سے زراعت اور دیگر کاروبار کی آمدنی پر قانوناً مالیہ وصول کرتا ہوں لیکن آپ مجھے اس کی وصولی سے منع کر دیں گے۔"

شیخ نے جواب دیا۔

"پہلی شرط مجھے منظور ہے ہاتھ بڑھائیں اور عہد لے لیں۔ اور دوسری شرط کے متعلق عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دے گا۔ اور آپ کو اس قدر مالِ غنیمت ملے گا کہ مالیہ کی آمدن کی حیثیت اس کے سامنے پرِکاہ کے برابر بھی نہیں ہو گی۔"

باہم معاہدہ طے ہو جانے کے بعد مالِ غنیمت کا بیس فی صد مرکزی بیت المال میں جمع ہوتا تھا جسے دونوں رہنما اپنے فرائض کی انجام دہی پر خرچ کرتے تھے۔ اس طرح یہ بے نظیر تعاون اور اشتراک تقریباً نصف صدی تک قائم رہا اور بالآخر اجل نے اسے منقطع کر دیا۔

امیر ابن سعود کی تلوار اور شیخ کی تبلیغ نے ایسے جوہر دکھائے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ریاست کی حدود وسیع تر ہو گئیں۔ لیکن جب ابن سعود پیرانہ سالی کے سبب سیاسی، مالی اور انتظامی امور کے بوجھ کا متحمل نہ رہا تو شیخ کے مشورہ سے ۱۱۷۹ھ مطابق ۱۷۵۰ء میں عبدالعزیز بن سعود کو ولی عہد بنا دیا گیا۔ ۱۷۶۴ء میں وادیِ ضیغہ کے مقام پر امیر نجران حبت اللہ سے گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں امیر عبدالعزیز شکست کھا گیا۔ ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۶۵ء کو امیر محمد بن سعود اس دارِ فانی سے عالمِ بقا کو رحلت فرما گئے۔

۱۱۸۱ھ مطابق ۱۷۷۱ء میں امیر عبدالعزیز ریاض پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا جب

Marfat.com

ارقہ گاؤں میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ دہام بن دواس والئ ریاض اس گاؤں پر قبضہ کرنے آرہا ہے۔ لیکن جب دہام نے عبدالعزیز کی فوج دیکھی تو الٹے پاؤں واپس بھاگ گیا۔ مگر عبدالعزیز نے بجلی کی سی تیزی سے اس کا تعاقب کیا۔ چنانچہ دہام کے دو بیٹے دواس اور سعدون اپنے چند ہمراہیوں سمیت قتل کر دیے گئے۔ دہام کے لیے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا جس کے سبب خود اعتمادی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں جب امیر عبدالعزیز نے ریاض کی طرف پیش قدمی کی تو دہام نے راہ فرار اختیار کر لی۔ اور اس طرح ریاض پر عبدالعزیز کا قبضہ ہو گیا۔ اسی سال احمد بن سعید والی مکہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور امیر عبدالعزیز کی طرف خط لکھا کہ اپنا کوئی معتمد عالم مکہ بھیجیں تاکہ وہ آپ کی دعوت کی تفصیلات سے آگاہ کرے۔ چنانچہ عبدالعزیز بن عبداللہ الحصین کو بھیجا گیا جو ۱۱۸۶ھ میں مکہ پہنچے۔ ۱۷۹۰ء اور ۱۷۹۵ء میں غالب بن مساعد درعیہ پر حملہ آور ہوا۔ ۱۷۹۶ء میں دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ اور غالب کو شکست فاش ہوئی۔ ۱۷۹۹ء میں دونوں میں عارضی صلح ہوئی جس کے باعث وشم اور قصیم کے لوگ حج کی سعادت سے فیض یاب ہوئے۔ ۱۸۰۰ء میں نجد کے بہت سے لوگوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ رجب ۱۲۱۸ھ مطابق جون ۱۸۰۳ء میں امام عبدالعزیز کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں عثمان نامی ایک شخص نے شہید کر دیا۔

۱۸۰۳ء میں سعود بن عبدالعزیز کی رسم تخت نشینی ادا کی گئی۔ موصوف رموزِ سلطنت اور امورِ جہانبانی میں خاصی مہارت کے حامل تھے۔ اسی سال مکہ معظمہ فتح ہوا۔ ۱۸۰۵ء میں مدینہ شریف بھی زیرنگیں کر لیا۔ ۱۸۱۰ء میں سلطان سعود نے ساتویں مرتبہ حج ادا کیا۔ اور اعلان کیا کہ آئندہ اس مقدس شہر میں کوئی آدمی ہتھیار لے کر نہیں آسکتا اور نہ ہی خواتین زیورات اور ہیروں کی نمائش کریں گی۔ جب کہ اس سے دو سال قبل سرِعام تمباکو نوشی کی ممانعت کر دی گئی تھی۔

Marfat.com

۱۱ر مارچ ۱۸۱۸ء میں ابراہیم نے درعیہ کا محاصرہ کر لیا اور چھ ماہ بعد ۱۱ ستمبر کو فتح کر لیا۔ ۱۸۲۰ء میں مشاوری کی قید سے سعود فرار ہو کر درعیہ پر قابض ہو گیا۔ ۱۸۲۲ء میں امیر ترکی نے ریاض پر کئی مرتبہ حملہ کیا۔ بالآخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ امیر ترکی کی فوج نجد کا سارا علاقہ خالی کر دے۔ ۱۸۲۹ء میں فیصل بن ترکی نے احسا پر قبضہ کیا۔ اور ۱۸۳۴ء کو امیر ترکی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔[1]

۲۰ر رجب ۱۲۸۲ھ میں فیصل بن ترکی کا وصال ہو گیا۔ شہزادہ عبداللہ کو جانشین بنایا گیا۔ لیکن شہزادوں کی باہمی چپقلش کے باعث ان کی حکومت کو دوام نصیب نہ ہوا۔ ۱۲۹۲ھ میں امام عبدالرحمٰن بن فیصل کو امیر بنایا گیا مگر خاندانی رنجش نے ان کی قوت کا شیرازہ تار تار کر دیا تھا جس کے سبب حائل کے امیر ابن رشید نے ریاض پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ۱۲۹۴ھ میں اس نے ریاض کے گرد و نواح میں چند مقامات پر قبضہ کر لیا۔

اسی سال ۴ر جمادی الثانی کو شریف مکہ عبداللہ بن محمد بن عبدالمعین ۱۹ سال مکہ معظمہ کی امارت پر فائز رہنے کے بعد ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ ۱۲۹۵ھ سے ۱۲۹۹ھ تک نجد و حجاز میں حالات سخت پُرآشوب تھے۔ ۱۲۹۹ھ میں عون بن محمد بن عبدالمعین مکہ کا گورنر بنا۔

آلِ سعود کو باہمی جنگ و جدال میں مصروف پا کر ابن رشید نے ۱۳۰۲ھ میں ریاض پر حملہ کر دیا امام عبدالرحمٰن کے علاوہ تمام شہزادوں کو شہر بدر کر دیا اور سلیم کو وہاں حاکم بنا دیا۔

۱۸۸۰ء صبح صادق کے قریب امام عبدالرحمٰن کے گھر ایک فرزند ارجمند پیدا ہوا جس کا نام جدِ اعلیٰ کی نسبت سے ابنِ سعود رکھا۔ جمادی الاوّل ۱۳۰۸ھ امام عبدالرحمٰن الحصا چلے گئے۔ کچھ دن بعد

---

[1] المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ج ۱ ملخصاً

Marfat.com

اہلِ خاندان کو بحرین بھیج دیا۔ جزیرۃ العرب میں ترکوں کی آئینی حکومت تھی۔ وہ تمام قبائل میں توازن قائم رکھنا چاہتے تھے کہ مبادا کوئی قبیلہ حکومت پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ آلِ سعود کی مسلسل شکست اور آلِ رشید کی مکمل فتح سے حکومت خائف تھی۔ بنابریں کویت کے حکمران محمد نے امام عبدالرحمن کو طلب کیا اور انہیں اعزازات و انعامات سے نوازا۔ جب امام موصوف کو طمانیت قلبی نصیب ہوئی تو پھر ریاض فتح کرنے کا منصوبہ بنانے لگے۔ اسی اثنا میں محمد کو اپنے بھائی مبارک نے قتل کر کے کویت کی امارت پر قابض ہو گیا۔ چونکہ شیخ مبارک بھی امام عبدالرحمن کی شخصیت سے بے حد متاثر تھا اس لئے آلِ سعود کے حوصلے بلند اور عزم راسخ ہو گئے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں جب کہ امام موصوف کی عمر پچاس سال کی ہو چکی تھی شہزادہ عبدالعزیز نے شیخ مبارک کی معاونت سے ریاض پر حملہ کیا مگر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن شوال ۱۳۱۹ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۰۲ء میں شہزادہ نے ریاض فتح کر لیا اور اس طرح گیارہ سال کی جلاوطنی کے بعد آلِ سعود نے دوبارہ خاندانی شوکت و سطوت کو حاصل کر لیا۔ چند سالوں میں نجد کے آدھے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

۱۳۲۰-۲۱ھ مطابق ۱۹۰۱-۲ء میں آلِ رشید اور آلِ سعود کے مابین زبردست جنگ جاری رہی مگر فتح و نصرت نے ابن سعود کی عظمت کے انمٹ نقوش لوگوں کے دلوں پر مرتسم کر دیئے۔ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء کے اوائل میں قحط کی سنگینی کے باعث فریقین کو جنگ موقوف کرنا پڑی۔ ۱۳۳۲ھ تک نجد کا پورا علاقہ آلِ سعود کے زیرِ نگین ہو چکا تھا۔ اس سیاسی استحکام کے بعد مذہبی استحکام کے لئے سلطان نے دعوت الی الحق کی تحریک پورے جوش و خروش سے شروع کر دی۔[1]

جنوری ۱۹۱۰ء کی جنگ عظیم میں سلطان محمد رشاد نے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے جہاد کا

---

[1] المملکۃ العربیۃ السعودیہ جلد ۱ ص ۳۵۹ تا ۳۶۸ ملخصاً

Marfat.com

فتویٰ دیا اور ترکوں نے جنگ میں شمولیت اختیار کر لی[5]۔

برٹش حکومت جو نجد و حجاز میں اپنے حامیوں کی تلاش میں بڑی سرگرمی سے مصروف تھی۔ اس نے ۱۹۱۵ء میں امیرِ مکہ حسین بن علی سے معاہدہ کر لیا۔ اس عالمی جنگ میں ابن سعود نے نہ تو کسی کا تعاون کیا اور نہ ہی مخالفت۔ اگرچہ اس پالیسی سے فائدہ انگریز ہی کو پہنچا۔

علماء دیوبند کا ابتلاء

اسی زمانہ میں جب کہ حجازِ مقدس کا امن و امان تاخت و تاراج ہو چکا تھا شریف مکہ کی انگریز نواز پالیسی کے باعث ہندوستان کے چند مشاہیر اور چند علماء کرام قید و بند کی روح فرسا صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔ اس جاں گداز داستان کا اجمالی خلاصہ حسبِ ذیل ہے:-

۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نور اللہ مرقدہٗ۔ مولانا عزیز گل سخا کوٹ صوبہ سرحد۔ مولانا محمد میاں انبہوٹوی اور چند دیگر رفقا کی معیت میں فریضہ حج ادا کرنے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مناسک حج سے فراغت کے بعد شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ عرصہ حاضر باشی کے بعد دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔

چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں انگریز کے خلاف علماء کرام و عوام الناس نے زبردست تحریک چلا رکھی تھی اس لئے ان اکابرین کی نقل و حرکت کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ برٹش [illegible]ت نے اپنے معتمد خاص خان بہادر مبارک علی کو حج کے بہانے حجاز بھیجا۔ اس نے وہاں شریف حسین امیر مکہ سے ملاقات کی اور بتایا کہ مجھے انڈین گورنمنٹ نے حجاز کے حالات و واقعات دریافت کرنے بھیجا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے

---

[5] المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ج ۱ ص ۱۶۰

Marfat.com

لوگ برطانوی حکومت کے سخت خلاف ہیں اور وہ شاہ حجاز کو بھی برا بھلا کہتے ہیں لہٰذا آپ علمار مکہ کا ایک مصدقہ بیان تیار کرا دیں جس میں ترک حکومت کے عیب اور برائیاں بیان کرنے کے علاوہ ان کے استحقاقِ خلافت کی پُر زور الفاظ میں تردید ہو۔ اور موجودہ شریفی حکومت اور انقلاب کی تعریف و توصیف کی جائے چنانچہ ایک مضمون بعنوان "من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی" تیار کیا گیا جس میں سلطان عبد المجید خان کو تخت سے دست بردار کرنے کی وجہ سے تمام ترک قوم کی تکفیر کی گئی۔ خلافت آل عثمان کا صریح انکار اور شریف حسین کی بغاوت کو انتہائی مستحسن اقدام قرار دیا گیا۔ شاہی فرمان کے مطابق بعض علمار نے خوشی سے اور بعض نے عزتِ نفس کے خوف سے اس پر دستخط اور مہریں ثبت کر دیں۔

لیکن خان بہادر کا منصوبہ ابھی تک تشنۂ تکمیل تھا۔ اس نے یہ عذر لنگ پیش کیا کہ ان علمار کرام کو ہندوستان میں کوئی جانتا ہی نہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ مولانا محمود الحسن جو علمار ہند میں ایک مسلم شخصیت اور مشہور ہیں اور چند دیگر علمار ہند کے دستخط کرائے جائیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی عبد اللہ سراج جو خلافت عثمانیہ میں مفتیِ احناف رہ چکے تھے انہوں نے وہ مضمون نقیب العلمار کی وساطت سے اواخر محرم ۱۳۳۵ھ کو نماز عصر کے بعد مولانا محمود الحسن صاحب کے مکان پر بھیجا۔ ان ایام میں مولانا موصوف عصر کے بعد بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ نقیب العلمار نے جب وہ فتویٰ پیش کیا تو حسب ذیل وجوہات کے پیش نظر دستخط کرنے سے معذوری ظاہر کی گئی۔

(۱) اس کا عنوان ہے "من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی" یعنی یہ تحریر مکہ مکرمہ کے ان علمار کی طرف سے ہے جو حرم مکی میں پڑھاتے ہیں۔ چونکہ مولانا نہ تو علماء مکہ میں سے ہیں اور نہ حرم شریف میں کبھی پڑھایا ہے اس لئے انہیں دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔

(۲) اس فتویٰ میں ساری ترک قوم کو کافر کہا گیا ہے۔ حالانکہ شریعت مطہرہ کسی مسلمان کو کافر

Marfat.com

کہنے میں سخت محتاط ہے۔

(۳) ترکوں کو اس وجہ سے کافر قرار دیا گیا کہ انھوں نے ایک بادشاہ کو سبکدوش کردیا ہے حالانکہ کسی بھی فقیہ نے ایسے فعل کو موجباتِ کفر میں شمار نہیں کیا۔

(۴) شریف حسین بن علی کے انقلاب کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ فعل شرعاً نہایت قبیح واقع ہوا ہے۔

بایں ہمہ نقیب العلماء کو خان بہادر کے درپردہ عزائم سے بھی روشناس کیا گیا اور اسے کہا گیا کہ تم شیخ الاسلام کو صرف یہی کہنا کہ مولانا نے کہا ہے کہ عنوان علماء مکہ اور مدرسین حرم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور میں آفاقی اور پردیسی آدمی ہوں لہٰذا مجھے اس پر دستخط کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

شیخ الاسلام کو جب اس حقیقت کا علم ہوا تو اس نے مضمون بالکل تبدیل کردیا۔ اور تکفیر کا حصہ نکال دیا لیکن شیخ الہندؒ کے پاس دوبارہ دستخط کے لئے نہیں بھیجا۔ صرف مخصوص علماء کے دستخطوں کے بعد اخبار "القبلہ" میں شائع کردیا۔ اور وہی اخباری مضمون خان بہادر لے کر ہندوستان روانہ ہوگیا۔

چند دن بعد شریف حسین جدہ گیا اور وہاں کرنل ولسن معتمد برطانیہ سے گفت وشنید ہوئی جس کے بعد شیخ الاسلام کو حکم ہوا کہ مولانا محمود الحسن اور ان کے تمام ساتھیوں کو فوراً گرفتار کرکے جدہ بھیج دو۔ شیخ المطوفین احمد سبحی یہ حکم پہنچانے مولانا موصوف کے مکان پر گیا۔ چنانچہ رفقاء کے باہمی مشورہ سے طے پایا کہ شیخ الاسلام سے مل کر کوئی مناسب حل تلاش کرنا چاہئے۔ معلم سید ابن عاصم کو ساتھ لے کر چند احباب شیخ الاسلام کے پاس گئے۔ پہلے معلم نے تنہائی میں ملاقات کی اور شیخ الاسلام نے فتویٰ پہ دستخط نہ کرنے کا الزام پیش کیا۔ معلم نے کہا اس کی حقیقت آپ کو سید حسین احمد مدنی بتا سکتے ہیں۔ میں انہیں آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

جب حضرت مدنی پیش ہوئے تو شیخ الاسلام نے کہا کہ مولانا ہمیں باغی اور خارجی کہتے ہیں۔ لہٰذا

Marfat.com

انہیں باغی حکومت میں نہیں رہنا چاہیے۔ حضرت مدنیؒ نے استفسار کیا کہ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا، پھر فتویٰ پر دستخط کیوں نہیں کئے حضرت مدنی نے فرمایا۔ آپ نقیب العلماء سے دریافت فرمائیں کہ مولانا نے فتویٰ کے عنوان کی وجہ سے معذرت پیش کی تھی۔ اگرچہ نقیب نے اس کی تصدیق بھی کر دی مگر مقصد پورا نہ ہو سکا۔ صلح کی ہر ممکن کوشش کے باوجود شریف حسین کرنل ولسن کے حکم کو پورا کرنے کا ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ شیخ الاسلام کو سخت غضبناک ہو کر کہا انہیں آج ہی جدّہ پہنچا دو۔

حالات کی سنگینی کے پیش نظر مولاناؒ اور مولوی وحید احمد کو کسی جگہ روپوش کر دیا گیا تاکہ رات کے وقت کسی مناسب جگہ منتقل ہو جائیں۔ اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت مدنیؒ اور مولانا وحید احمد کو کمشنر کے سامنے پیش ہونے کا حکم ملا۔ مولانا وحید صاحب کی عدم موجودگی کے باعث حضرت مدنیؒ تنہا تشریف لے گئے۔ کمشنر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور کہنے لگا تم انگریز کی حکومت کو برا بھلا کہتے ہو اب اس کا مزہ چکھو اور ساتھ ہی قید کا حکم صادر کر دیا۔

مکّہ کی جیل اس دور میں جیل کی دو قسمیں تھیں۔ متمدن اور غیر متمدن۔ متمدن جیل محلہ حمیدیہ میں تھی جہاں قیدی اپنے لباس ہی میں بند کئے جاتے تھے۔ ان سے مشقت نہیں لی جاتی تھی۔ قیدی کا کھانا بھی گھر سے آ سکتا تھا اور ملاقات پر بھی کوئی پابندی نہ تھی۔

غیر متمدن جیل کے دونوں طبقے شریف مکہ کے محل کے قریب واقع تھے۔ ایک تو انتہائی گہرے تہ خانہ میں تھا جہاں بہت سی سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا تھا۔ اس میں روشنی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے دن رات یکساں تھے۔ دوسرا قید خانہ جسے تخشیبہ کہتے ہیں۔ اس میں قیدی کے پاؤں لکڑیوں میں پھنسا دیے جاتے تھے جس کی وجہ سے چلنا پھرنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ وہ اندھیرے میں ننگا مادر زاد پڑا رہتا تھا۔ یہ دونوں جیل نہیں بلکہ عذاب دوزخ کے نمونے تھے۔

Marfat.com

بہرحال حضرت مدنیؒ کو جمیدیہ کے متمدن جیل میں بند کر دیا گیا۔ اور مولانا عزیز گل مدظلہ اور حکیم نصرت حسینؒ کو اپنے مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان دونوں سے شیخ الہند کے متعلق بڑی سختی سے پوچھ گچھ ہوتی رہی مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتے رہے انہیں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی گئی لیکن اس کے باوجود خدام نے نشان دہی سے گریز کیا۔

اس اثنا میں دہلی کے بڑے بڑے تاجر جو حج کرنے آئے ہوئے تھے ان کا ایک وفد شریف حسین کو ملا اور کہا کہ اگر مولانا اور ان کے رفقاء سے کوئی قصور سرزد ہوا ہے تو آپ خود اپنی مملکت میں انہیں سزا دیں۔ لیکن حرم شریف کی پاک سرزمین سے نکال کر انہیں غیر مسلم قوم کے سپرد نہ کریں۔ جس کے جواب میں شریف نے کہا۔ چونکہ ہماری دوستی انگریز سے ابھی نئی ہے اگر ان کی رعایا کے کسی آدمی کو ہم سزا دیں تو ممکن ہے ہمارے تعلقات میں کچھ فرق آجائے۔ ہم ان کی دوستی کو ہر حال میں قائم رکھیں گے۔ لہٰذا مولانا اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ قطعاً کوئی رعایت نہیں ہو سکتی۔

اسی شام شریف کو اطلاع دی گئی کہ تلاش بسیار کے باوجود مولانا کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ جس پر اس نے حکم دیا کہ اگر عشا تک وہ نہ آجائیں تو حکیم نصرت اور عزیر گل دونوں کو گولی مار دی جائے۔

جب یہ افسوسناک خبر مولانا کو پہنچی تو فرمایا میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ میری وجہ سے کسی کو اذیت پہنچے چنانچہ مشورہ کے مطابق احرام کی حالت میں مکان پر تشریف لے آئے۔ اسی وقت اتوار کی شب ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ کو دو اونٹوں پر چاروں حضرات کو پولیس کی نگرانی میں جدہ روانہ کر دیا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ روانگی کے وقت بالکل مطمئن تھے اور احباب سے رخصت ہوتے وقت فرما رہے تھے۔

"الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"

۲۴ صفر پیر کی صبح کے وقت جدہ پہنچے۔ ادھر اتوار کی صبح کے وقت حضرت مدنی کو سید امین عاصم

Marfat.com

نے حالات سے مطلع کیا۔ اور ساتھ ہی بتایا کہ شریف حسین آپ سے بھی سخت ناراض ہے کم از کم آٹھ دن تو آپ کو قید میں رہنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا میں مدینہ طیبہ سے صرف شیخ کی خدمت کے لیے آیا تھا۔ اگر ممکن ہو تو مجھے بھی جدہ میں ان کے ساتھ قید کر دیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے انہیں خچر پر سوار کر کے جدہ روانہ کر دیا۔ شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کے تھوڑی دیر بعد مدنی بھی ان کے پاس جدہ پہنچ گئے بروز جمعۃ المبارک ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ ان حضرات کو جدہ سے قاہرہ اور وہاں سے جیزہ جیل پہنچا دیا گیا۔ جہاں ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۱۷ء کو شیخ الہندؒ کو کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ جب کہ باقی چاروں ساتھی اکٹھے تھے۔ بعد ازاں وہاں سے مالٹا منتقل کر دیے گئے۔ اس طرح تین برس اور سات ماہ کے بعد ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچا کر انہیں رہا کر دیا گیا۔[۱]

شریف حسین ابن علی کی حجاز میں روز افزوں سیادت نے انگریز کے ہاں اس کے اثر و رسوخ کو چار چاند لگا دیے۔ لیکن قدرتی طور پر ابن سعود کو اس کی پذیرائی کسی طرح گوارا نہیں تھی۔ ان دونوں کے درمیان رقابت اور ایک دوسرے پر تفوق کے رجحانات ترقی پذیر تھے۔ فریقین اپنی مخالفت کا برملا اظہار کرتے اور ہر وقت جنگ کے لیے پابہ رکاب رہتے تھے۔

سلطان ابن سعود کی تبلیغ اور اصلاحی سرگرمیوں کے باعث مشرقی حجاز کی اکثریت متبع شریعت اور پابند سنت بن کر اس کے دست و بازو بن چکی تھی۔ اسی طرح قصبہ "خرما" کے باشندے بھی انگریز اور شریف حسین کے دام تزویر سے نکل کر ابن سعود کے ساتھ مل گئے تھے۔[۲]

اقتدار کے نشے میں سرمست اور شاہی کا دلدادہ حسین بن علی نے انگریز کے ایما پر ۹ شعبان

---

[۱] اسیر مالٹا ملخصاً [۲] المملکۃ العربیۃ السعودیۃ جلد ۱ صـ ۱۷۷

Marfat.com

۱۳۳۴ھ مطابق جون ۱۹۱۶ء کو شاہِ حجاز ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے باوجود ابن سعود کا حجاز میں بڑھتا ہوا اثر وہ نفوذ وہ اپنے لئے انتہائی خطرناک سمجھتا تھا۔ ادھر ترک حکومت کو حجاز میں سخت ہزیمت کا سامنا تھا اور شریف حسین کے بلند و بانگ دعاوی کا سلسلہ بھی جاری تھا کہ اسی اثنا میں ۱۹۱۸ء کو اس نے "خرما" کی سرزنش کے لئے ایک فوجی دستہ بھیجا جسے بری طرح شکست ہوئی۔ جس سے شاہ حجاز کی قوت کا راز تخت از بام ہو گیا۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر انگریز نے ایک نئی چال چلی کہ ابن سعود اور شریف حسین کو باہم دست و گریباں ہونے سے بچا کر ابن سعود کو آلِ رشید سے ٹکرا یا جائے جو مدائن صالح میں ترکوں کی معاونت کر رہا تھا چنانچہ ستمبر ۱۹۱۸ء میں ابن سعود نے شمار کے قصبہ "یطیب" پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اسی عرصہ میں شریف حسین خرما پر تین مرتبہ حملہ کر چکا تھا اگرچہ شکست اس کا مقدر بن چکی تھی۔ بالآخر سلطان ابن سعود نے پوری قوت کے ساتھ اہلِ خرما کی مدد کا اعلان کر دیا۔

۱۹۱۹ء نجدی اور حجازی طاقتوں کا نبرد آزما ہونا ناگزیر ہو چکا تھا۔ اس لئے شریف حسین کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے، اور اس کے بے جان تابوت میں اپنی روح پھونکنے کے لئے انگریز نے ایک مجلس مشاورت قائم کی جس نے شریفی فوجوں کو سعودی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جدید ترین اسلحہ سے لیس کرنے کا فیصلہ کیا: تاکہ "خرما" کو دوبارہ حاصل کیا جا سکے۔

مئی ۱۹۱۹ء میں ابن سعود نے مقابلہ کی زبردست تیاری شروع کر دی۔ ادھر شریف حسین نے بھی اپنے بیٹے عبد اللہ کی قیادت میں ایک لشکرِ جرار تیار کیا۔ لیکن دونوں فوجوں کا مقابلہ ہونے سے پہلے ہی خرما کے والی خالد بن لوی نے شریفی فوجوں پر شب خون مار کر سب کو موت کی نیند سلا دیا۔ امیر عبد اللہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا اور باپ کو ساری سرگذشت سے آگاہ کیا۔[1]

[1] المملکۃ العربیۃ السعودیہ جلد ۲ صہ ۱۸۰

Marfat.com

لیکن سلطان ابن سعود نے اس سانحہ پر حسرت اور نفرت کا اظہار کیا۔ اگرچہ پیش قدمی کا انتہائی سنہری موقعہ تھا مگر سلطان نے اپنی برتری اور تفوق کے اظہار کے لئے مذکورہ واقعہ کو ہی کافی سمجھا واپسی کا فیصلہ موصوف کی دانشمندی اور حسن تدبر کا آئینہ دار تھا۔[1]

سلطان ابن سعود کی عسکری اور ایمانی قوت کا اندازہ کرنے میں انگریز غلطی کا شکار تھے۔ مذکورہ واقعہ کے بعد انہیں اپنی پالیسی تبدیل کرنا پڑی چنانچہ وہ شریف حسین کی معاونت سے دست بردار ہو گئے۔[2]

سنہ ۱۳۳۹ھ مطابق سنہ ۱۹۲۱ء میں نجد کے علماء، رؤسا اور امراء کا ریاض میں اجتماع ہوا اور سب نے متفقہ طور پر امام عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کو سلطان نجد کے اعزازی لقب سے نوازا۔[3]

سنہ ۱۹۲۰ء کے موسم گرما میں سلطان نجد نے اپنے نوخیز شہزادہ "فیصل" کی قیادت میں "فتح عسیر" کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ شہزادہ بعونہٖ تعالیٰ فتح و کامرانی کے ساتھ جب واپس لوٹا تو بڑی آب و تاب اور شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا گیا۔[4]

آل سعود کی اس عظیم الشان فتح سے شریف حسین کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس کے حوصلے پست ہو گئے اور اسے اپنا عبرتناک انجام نظر آنے لگا۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں ابن سعود نے "حائل" پر زبردست حملہ کر کے آل رشید کو عبرتناک شکست دی۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں سلطان اس قدر سخت بیمار ہوا کہ موت کی افواہیں گشت کرنے لگیں لیکن قدرت نے ابھی اس مرد آہن سے کچھ اور کام لینا تھا جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرما دی۔[5]

---

[1] المملکۃ العربیۃ السعودیہ جلد ۲ صـ ۱۰۰ عنوان امیر الحزمہ خالد بن لوی [2] ایضاً صـ ۱۱۸ [3] ایضاً صـ ۱۲۳
[4] ایضاً عنوان احتلال عسیر [5] ایضاً صـ ۱۲۰ - ۱۲۱

Marfat.com

۱۳۴۲ھ مطابق ۳ر مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت عثمانیہ ترکیہ ہمیشہ کے لیے حجاز سے ختم ہو گئی جسے شریف حسین نے شہنشاہیت کے دیرینہ خواب کی تکمیل کے لیے نیک فال سمجھا اور خلیفۃ المسلمین ہونے کا اعلان کر دیا جس سے پورے عالم اسلام میں کہرام مچ گیا۔ حالانکہ اس کی قسمت کا ستارہ گردش میں آچکا تھا اور یہی سال اس کے زوال کا تھا۔ پیہم ناکامی و نامرادی اور مسلسل شکست سے اسے جان کے لالے پڑ گئے۔ اس طرح ۴ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۳ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ستّر سال کی عمر میں اپنے بیٹے علی کے حق میں دست بردار ہو کر[1] ۱۰ ربیع الاوّل ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جدہ روانہ ہو گیا۔ وہاں ایک ہفتہ قیام کے بعد اپنی دولت اور سیم و زر ساتھ لے کر "عقبہ" چلا گیا۔ بالآخر انگریز کی عنایات کے باعث اسے عقبہ بھی چھوڑنا پڑا۔ اور قبرص میں بقیہ زندگی گذار کر ۴ر جون ۱۹۳۱ء کو دنیا سے رخصت ہو گیا۔[1] کچھ دن بعد امیر علی بن حسین بن علی بھی بھاگ کر جدہ چلا گیا تھا۔

۵ ربیع الاوّل ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۸ر اکتوبر ۱۹۲۴ء سلطان ابن سعود کا لشکر جس کی قیادت فوجی جرنیلوں کے علاوہ جیّد علماء کرام بھی کر رہے تھے۔ احرام باندھے فاتحانہ شان و شوکت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ سلطان کی دلی خواہش اور علماء کرام کے فتویٰ کے مطابق اس مقدس سرزمین پر خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا گیا۔[2]

۴ر جنوری ۱۹۲۵ء کو جدہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جدہ کی فتح انتہائی اہمیت کی حامل لیکن سخت جان لیوا تھی۔ تاہم اس کا فتح کرنا اس لیے بھی ناگزیر تھا کہ مسلمانانِ عالم کو حج کی نعمت گراں مایہ سے سرفراز کرنا اشد ضروری تھا۔ گذشتہ چند سالوں سے حج کا مقدس فریضہ بدامنی کا شکار تھا۔ اور اگر اس سال بھی لوگ اس سعادت سے محروم رہتے تو عالمِ اسلام کی نظروں میں سلطان کی عزت و عظمت

---

[1] المملکۃ العربیۃ السعودیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ تا ۲۳۰ [2] ایضاً صفحہ ۳۰۶

Marfat.com

گرجاتی اور ان کے اخلاقی تعاون سے بھی محروم رہتا۔

کیونکہ انگریز اور انگریز نواز مسلمانوں نے انہیں "وہابی" کہہ کر ساری دنیا میں بدنام کر دیا تھا سلطان کی خواہش تھی کہ دنیا بھر کے مسلمان حج کو آئیں اور امن و سکون، حرمین شریفین کا عزت و احترام اور حجاج کی آسائش و تسکین کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر لیں۔ چنانچہ ۱۶ راکتوبر ۱۹۲۴ء کو اعلان کیا گیا کہ حجاز کے مستقبل کا تصفیہ کرنے کے لئے جدہ میں مسلمانانِ عالم کی کانفرنس بلائی جائے گی۔

۲۵ رجنوری ۱۹۲۵ء کو ایک اور اعلان کیا گیا کہ جدہ کا محاصرہ سختی سے جاری ہے۔ اس لئے حجاج کرام رابغ، لیتھ اور قنفذا کی بندرگاہوں سے تشریف لائیں۔ ان کے جان و مال کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہے۔ اس طرح حجاج نے طمانیتِ قلبی کے ساتھ حج ادا کیا۔ اور امن و امان اور حسنِ انتظام کے باعث سلطان ابن سعود کے دلدادہ بن گئے۔[1]

اگست ۱۹۲۵ء میں سعودی فوجوں نے مدینہ طیبہ کی طرف پیش قدمی شروع کی اور سخت مزاحمت کے بعد ۱۹ رجمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۵ ردسمبر ۱۹۲۵ء کو شہر پر قبضہ حاصل ہو گیا۔ قبل ازیں یکم دسمبر کو ینبوع بھی فتح کیا جا چکا تھا۔

اِدھر جدہ میں امیر علی بن حسین طویل محاصرہ اور شدید جنگ سے تنگ آکر ہمت ہار بیٹھا تھا اور اسے امان حاصل کرنے کی فکر دامنگیر تھی چنانچہ اس نے سلطان کو اس شرط کے ساتھ صلح کی پیش کش کی۔

ہم حجاز کی حکومت سے دستبردار ہو جائیں گے، لیکن ہماری سپاہ سے باز پرس نہ کی جائے۔

---

[1] المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ترجمہ ۲ صـ ۳۵

Marfat.com

سلطان نے اس شرط کو قبول کر لیا اور یکم جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۲۵ء کو امیر علی بن حسین نے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اور ۱۹ دسمبر کو سلطان ابن سعود کی فوجوں نے جدہ پر قبضہ کر لیا اس کے تین دن بعد امیر علی عدن کے راستے عراق چلا گیا اور ۷ رجمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء کو پورے حجاز پر سعودی حکومت کا آفتاب عالمتاب پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔[1]

۱۱ رجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ کو سلطان کی دعوت پر مکہ مکرمہ میں علماء حجاز کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا جس میں مکہ کے ۱۵۔ اور نجد کے ۷ علماء کرام نے شرکت کی جس میں دین اسلام کے اصول اور فروع پر بحث و تمحیص کے بعد متفقہ طور پر اعلان کیا گیا کہ ہم سب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر چیز کا مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نفع اور ضرر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ علاوہ ازیں قبروں کو پختہ بنانا، ان پر قبے تعمیر کرنا اور چراغ جلانا شریعت محمدیہ کے قطعاً خلاف ہے۔[2]

انہی دنوں مکہ مکرمہ میں علماء، امراء، رؤسا اور تجار کا ایک مشترکہ اجتماع ہوا جس کی صدارت خود سلطان نے کی۔ اس اجلاس میں اتفاق رائے سے ۱۴۔ ارکان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنائی گئی۔[3]

سلطان حجاز کا اعزاز ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعۃ المبارک باب الصفا کے قریب حرم شریف میں ایک انتہائی ذی شان مجلس منعقد ہوئی۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر سلطان ابن سعود بے حد وقار اور متانت کے ساتھ مجلس میں رونق افروز ہوئے۔ اس مجلس میں نہ تو شاہانہ بناؤ سنگار تھا اور نہ ہی متکبرانہ وضع قطع، بلکہ شاہی رسومات اور تزک و احتشام کو بالائے طاق رکھ کر اسلامی وضع اور سادگی کے ساتھ اپنی مسند پر جلوہ گر ہوئے۔ قریب ہی بیت الحرام کے امام اور خطیب صاحب کے لئے کرسی رکھی تھی۔

---

[1] سلطان ابن سعود ص ۱۵۷۔ المملکۃ العربیۃ السعودیہ ص ۶۲، ۶۳ ، [2] ایضاً ص ۲۴۴ [3] ایضاً ص ۲۴۵

Marfat.com

حمد کبریا اور صلوٰۃ و سلام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قوم کی طرف سے عبد العزیز بن عبد الرحمن آلِ سعود کو "سلطان حجاز" کا عظیم اعزاز عطا کیا گیا۔ اور ان سے ملک میں کتاب و سنّت کے مطابق آئین نافذ کرنے کا عہد لیا گیا۔ اور شہزادہ فیصل کو "نائب حجاز" کا عہدہ تفویض ہوا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو سلطان نے اللہ بزرگ و برتر کی اس نعمت بیکراں کا شکر ادا کرنے کے لئے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔[1]

مکہ معظمہ فتح ہوتے ہی عالم اسلام بالخصوص اور مغربی ممالک میں عموماً سعودی حکومت کے خلاف غیض و غضب کے جذبات بھڑک اٹھے۔ جس کے کئی اسباب تھے ایک تو یہ کہ بارہویں صدی ہجری میں نجدی حکومت سے حجازی رعایا عدل و انصاف کی شاکی تھی۔ اس وجہ سے اب بھی لوگوں کے دلوں میں شکوک پائے جاتے تھے۔ پھر حسین بن علی شریف مکہ نے انگریز کے ایما پر آلِ سعود کو دنیا بھر میں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اور اس مہم پر اس نے پانی کی طرح پیسہ بہایا[2] تھا ایک سبب یہ بھی تھا کہ دنیا کے بیشتر اسلامی ممالک میں شریعت اسلامیہ پر عمل برائے نام ہو رہا تھا۔ لیکن اس خاندان نے ایک مرتبہ پھر قرونِ اولیٰ کی تابناک جھلک دنیا کے سامنے پیش کی۔ جسے بجوبہ روزگار سمجھ کر اس خاندان کو خلاف شریعت گردانا گیا اب سلطان ابن سعود کے دل میں یہ جذبہ موجزن تھا کہ عالم اسلام کو حرمین شریفین کے تقدس اور امن و امان کی بحالی کا اطمینان دلانا انتہائی ضروری ہے۔ تاکہ ان مقدس مقامات کی اسلامی اور بین الاقوامی حیثیت برقرار رہے۔ چنانچہ ۲۸ اپریل ۱۹۲۶ء میں سلطان نے مکہ معظمہ میں ایک عظیم اسلامی کانفرنس طلب کی۔ جس میں ترکی۔ ایران۔ افغانستان۔ یمن کی آزاد اسلامی حکومتیں۔ مصر اور عراق کی نیم آزاد ریاستیں

---

[1] المملکۃ العربیۃ السعودیہ صفحہ ۲۸۶ [2] سلطان ابن سعود صفحہ ۱۶۷

Marfat.com

مراکش، تیونس، فلسطین، نظارت مذہبی، اسلامی روس اور ہندوستان کو مدعو کیا گیا۔

۷ر جون ۱۹۲۶ء کو مختلف ممالک کے ۰۷ نمائندے جمع ہوئے۔ لیکن ایک ماہ کی طویل بحث و تمحیص کے باوجود خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ اور ۷ر جولائی کو مجلس برخاست ہو گئی۔[۱]

اس کے بعد اگست ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے حجاز میں دستوری حکومت کا اعلان کیا جو ۲۶ر اگست مکہ مکرمہ کے سرکاری اخبار "ام القریٰ" میں شائع ہوا جس کا مضمون حسب ذیل تھا۔

"ملک کا قانون شریعت اسلامیہ ہوگا۔ ملک اور حکومت سلطان کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ قرآن مجید، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجتہاد صحابہ کرام کے مطابق شریعت اسلامیہ کو نافذ کرے گا۔"

علاوہ ازیں مکہ معظمہ کی ایک انتظامی مجلس اعلیٰ قائم کی گئی جو حاکم اعلیٰ کے علاوہ چھ ارکان پر مشتمل تھی۔[۲]

سلطان ابن سعود ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء سے ۲ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق نومبر ۱۹۵۳ء تک اس عہدے پر فائز المرام رہے۔ اور بالآخر تاریخ کر اس جہان فانی سے رحلت فرما کر عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے۔

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں:

۱۳۴۳ھ میں حجاز اور نجد پر آل سعود کا اقتدار قائم ہوا تو اس ملک کے حاکم اعلیٰ کو "ملک الحجاز ونجد وملحقاتہا" کے لقب سے نوازا گیا۔ لیکن ملک عبدالعزیز مرحوم و مغفور نے غالباً ۱۳۵۲ھ میں حجاز اور نجد کی تقسیم کو ختم کر کے اس وسیع و عریض مملکت کا نام المملکۃ العربیۃ السعودیۃ تجویز کیا۔ چنانچہ اس کے بعد تاریخ کے اوراق اور دنیا کے نقشے میں یہ سلطنت اسی نام سے موسوم اور

---

[۱] سلطان ابن سعود ص ۱۶۷ [۲] ایضاً ص ۱۷۳

Marfat.com

مشہور ہوئی۔ (تاریخ القویم جلد ۱ ص ۲۷)

ہم نے خاندانِ عالیہ سعودیہ کے حالات و واقعات کو ضرورت سے زیادہ ہی طویل کر دیا ہے لیکن نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ پوری دنیا اس ناقابلِ تردید حقیقت کا انکار نہیں کرسکتی کہ مکہ مکرمہ زاداللہ تعظیماً و تکریماً کی اقتصادی۔ معاشرتی۔ سیاسی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ عمرانی اور تہذیبی ترقیاں اسی خاندان کی زیرِ منت احسان ہیں۔ جن کی تفصیلات ہم اپنے اپنے مقامات پر قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ ابتدا اسلام سے عہدِ سعودی تک ہر دور میں اور ہر ایک حکومت نے اپنی بساط کے مطابق نہ صرف حرم محترم کی بیش بہا خدمات انجام دیں بلکہ شہر اور اہل شہر کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لایا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس خاندان کی خدمات نے دنیا بھر کے بڑے سے بڑے متمدن اور مہذب شہر سے بھی اس مقدس شہر کی شان کو بلند و بالا کر رکھا ہے۔

خالقِ کائنات اس خاندان کو اپنی خصوصی نوازشات سے مالا مال فرمائے اور ان کی حکومت کو دوام نصیب فرمائے۔ اور انہیں حرمین شریفین کی بیش از بیش خدمات انجام دینے کی سعادت مرحمت فرمائے۔ اور اسلام کی عظمت اور شوکت تا قیامِ قیامت تابندہ و پائندہ رکھے۔

Marfat.com

باب پنجم

سیادت و قیادت

اور

مقاماتِ مقدّسہ

سیاسی اور مذہبی انتظامات

Marfat.com

- سیاسی نظام
- امرائے مکّہ
- امرائے حج اور حوادثات
- مساجد مکّہ
- چند متبرک مکانات

Marfat.com

سیاسی نظام

مکّہ معظمہ کے غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ باشندے معاشی اور سیاسی استحکام کے حصول کی غرض سے جزیرہ نما عرب کے معاشی وفاق سے منسلک تھے جو وہاں کے سالانہ میلے اور تجارتی قافلوں کا انتہائی ترقی یافتہ نظام تھا۔ پورے عرب میں ایک زبان بولنا، ایک طرز سے فال دیکھنا، مختلف بتوں اور دیوتاؤں کی مشترک طور پر عبادت کرنا اور ان کے رسم و رواج میں یکسانیت کا پایا جانا، یہ تمام چیزیں ان کے سیاسی اتحاد اور ملّی یگانگت کا مظہر تھیں۔

مکّہ کے باشندوں نے اسلام سے بہت زمانہ پہلے ایک ایسا ترقی کنان دستور مرتب کیا تھا جس پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف مکّہ بلکہ ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں کا نظم و نسق چلا سکتے تھے۔

مکہ مکرمہ پر پہلی حکومت جرہم کی قائم ہوئی جو پانچ سو سال تک رہی۔ ان کے بعد خزاعہ نے تین سو سال حکومت کی۔ پھر کسی دور میں جرہم کو اقتدار حاصل ہو گیا جن کا آخری حکمران خلیل بن حبشیہ تھا جس کی بیٹی حبّیٰ سے قبیلہ قضاع کے چشم و چراغ قصی بن کلاب نے شادی کر لی تھی۔ اس طرح

Marfat.com

ایک دو عہدے قصی کو وراثت میں مل گئے۔ لیکن بعد میں بزور شمشیر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں قبیلہ قضاعہ نے قصی کا بھرپور تعاون کیا بلکہ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق قیصر روم نے بھی اسے امداد فراہم کی جو عرب میں اپنا اثر و نفوذ بڑھا کر ہند سے خشکی کے راستے ہونے والی تجارت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ قصی نے نظام مملکت چلانے کے لئے دس رکنی ایک مجلس مشاورت قائم کی۔ جو دس بڑے قبائل کے سرداروں پر مشتمل تھی۔ یہ کونسل مالی قوانین اور تعزیراتی احکام صادر کرتی تھی۔ اس کے تمام ارکان معمر، جہاں دیدہ اور تجربہ کار تھے۔ جن کی عمر کم از کم چالیس سال ہونا ضروری تھا البتہ حاکم شہر کے بیٹے اعزازی طور پر عمر کی اس شرط سے مستثنیٰ تھے۔ لیکن قریش نے اپنے دور میں ان شرائط کو کافی نرم کر دیا تھا۔ چنانچہ ابوجہل کی اصابت رائے اور اعلیٰ صلاحیت کے پیش نظر اسے تیس سال کی عمر میں شوریٰ کا ممبر بنا لیا گیا تھا۔ اسی طرح حکیم بن حزام کو پندرہ یا بیس سال کی عمر میں یہ اعزاز حاصل ہو گیا تھا۔

قصی سے پہلے مجلس شوریٰ کا اجلاس کسی کھلی جگہ یا اپنے سردار کے خیمہ میں ہوتا تھا لیکن قصی نے اس میں جدت پیدا کی اور کعبہ شریف کے شمال میں دارالندوہ تعمیر کیا۔ جس میں اجلاس منعقد ہوتے تھے۔ مجلس کے انعقاد کا کوئی معین وقت نہیں تھا بلکہ حسب ضرورت اجلاس بلا لیا جاتا تھا۔

دارالندوہ کو مرکزی دارالبلد کی حیثیت حاصل تھی۔ جب کہ ہر محلہ میں مجالس قائم ہوتی تھیں۔ جنہیں "نادی" کہا جاتا تھا۔ جس طرح مدینہ طیبہ کی محلہ وار مجالس کو "سقیفہ" کہتے تھے۔

مشہور قول کے مطابق مکہ معظمہ کی حکومت میں دس عہدے پائے جاتے تھے۔ جب کہ ابن عبدربہ نے سترہ عہدے بیان کئے ہیں۔ حالاں کہ ان کی تعداد اس سے بھی زائد تھی مثلاً

ندوہ۔ مشورہ۔ قیادہ۔ سدانہ۔ حجابہ۔ سقایہ۔ عمارۃ البیت۔ افاضہ۔ اجازہ۔ نسیّ۔ قبّہ۔ عنّہ۔ رفادہ۔ اموال محجرہ۔ ایسار۔ اشناق۔ حکومہ۔ سفارہ۔ عقاب۔ لوا۔ اور حلوان النفر

Marfat.com

آبادی یا شہریوں کو "جماعۃ" کہا جاتا تھا۔ اس لفظ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی برقرار رکھا۔ جس سے آپ کے صحابہ کی پوری جماعت مراد لی جاتی تھی۔ جو باقی دنیا سے ممتاز ایک وحدت تھی یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ بحرین کو اپنے مکتوب میں اس "جماعت" میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ اس میں عام رائے دہندگان شہر شامل ہوتے تھے۔ جو شوریٰ عمومی میں حصہ لینے کے مجاز تھے۔ قرآن کی اصطلاح میں انہیں "ملاء" کہا گیا ہے۔ ان کی رضامندی سے حکمران فیصلہ کرتا تھا۔

مکہ شریف میں "نقیب" کا عہدہ بھی پایا جاتا تھا۔ جسے "منادی" یا "موذن" بھی کہتے تھے جو مجالس کے انعقاد کا شہر میں ڈھنڈورا پیٹتا تھا۔ ہر قبیلہ کے سردار کے پاس کم از کم ایک یا متعدد نقیب ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں نقیب تقریبات کی دعوت پہنچانے اور کسی آدمی کے "جات باہر" کئے جانے کی اطلاع بھی محلوں میں دیتا تھا۔

ہنگامی اور فوری اطلاع دینے کے لئے نقبار کے علاوہ شہری اور اجنبی آدمی بھی مجالس بلدیہ کے انعقاد کا اعلان کر سکتے تھے۔ اس صورت میں اجنبی لوگ کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر تمام کپڑے اتار دیتے اور بالکل ننگے ہو کر دہائی دیا کرتے تھے۔ عربی میں اسے "النذیر العریان" کہتے تھے۔ بدر کے موقعہ پر قریشی قافلہ پر نبی علیہ السلام کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ابوسفیان کے قاصد نے مکہ پہنچ کر اسی انداز میں پہنچائی تھی۔

"اشناق" کا عہدہ موروثی طور پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ اس کا عہدہ داران جرائم کا جو قابل راضی نامہ ہوں مالی جرمانہ عائد کرتا تھا۔ جس کا فیصلہ تمام شہریوں کے لئے قابل قبول ہوتا تھا۔

"حجابہ" کعبہ شریف کی کلید برداری کا منصب قصی کے بعد عبدالدار کو ملا۔ بعد ازاں عثمان بن عبدالدار، عبدالعزیٰ بن عثمان، ابی طلحہ یعنی عبداللہ بن عبدالعزیٰ، طلحہ بن ابی طلحہ کو نسلاً بعد نسلٍ

Marfat.com

ملتا رہا۔ فتح مکہ کے دن شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے چابی لے کر درِ کعبہ کھولا۔ اور خیال یہ تھا کہ اب چابی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی جائے مگر فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا [۱] — اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانت والوں کو ان کی امانت ادا کر دو۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو چابی مرحمت فرما دی۔ موصوف صفر ۸ ہجری میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے چچازاد بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو یہ اعزاز نصیب ہوا۔ جو اب تک نسلاً بعد نسلٍ اسی خاندان کو حاصل ہے [۲]۔

"لواء" یہ عہدہ بھی عبد الدار بن قصی سے طلحہ بن ابی طلحہ تک اسی خاندان کے پاس رہا چنانچہ جنگ بدر میں مشرکین کا علمبردار طلحہ ہی تھا جب کہ اسلامی فوج کا جھنڈا مصعب بن عمیر بن ہاشم کے ہاتھ میں تھا جنگ اُحد میں بھی مشرکین کا جھنڈا طلحہ ہی کے پاس تھا۔ جسے دورانِ جنگ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کر دیا تھا۔ بعد ازاں اس کے بھائی سعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھا لیا۔ لیکن اسے سعد بن ابی وقاص نے قتل کر دیا تو عثم (یا عثمان) بن ابی طلحہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا سنبھال لیا۔ جب اسے بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کر دیا تو مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا۔ اسے عاصم بن ثابت بن ابی الافلح انصاری نے قتل کر دیا پھر اس کے بھائی جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا عاصم بن ثابت نے اسے بھی ایک ایسا تیر مارا کہ وہ قریب المرگ ہو گیا۔ تو جھنڈا اپنے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کر دیا جب اسے بھی قزمان نے قتل کر دیا۔ تو اس کے بھائی حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھا لیا۔ قزمان کے وار سے وہ بھی قتل ہو گیا۔ تو شرجیل بن ہاشم نے جھنڈا اٹھا لیا۔ جسے

---

[۱] سورۃ النساء آیت ۵۸ رکوع ۸ پ ۵ [۲] انساب الاشراف صد ۵۳

Marfat.com

مصعب بن عمیر نے قتل کر دیا۔ بعد ازاں زرارہ بن عمیر یا یزید بن عمر نے اٹھایا جسے قزمان نے قتل کر دیا۔ پھر قاسط بن عثمان بن عبدالدار نے سنبھالا لیکن اسے بھی قزمان نے قتل کر دیا۔ پھر صواب حبشی نے اٹھایا جب اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو بائیں سے پکڑ لیا جب وہ بھی کٹ گیا تو ٹھوڑی سے تھام لیا۔ لیکن قزمان نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اور جھنڈا زمین پر گر گیا جس کے ساتھ ہی مشرکین بھاگ نکلے۔ اس طرح مشرکین کا یہ منصب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔[۵۴]

"سفارۃ" مکہ کے کشوری نظم و نسق میں آخری اور انتہائی اہم عہدہ "سفیر یا منافر" کا تھا۔ یہ عہدہ موروثی طور پر بنی عدی یعنی سیدنا عمرؓ کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ جب کبھی جنگ چھڑ جاتی تو قریش حضرت عمرؓ کو اپنا سفیر مختار بنا کر بھیجتے۔ اسی طرح جب کوئی بیرونی قبیلہ قریش کی اولیت کو چیلنج کرتا تو حضرت عمرؓ کو ہی منافر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ ان کی جواب دہی اور بات چیت قریش کے لئے ناقابلِ تردید ہوتی تھی۔

ظہورِ اسلام کے وقت قریش کے بعض مذہبی، عدالتی اور سیاسی عہدے حسبِ ذیل تھے۔

مذہبی

	عہدہ	خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار کا نام
۱	سقایہ	حاجیوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام	بنو ہاشم	عباس بن عبدالمطلب
۲	عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام	"	"
۳	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
۴	سدانہ	کعبہ شریف کی دربانی و کلید برداری	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ

۵۴ کتاب الاشتقاق ص ۵۵

Marfat.com

۵	ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان بن اُمیّہ
۶	اموال محجّرہ	بتوں کے نذرانے اور جائیداد کا انتظام	بنو سہم	حارث بن قیس

عدالتی

۷	ندوہ	عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۸	مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد	یزید بن زمعہ
۹	اشناق	خون بہا جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تمیم	ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیاسی و جنگی

۱۰	حکومہ	مقدمات کا فیصلہ	بنو سہم	حارث بن قیس
۱۱	عقاب	قومی نشان کی علمبرداری	بنو امیّہ	ابو سفیان
۱۲	قُبّہ	فوجی کیمپ کا انتظام	بنو مخزوم	خالد بن ولید
۱۳	اَعِنّہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری	"	"
۱۴	سفارہ	سفارت	بنو عدی	عمر بن الخطاب

علاوہ ازیں ہر قبیلہ میں ایک پنچائت ہوتی جو مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ کرتی تھی۔ البتہ جب کبھی دو قبائل کے مابین فیصلہ کرنا ہوتا تو کسی اجنبی ثالث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایسے مقدمات مختلف معبدوں کی دیوبانی یا مشہور پنچوں کے پاس لے جاتے تھے۔ عرب میں کاہن۔ ہاتف عائف۔ ازلام اور ایسار وغیرہ سے فیصلہ کرانے کا عام رواج بھی تھا۔

قصیّ کا دَور ختم ہونے ہی عدلیہ کا نظام تار تار ہو گیا۔ مختلف قبائل کی باہم رقابتوں نے قتل و

Marfat.com

غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ایسے حالات و واقعات کے پیش نظر رضا کاروں کی ایک جماعت "خلف الفضول" کے نام سے قائم ہوئی جس کا اولین مقصد مظلوم کی داد رسی تھا۔ قریب تھا کہ یہ ادارہ ترقی کر کے ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کر لیتا۔ لیکن جلد ہی اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہو گیا اور پھر اسلام نے ایک نہایت منظم مرکزی نظام عدالت قائم کر دیا۔ جو رافت و راحت کا مژدہ جاں فزا ثابت ہوا۔

مؤرخ شہیر احمد بن ابراہیم الشریف لکھتے ہیں:۔

"مکہ میں ہمیشہ جمہوری حکومت رہی۔ خواہ خزاعہ کا دور ہو یا قصی بن کلاب کا۔ شورائی طرز سے تنازعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ "مجلس الشیوخ" (الملاء) سیاسیات۔ اقتصادیات اور اجتماعیات کے احکام صادر کرتی ہے۔ زمانہ قدیم میں کوئی باقاعدہ مسودہ قانون تو نہیں تھا لیکن مجلس عرف اور علاقائی عادات کے مطابق فیصلہ کرتی تھی[1]۔"

علامہ فرید وجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:۔

"قدیم زمانہ میں اشرافِ مکہ ہر روزہ عصر سے قبل کچھ دیر کے لئے دارالامارہ میں جمع ہوتے اور عوام کی شکایات و مسائل سُن کر انہیں حل کرتے تھے[2]۔"

---

[1] تاریخ مکہ و مدینہ صہ ۱۱۲ [2] دائرۃ المعارف جلد ۹ صہ ۳۲۵ لفظ مکہ

Marfat.com

کرنسی چونکہ مکہ مکرمہ صوبہ حجاز کا دارالخلافہ ہے اور صوبہ حجاز بشمول دیگر صوبہ جات کے ایک مستقل ملک بنتا ہے۔ اس بنا پر یہاں سکّہ ہر دور میں ملکی حکومت کا رائج رہا۔ خواہ اس حکومت کی حدود مصر تک پھیلی ہوئی ہوں یا اس کا دائرہ اثر ترکی تک وسیع ہو۔ آج کل سعودی حکومت کا سکّہ رائج ہے جسے ریال کہتے ہیں جس کا کرنسی نوٹ کاغذ کی شکل میں ہے۔ ۱-۵-۱۰-۵۰ اور ۱۰۰ ریال۔ جب کہ ایک ریال ۲۰ قرش کا ہوتا ہے اور قرش ۱-۵-۲۵ اور ۵۰ ہلّا کا ہوتا ہے۔ ہلّا پاکستان کے ٹیڈی پیسے کے برابر سمجھ لیں۔

چونکہ مکہ مکرمہ میں دنیا کے بیشتر ممالک سے مسلمان فریضہ حج ادا کرنے آتے ہیں جن کے پاس اپنے ممالک کی مختلف الانواع کرنسی ہوتی ہے جسے ریال میں تبدیل کرنے کے لئے بنک اور صراف سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ صراف ایسے دکاندار ہوتے ہیں جو صرف کرنسی تبدیل کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور مختلف اوقات میں مختلف سکوں کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔

۱۹۵۳ء میں چرڈ ایچ سینگر نے لکھا تھا۔ سعودیہ کا ریال چاندی کا ہوتا ہے۔ اور انگلستان، بلجیم اور میکسیکو کی ٹکسالوں میں تیار ہوتا ہے۔[۱]

مالیاتی نظام

حکومت اور اہل مکہ کی آمدنی کے متعدد ذرائع تھے۔ جرہم اور قطورہ کے دو قبائل نے جب مکہ میں وفاقی حکومت قائم کی تو انہوں نے شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جس حصہ سے کوئی تاجر شہر میں داخل ہوتا اسی حصہ کے قبیلہ کو وہ عشر ادا کرتا تھا۔ لیکن قصی نے اپنے عہد حکومت میں اس تقسیم کو ختم

---

[۱] عرب اور اہل عرب ص ۲۳

Marfat.com

کردیا اور مطلق العنان حکمران بن گیا۔

محصول یا عشر کا یہ طریقہ زمانہ تاریخ سے پہلے بھی عمالقہ کے ہاں رائج تھا۔ اور یہی سب سے بڑا ذریعہ آمدن تھا۔ البتہ مکہ کے باشندے اس سے مستثنیٰ تھے۔ اسلام کے بعد بھی حجاج اور تجار پر کئی مرتبہ ٹیکس لگایا گیا۔ اور ترک بھی کیا جاتا رہا۔ سعودی حکومت بھی تنازل وصول کرتی ہے۔

قصی نے ایک اور فنڈ (رفادہ) بھی قائم کیا تھا۔ اس نے اپنی قوم کو ترغیب دی کہ حجاج کی خدمت اور ضیافت ہمارا اخلاقی فرض ہے لہٰذا تمام اہل مکہ اپنی آمدنی سے سالانہ کچھ رقم اس فنڈ میں جمع کریں۔ تاکہ حج کے ایام میں غریب حجاج کا تعاون کیا جائے۔ اور "بلدیہ" کی طرف سے ان کی ضیافت بھی ہوتی رہے۔ گویا کہ یہ ایک سالانہ محصول تھا۔

عرب میں عام دستور تھا کہ رؤسا اور امراء بڑی عالی شان ضیافتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ لیکن اہل مکہ سب مل کر ان مصارف کا بوجھ برداشت کرتے تھے۔ اور جو رقم بچ جاتی تھی۔ وہ حاکم وقت کے خزانہ کو معمور کرتی تھی۔

علاوہ ازیں کوئی اجنبی زائر یا مسافر مکہ میں فوت ہو جاتا تو اس کا مال بھی حاکم وقت کو دے دیا جاتا تھا۔ آمدن کا ایک انفرادی ذریعہ یہ بھی تھا کہ باہر کے لوگ جب طواف بیت اللہ کے لئے آتے تو وہ اہل مکہ سے کرایہ پر لباس حاصل کرتے تھے اگر کسی وجہ سے لباس دستیاب نہ ہوتا تو پھر اپنے غیر مقدس اور گناہ آلود لباس کو اتار کر مرد اور عورتیں سب کامل برہنگی کی حالت میں طواف کرتے تھے۔ اس طرح قریش مکہ کے لئے یہ بھی ایک معقول ذریعہ آمدن بن گیا تھا۔

پہلے پہل حجاج کرایہ کے مکان میں نہیں بلکہ بطور مہمان کسی کے گھر ٹھہرتے تھے۔ اگرچہ وہ کرایہ کے بوجھ سے سبکدوش تھے، مگر میزبان کی خاطر مدارات کے لئے وہ کپڑوں کا جوڑا۔ قربانی کا جانور یا کوئی اور چیز۔ بطور معاوضہ ادا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں اہل مکہ کی آمدن کے تین انتہائی معقول

Marfat.com

ذرائع ہیں۔

معلمی فیس۔ کرایہ مکان اور تجارت

ان ذرائع سے صرف حج کے زمانہ میں اس قدر آمدنی ہو جاتی ہے جو انہیں سال بھر کے لئے کفایت کرتی ہے۔ بلکہ اس آمدنی سے اہل مکہ کی اقتصادی پوزیشن انتہائی مستحکم ہو گئی ہے۔

معلّم

قدیم زمانہ میں نہ تو کوئی معلّم تھا اور نہ ہی معلّمی فیس۔ لیکن ۷۶۰ھ میں سلطان مصر قایتبائی جب حج کے لئے آیا تو اسے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ مزاج، طبیعت اور زبان کے لحاظ سے حجاج کی خدمت، راحت رسانی اور رہنمائی کے لئے ایسے صالح و باعمل اشخاص کا انتخاب کیا جائے جو ان کی خلوص اور نیک نیتی سے رہبری کر سکیں۔ سلطان موصوف کی اس خواہش پر امیر مکہ شریف ابو نمی نے چند اصحاب علم و تقویٰ کو منتخب کر کے اللہ کے مہمانوں کو ان کے سپرد کر دیا۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ معلموں نے اصل مقصد کو فراموش کر کے اسے ایک مستقل پیشہ بنا لیا۔ کچھ عرصہ یہ طریقہ بھی رائج رہا کہ ہر قوم یا صوبہ کا ایک ہی معلم ہوتا تھا۔ اس کے سوا کسی دوسرے معلم کے پاس حاجی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت مکہ شریف میں معلموں کی حسب ذیل تعداد ہے

پاک و ہند کے تقریباً ۲۰۰۔ انڈونیشیا۔ مالیزیا۔ سنگاپور اور ان علاقوں کے مختلف جزیروں کے تقریباً ۳۵۰۔ ترکی، ایران، افغانستان، الجزائر، مراکش، تیونس، افریقہ اور عرب ممالک کے تقریباً ۶۵۰۔ اس طرح مجموعی تعداد تقریباً ۱۲۰۰ ہے ؛

Marfat.com

امرائے مکہ

یہ اعزاز سب سے پہلے عتاب بن اُسید بن ابی العیص بن امیہ کو شوال ۸ھ میں ملا۔

فتح مکہ سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ حنین کو تشریف لے جا رہے تھے تو انہیں مکہ کا امیر مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۱ برس تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عتاب تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کن لوگوں پر تجھے مقرر کیا ہے؟ میں نے اہل اللہ پر تجھے عامل بنایا ہے لہذا ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔[1]

امام فاکہی نے لکھا ہے کہ انہیں چالیس اوقیہ سونا بطور تنخواہ سالانہ ملتا تھا۔[2]

ابن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین کو تشریف لے جا رہے تھے تو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ شریف میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور دین کے احکام سکھائیں۔ امام ابن عبد البر"

---

[1] شفاء الغرام صہ ۱۵۹ [2] المنتقی فی اخبار ام القریٰ صہ ۴۰

Marfat.com

نے طبری سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف تشریف لے جاتے وقت ہبیرہ بن سہل الثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں نائب مقرر کیا تھا۔ یہ سب سے پہلے صحابی ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد حرم شریف میں نماز کی امامت کرائی۔ بظاہر یہ تینوں روایات مختلف اور متعارض معلوم ہوتی ہیں اور یہ صراحت نہیں ہوتی کہ ان تین صحابہ میں سے اولیت کسے نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ علامہ فاسیؒ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتابؓ کو گورنر بنایا۔ معاذ بن جبلؓ کو امامت اور تدریس کی خدمت سپرد فرمائی اور ہبیرہؓ کو معاذؓ کا معاون مقرر فرمایا تاکہ ان کی عدم موجودگی میں امامت کے فرائض انجام دیں۔[۱]

عتابؓ بن اسید تادم مرگ اس عہدہ پر فائز رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صدیقیؓ میں بھی اس عہدہ پر قائم رہے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کا وصال بھی اسی دن ہوا جس دن امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوتے تھے اور یہ روایت بھی ہے کہ جس دن خلیفہ اول کے وصال کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی اسی دن آپ کا وصال ہوا تھا۔[۲]

۱۳ھ: المحرز بن حارثہ بن ربیعہ

امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام عبد البرؒ سے نقل کیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حارث بن نوفل بن الحارث کو گورنر بنا دیا تھا۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ صحیح اور متواتر روایت کے مطابق المحرز ہی تادم مرگ اس عہدہ پر فائز رہے۔ البتہ صدیقؓ نے ان کی نیابت کے لئے چند حضرات کا تقرر فرمایا تھا۔[۳]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امراء۔ آپ کا زمانہ خلافت ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ/۶۳۴ء تا ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ/۶۴۵ء۔ قنفذ بن عمیر بن جدعان التیمی۔ نافع بن عبد الحارث الخزاعی۔ طارق بن المرتفع

---

[۱] شفاء الغرام صہ ۱۵۹ [۲] ایضاً صہ ۱۶۱ [۳] جامع اللطیف صہ ۱۷۶

Marfat.com

بن الحارث۔ عبدالرحمٰن بن ابزی۔ حارث بن نوفل بن حارث اور خالد بن العاص المخزومی۔

بعض روایات میں ہے کہ خالد بن عاص کو اس عہدہ پر برقرار رکھنے کی حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی تھی جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول نہیں کیا تھا۔[1]

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۲۴ھ/۶۴۵ء تا ۳۵ھ/۶۵۶ء

۲۱ھ: علی بن عدی۔ الحارث بن نوفل۔ عبداللہ بن خالد بن اسید اور ۳۵ھ میں عبداللہ بن عامر الحضرمی۔[2]

خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۳۵ھ/۶۵۶ء تا ۴۰ھ/۶۶۱ء

ابو قتادہ الانصاری ۳۶ھ میں قثم بن عباس۔ معبد بن عباس۔ ابو قتادہ کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ الحارث بن ربعی یا النعمان بن ربعی تھا۔[3]

خلیفہ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۶۰ھ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۴۱ھ تا ۶۰ھ

۳۹ھ: عتبہ بن ابی سفیان ۴۲ھ خالد بن العاص المخزومی۔ مروان بن الحکم۔ امام ابن العربی مروان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

صحابہ، تابعین، فقہا اور عامۃ المسلمین کے نزدیک ان کا شمار امت کے اکابرین میں ہوتا تھا۔[4]

اور سعید بن العاص بن امیہ۔ سعید بن العاص کے متعلق ابو عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ کہ ان کا شمار قریش کے اشراف میں ہوتا تھا۔ یہ سخاوت اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ عمرو بن سعید بن العاص

---

[1] شفاء الغرام ص ۱۶۱ [2] ایضاً ص ۱۶۲ [3] جامع اللطیف ص ۱۷۷ [4] العواصم من القواصم ص ۸۹

Marfat.com

المعروف اُشدَق ۔ سنہ ۴۲ھ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ۔ سنہ ۴۴ھ میں خالد بن اسید بن ابی العیص المتوفی سنہ ۵۳ھ اور عبداللہ بن خالد بن اسید۔[1]

خلیفہ یزید بن معاویہ المتوفی سنہ ۶۴ھ کے امراء۔

سنہ ۶۱ھ ۔ عمرو بن سعید بن العاص اشدق ۔ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان ۔ عثمان بن محمد بن ابی سفیان حارث بن خالد بن العاص ۔ عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب اور یحیٰی بن حکیم بن عمرو۔[2]

سنہ ۶۲ھ سے ۱۷ جمادی الثانی سنہ ۷۳ھ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ کے خود مختار حاکم ہوئے ہیں۔[3]

خلیفہ عبدالملک بن مروان المتوفی سنہ ۹۶ھ کے امراء ۔ زمانہ خلافت ۷۳ تا ۸۲ ھ

سنہ ۷۳ھ حجاج بن یوسف الثقفی ، حارث بن خالد المخزومی ۔ خالد بن عبداللہ القسری ۔ سنہ ۸۰ھ عبداللہ بن سفیان المخزومی ۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد ۔ نافع بن علقمہ الکنانی اور یحیٰی بن الحکم بن ابی العاص ۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان المتوفی سنہ ۹۶ھ ۔ زمانہ خلافت ۸۶ تا ۹۶ ھ کے صرف عمر بن عبدالعزیز اور خالد بن عبداللہ امیر تھے ۔

خلیفہ سلیمان عبدالملک المتوفی سنہ ۹۹ھ کے امراء زمانہ خلافت ۹۶ تا ۹۹ ھ

سنہ ۹۶ھ خالد بن عبداللہ القسری ۔ سنہ ۹۷ھ طلحہ بن داؤد الحضرمی اور عبدالعزیز بن خالد بن اسید ۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز المتوفی سنہ کے امراء

---

[1] شفاء الغرام صـ۱۶۴ تا ۱۶۶ [2] ایضاً صـ۱۶۷ [3] طبری جلد ۵ عنوان شہادت ابن زبیر

Marfat.com

۹۹ھ تا ۱۰۱ھ عبدالعزیز بن عبداللہ اموی۔ محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن۔ عروہ بن عیاض۔ عبداللہ بن قیس بن مخرمہ اور عثمان بن عبیداللہ۔

خلیفہ یزید بن عبدالملک المتوفی ۱۰۵ھ کے امرا۔ زمانہ خلافت ۱۰۱ تا ۱۰۵ھ

۱۰۲ھ عبدالعزیز بن عبداللہ بن اسید۔ ۱۰۳ھ عبدالرحمٰن بن ضحاک بن قیس اور ۱۰۴ھ عبدالواحد بن عبداللہ النصری۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک المتوفی ۱۲۵ھ کے امرا۔ زمانہ خلافت ۱۰۵ تا ۱۲۵ھ

عبدالواحد بن عبداللہ المذکور ۱۰۶ھ تا ۱۱۴ھ ابراہیم بن ہشام ۱۱۴ھ تا ۱۲۵ھ محمد بن ہشام اور اس کے بعد محمد عبداللہ۔

خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک المتوفی ۱۲۶ھ

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ یوسف بن محمد الثقفی، ۱۲۶ھ تا ۱۲۸ھ عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز ۱۲۹ھ عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک ۱۳۰ھ ابوحمزہ الخارجی۔ اور ۱۳۱ھ ولید بن عروہ السعدی

خلیفہ مروان بن محمد المتوفی ۱۳۲ھ کے امرا

عبدالملک بن محمد بن عطیہ، الولید بن عروہ السعدی اور محمد بن عبدالملک بن مروان۔

خلفاء دولت عباسیہ خلیفہ السفاح عبداللہ بن محمد بن علی المتوفی ۱۳۶ھ کے امرا۔

۱۳۲ھ تا ۱۳۳ھ داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس ربیع الاول ۱۳۳ھ تا ۱۳۶ھ زیاد بن عبیداللہ بن عبدالمدان۔

خلیفہ ابوجعفر المنصور کے امرا

۱۳۶ھ تا ۱۳۷ھ العباس بن عبداللہ بن معبد۔ ۱۳۷ھ تا ۱۴۱ھ زیاد بن عبداللہ الحارثی ۱۴۱ھ تا ۱۴۵ھ الہیثم بن معاویہ العتکی ۱۴۵ھ محمد بن حسن بن معاویہ ۱۴۵ھ تا ۱۴۶ھ السری

Marfat.com

بن عبداللہ بن الحارث سنہ ۱۴۶ھ تا ۱۴۹ھ عبدالصمد بن علی بن عبداللہ اور سنہ ۱۵۰ھ تا سنہ ۱۵۸ھ محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی۔ ان کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق سنہ ۱۵۸ھ اور سنہ ۱۵۰ھ تک ان کا زمانہ بیان کیا گیا ہے۔ مگر علامہ فاسی فرماتے ہیں کہ اگر یہ قول صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر یہ اسی نام کے دوسرے گورنر کے متعلق ہے[1]۔

خلیفہ محمد بن المنصور المہدی العباسی المتوفی سنہ ۱۶۶ھ کے امرار۔ زمانہ خلافت

سنہ ۱۵۸ھ ابراہیم بن یحیٰ بن محمد سنہ ۱۶۱ھ تا سنہ ۱۶۳ھ جعفر بن سلیمان بن علی، سنہ ۱۶۶ھ تا سنہ ۱۶۹ھ عبیداللہ بن قثم بن عباس اور محمد بن ابراہیم الامام[2]۔

خلیفہ موسیٰ بن الہادی العباسی کے زمانہ میں تین امرار تھے۔ عبیداللہ بن قثم بن عباس حسین بن علی بن حسن اور محمد بن عبدالرحمٰن السفیانی۔

خلیفہ ہارون الرشید بن مہدی کے امرار۔ زمانہ خلافت سنہ ۱۷۰ھ ۷۸۶ء تا سنہ ۱۹۳ھ ۸۰۹ء

احمد بن اسماعیل بن علی بن عبیداللہ سنہ ۱۷۰ھ محمد بن ابراہیم الامام سنہ ۱۸۴ھ حمادی البربری سنہ ۱۸۶ھ سلیمان بن جعفر بن سلیمان۔ عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ۔ عباس بن محمد بن ابراہیم الامام۔ عبداللہ بن محمد بن ابراہیم الامام۔ عبداللہ بن محمد بن عمران۔ عبیداللہ بن قثم بن عباس۔ عبیداللہ بن محمد بن ابراہیم الامام۔ علی بن موسیٰ بن یحیٰ۔ سنہ ۱۹۱ھ فضل بن عباس بن محمد۔ محمد بن عبداللہ بن سعید بن مغیرہ اور موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد۔

خلیفہ امین محمد بن ہارون الرشید المتوفی سنہ ۱۹۰ھ زمانہ خلافت سنہ ۱۹۳ھ ۸۰۹ء تا سنہ ۱۹۸ھ ۸۱۴ء میں صرف داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ مکہ کے گورنر ہوتے ہیں۔

---

[1] شفاء الغرام صہ ۱۸۲ [2] ایضاً صہ ۱۸۳

خلیفہ مامون عبداللہ بن ہارون الرشید المتوفی سنہ ۲۱۸ھ زمانہ خلافت سنہ ۱۹۸ھ/۸۱۳ء تا سنہ ۲۱۸ھ/۸۳۳ء

سنہ ۱۹۸ھ تا سنہ ۱۹۹ھ داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ سنہ ۱۹۹ھ تا سنہ ۲۰۰ھ الحسین بن علی بن علی سنہ ۲۰۰ھ محمد بن جعفر الصادق سنہ ۲۰۴ھ تا سنہ ۲۰۹ھ عبیداللہ بن حسن بن عبیداللہ سنہ ۲۱۰ھ تا سنہ ۲۱۲ھ صالح بن عباس بن محمد سنہ ۲۱۲ھ حمدون بن علی بن عیسیٰ۔ یزید بن محمد بن حنظلہ۔ ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر سنہ ۲۱۴ھ تا سنہ ۲۱۶ھ سلیمان بن عبداللہ بن سلیمان سنہ ۲۱۶ھ محمد بن سلیمان بن عبداللہ۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن حسن الحسن بن سہل اور محمد بن سلیمان الزینی۔

خلیفہ المعتصم محمد بن ہارون الرشید عباسی المتوفی سنہ ۲۲۷ھ کے امراء زمانہ خلافت سنہ ۲۱۸ھ/۸۳۳ء تا سنہ ۲۲۷ھ/۸۴۱ء

سنہ ۲۱۹ھ تا سنہ ۲۲۲ھ صالح بن عباس بن محمد سنہ ۲۲۲ھ محمد بن داؤد بن عیسیٰ سنہ ۲۲۶ھ تا سنہ ۲۳۳ھ اشناس ترکی

خلیفہ المتوکل علی اللہ جعفر بن المعتصم علی بن عیسیٰ المتوفی سنہ ۲۴۷ھ کے امراء زمانہ خلافت سنہ ۲۳۲ھ/۸۴۷ء تا سنہ ۲۴۷ھ/۸۶۱ء

سنہ ۲۳۳ھ تا سنہ ۲۳۵ھ المنتصر محمد بن علی المنصور سنہ ۲۳۸ھ تا سنہ ۲۳۹ھ علی بن عیسیٰ بن ابی جعفر المنصور سنہ ۲۳۹ھ تا سنہ ۲۴۲ھ عبداللہ بن محمد بن داؤد سنہ ۲۴۲ھ تا سنہ ۲۴۳ھ عبدالصمد بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم الامام سنہ ۲۴۳ھ تا سنہ ۲۴۵ھ محمد بن سلیمان بن عبداللہ بن محمد۔

خلیفہ محمد بن متوکل المنتصر باللہ المتوفی سنہ ۲۴۸ھ زمانہ خلافت سنہ ۲۴۷ھ/۸۶۱ء تا سنہ ۲۴۸ھ/۸۶۲ء صرف چھ ماہ کے عرصہ میں محمد بن سلیمان الزینی اور محمد بن عبداللہ بن امیر طاہر تھے۔

خلیفہ احمد بن المعتصم مستعین باللہ المتوفی سنہ ۲۵۱ھ زمانہ خلافت سنہ ۲۴۸ھ/۸۶۲ء تا سنہ ۲۵۱ھ/۸۶۵ء کے امراء۔

Marfat.com

۲۴۹ھ عبدالصمد بن موسیٰ بن محمد اور شہزادہ العباس ۲۵۰ھ تا ۲۵۱ھ جعفر بن الفضل بن عیسیٰ المعروف شاشات، ۲۵۱ھ تا ۲۵۲ھ اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم۔

خلیفہ محمد بن المعتز باللہ ۲۵۱ھ ۸۶۵ء تا ۲۵۵ھ ۸۶۹ء کے دو امیر تھے۔ ۲۵۲ھ اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم اور ۲۵۳ھ تا ۲۵۴ھ عیسیٰ بن محمد بن اسماعیل۔

خلیفہ محمد بن واثق المہتدی باللہ المتوفی ۲۵۶ھ زمانہ خلافت ۲۵۵ھ ۸۶۹ء تا ۲۵۶ھ ۸۷۰ء میں علی بن الحسن ہاشمی مکہ کے امیر تھے۔

خلیفہ المعتمد احمد بن المتوکل زمانہ خلافت ۲۵۶ھ ۸۶۹ء تا ۲۷۹ھ ۸۹۲ء کے امراء۔

۲۵۶ھ ابواحمد طلحہ بن الموفق ۲۶۰ھ تا ۲۶۱ھ ابراہیم بن محمد بن اسماعیل ۲۶۳ھ محمد بن عیسیٰ بن محمد ابوالمغیرہ اور الفضل بن عباس بن حسین۔ محمد بن عیسیٰ بن محمد بن اسماعیل ۲۶۶ھ محمد بن ابی ساج ۲۶۹ھ ہارون بن محمد بن اسحاق ۲۶۹ھ احمد بن طولون ۲۷۰ھ یوسف بن ابی ساج۔ ابوعیسیٰ محمد بن یحییٰ اور محمد بن المتوکل۔

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ۲۷۹ھ ۸۹۲ء سے ۳۶۳ھ ۹۷۴ء تک چند امراء کے سوا تاریخ میں کسی کا نام نہیں ملتا۔ یہ زمانہ حسب ذیل خلفاء پر مشتمل تھا۔

معتضد باللہ بن موفق ۲۷۹ھ ۸۹۲ء تا ۲۸۹ھ ۹۰۲ء مکتفی باللہ بن معتضد ۲۸۹ھ ۹۰۲ء تا ۲۹۵ھ ۹۰۸ء مقتدر باللہ بن معتضد ۲۹۵ھ ۹۰۸ء تا ۳۲۰ھ ۹۳۲ء۔ قاہر باللہ بن معتضد ۳۲۱ھ ۹۳۳ء تا ۳۲۲ھ ۹۳۴ء راضی باللہ بن مقتدر ۳۲۲ھ ۹۳۴ء تا ۳۲۹ھ ۹۴۰ء، متقی للہ بن مقتدر ۳۲۹ھ ۹۴۰ء تا ۳۳۳ھ ۹۴۴ء۔

۲۸۱ھ عج بن حاج ۳۰۳ھ ابن ملاحظ، ۳۱۷ھ ابن مخلب ۳۲۱ھ ابن محارب۔

۳۳۱ھ محمد بن طغج، ۳۴۷ھ محمد بن عبداللہ العلوی ۳۵۶ھ جعفر بن محمد بن حسن ۳۵۶ھ تا ۳۸۴ھ عیسیٰ بن جعفر، ۳۹۰ھ تا ۴۳۰ھ ابوالفتوح حسن بن جعفر، اس کی سرتابی کے باعث

Marfat.com

۴۰۱ھ میں اس عہدہ سے معزول کر دیا گیا تھا۔ مگر اطاعت پذیری کے بعد دوبارہ ۴۰۳ھ میں بحال ہو گیا۔ ۴۳۰ھ تا ۴۵۳ھ شکر بن الفتوح المتوفی ۴۵۳ھ۔ محمد بن جعفر ۴۵۵ھ علی بن محمد صلیحی ، ۴۵۵ھ تا ۴۸۷ھ ابن ابی ہاشم اسی سال چند ماہ کے لئے قاسم بن محمد بھی اس عہدہ پر فائز ہوا۔ ۴۸۷ھ تا ۵۱۸ھ۔ اصبہید بن سارتکین المتوفی ۵۱۸ھ۔ ۵۱۸ھ تا ۵۲۷ھ فُلَیتہ بن قاسم بن اصبہید المتوفی ۵۲۷ھ، ۵۲۷ھ تا ۵۲۹ھ

ہاشم بن فُلَیتہ۔ اس کے سالِ وصال میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ۵۲۹ھ یا ۵۵۱ھ بیان کیا گیا ہے۔

۵۴۹ھ تا ۵۵۶ھ قاسم بن ہاشم ۵۵۶ھ تا ۵۵۷ھ عیسیٰ بن فُلَیتہ، ۵۵۷ھ تا ۵۷۰ھ قاسم بن ہاشم المذکور، اس اثنا میں اس کے بھائی مالک بن فُلَیتہ نے ۱ر محرم ۵۶۶ھ کو صرف نصف دن کے لئے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا مگر اسی روز بعد دوپہر قبضہ بحال ہو گیا۔

۵۷۰ھ تا ۵۷۱ھ داؤد بن عیسیٰ ۵۷۱ھ مکثر بن عیسیٰ، ۵۸۱ھ طغتکین بن ایوب ۵۹۷ھ تا ۶۱۷ھ قتادہ بن ادریس۔ ایک روایت میں قتادہ کا دورِ اقتدار ۵۹۵ھ اور ۵۹۹ھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح وصال میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۶۱۷ھ یا ۶۱۸ھ۔ ۶۱۷ھ تا ۶۱۹ھ حسن بن قتادہ، ۶۱۹ھ تا ۶۲۶ھ ملک مسعود۔ اقباش ناصری۔ نور الدین عمر بن علی۔ طغتکین الترکی ، ۶۳۰ھ۔ راجح بن قتادہ، ۶۳۵ھ تا ۶۳۷ھ۔ الملک المنصور ۶۳۹ھ حسن بن علی بن قتادہ۔

۶۴۷ھ تا ۶۵۱ھ ابو سعید بن علی بن قتادہ، ابو سعید شوال ۶۴۷ھ میں اس عہدہ پر فائز ہوا اور ۳ر شعبان ۶۵۱ھ کو قتل کر دیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق اسی سال رمضان میں قتل ہوا۔ اس کے بعد جماز بن حسن بن قتادہ کو یہ منصب ملا۔ جو ۲۹ر ذی الحجہ ۶۵۱ھ تک اس عہدہ پر رہا۔ بعد ازاں جماز کے چچا راجح بن قتادہ کو اقتدار ملا جو ربیع الاول ۶۵۲ھ کو ختم ہو گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا غانم امیر بنایا گیا جو اسی سال شوال میں برطرف کر دیا گیا۔ پھر ادریس بن قتادہ اور ابونمی بن ابی سعد اسی سال

Marfat.com

شوال سے ۲۵ ذی قعدہ تک برسر اقتدار رہے۔ ۲۵ ذی قعدہ ۶۵۲ھ سے ۲۶ محرم ۶۵۳ھ تک ظفر بن برطاس کو اقتدار ملا۔

۶۵۴ھ تا ۶۰۱ھ ادریس بن قتادہ اور ابونمی بن سعد کا دور حکمرانی تھا۔

ادریس اور ابونمی نے مل کر ظفر کی حکومت پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ لیکن بعد میں ادریس اپنے بھائی راجح کے پاس چلا گیا۔ اور ابونمی تنہا حکمران بن گیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد ادریس واپس آ کر اقتدار میں شریک ہو گیا۔ اس اثنا میں صرف چھ دن تک حسن بن قتادہ کی اولاد نے مکہ پر قبضہ کر لیا تھا مگر ابونمی نے انہیں مار بھگایا۔ پھر ۶۶۷ھ تک ادریس اور ابونمی حکمران رہے۔ پھر کچھ عرصہ کے لئے ادریس اقتدار سے الگ ہو گیا اور ابونمی تنہا حکومت کرنے لگے۔ لیکن دوبارہ دونوں کی مشترکہ حکومت بحال ہو گئی۔ اور پھر ۶۶۹ھ تک دونوں شریک رہے۔ بعد ازاں صرف چالیس دن کے لئے ادریس تنہا گورنر رہا۔ لیکن اس کے قتل ہو جانے کے بعد ابونمی ۶۷۰ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اسی سال ماہ صفر میں جماز بن شیحہ اور غانم بن ادریس نے بھی چالیس دن تک اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن ابونمی نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور ۶۸۰ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس سال جماز بن شیحہ نے ایک مرتبہ پھر مکہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر ابونمی نے بزور بازو اقتدار حاصل کر لیا۔ اور مرتے دم تک یعنی اتوار ۴ صفر ۷۰۱ھ تک اس عہدہ پر قائم رہا۔ ابونمی نے مجموعی طور پر پچاس سال تک مکہ شریف پر حکومت کی تیس سال تنہا اور بیس سال مشترک۔

ابونمی کے وصال سے دو دن قبل اس کے دو لڑکوں حمیضہ اور رمیثہ کی نیابت کا اعلان کیا گیا۔ لیکن اسی سال ذی الحجہ میں ان کے دوسرے دو بھائیوں ابوالغیث اور عطیفہ نے اقتدار پر قبضہ کر لیا ۷۰۳ھ میں حمیضہ اور رمیثہ نے دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا اور ۷۱۳ھ تک قابض رہے۔

۷۱۸ھ میں حمیضہ قتل ہو گیا تو اس کے بعد رمیثہ اور عطیفہ دونوں بھائیوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ کبھی ایک غالب آ جاتا اور کبھی دوسرا۔ لیکن ۷۳۷ھ سے ۷۴۵ھ تک رمیثہ تنہا

Marfat.com

حکومت کرتا رہا۔

۷۴۶ھ سے ۷۵۰ھ تک عجلان اور ثقبہ دونوں بھائی حکومت کرتے رہے۔ ۷۵۰ھ میں عجلان مصر چلا گیا۔ اور اسی سال ۵ شوال کو واپس آکر اقتدار میں شریک ہو گیا۔ چنانچہ ذی الحجہ ۷۵۲ھ تک دونوں مشترکہ حکومت کرتے رہے۔ بعد میں دونوں میں مخاصمت ہو گئی جس کی وجہ سے ۷۵۳ھ تک ثقبہ اکیلا قابض رہا۔ اس کے بعد ایک سال عجلان کا قبضہ رہا۔ پھر دونوں نے ۷۵۵ھ تک مل کر حکومت کی یہی سلسلہ ۷۶۰ھ تک جاری رہا۔

اس کے بعد احمد بن ثقبہ اور عقیل بن مبارک بھی اقتدار میں شریک ہو گئے۔ جس کی وجہ سے ملک الظاہر برقوق نے ان سب کو معزول کر کے علی بن عجلان بن رمیثہ کو گورنر مقرر کر دیا۔ بعد میں ۷۹۴ھ محمد بن عجلان بھی کچھ عرصہ تک حکومت میں شریک ہو گیا۔ اس کے بعد ۷۹۴ھ سے ۷۹۷ھ تک علی بن عجلان تنہا قابض رہا۔ علی اسی سال ۹ رشوال کو انتقال کر گیا۔ ۷۹۷ھ محمد بن عجلان، ۷۹۸ھ حسن بن عجلان اور ۸۰۹ھ میں برکات بن حسن۔ باپ کے ساتھ حکومت میں شریک ہو گیا تھا۔ ۸۱۰ھ میں حسن نے حکومت برکات اور احمد دونوں بیٹوں کے سپرد کر دی تھی جو ۸۱۸ھ تک حکمران رہے۔ ان کے بعد ۸۱۸ھ میں رمیثہ بن محمد بن عجلان گورنر بنا۔ ۸۱۹ھ میں حسن بن عجلان نے اقتدار سنبھال لیا اور ۸۲۴ھ میں اپنے بیٹے زین الدین کو بھی شریک کر لیا اور اس طرح دونوں باپ بیٹا ۸۲۷ھ تک حکومت کرتے رہے۔

۸۲۷ھ تا ۸۲۸ھ علی بن عنان بن مغامس ذی الحجہ ۸۲۸ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے حسن بن عجلان کو امیر مقرر کیا لیکن ۱۶ رجمادی الثانی ۸۲۹ھ کو اس کا قاہرہ میں انتقال ہو گیا۔ تو اس کا جانشین برکات کو بنا دیا گیا۔[1]

---

[1] یہ تمام تفصیلات شفاء الغرام سے منقول ہیں۔

Marfat.com

۸۴۵ھ سے ۱۳۴۳ھ تک کے امراء کی تفصیلات الشیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا کی کتاب مراۃ الحرمین سے پیش کی جاتی ہیں:-

۸۴۵ھ علی بن حسن — برکات بن حسن۔ ۸۴۶ھ ابو القاسم بن حسن۔ ۸۵۱ھ تا ۸۵۳ھ برکات بن حسن۔ ۸۵۹ھ محمد بن برکات۔ ۹۰۱ھ برکات بن محمد۔ ۹۰۷ھ ہزاع بن محمد - احمد بن محمد ۹۰۸ھ حمیضہ بن محمد۔ ۹۱۸ھ میں سلطان غوری نے ابو نمی ثانی کو باپ کے ساتھ حکومت میں شریک کر دیا۔ چنانچہ دونوں ۹۳۱ھ تک برسر اقتدار رہے۔ بعد ازاں ابو نمی تنہا حکومت کرنے لگا۔ اور ۹۴۵ھ میں سلطان سلیمان خان نے اسکے بیٹے احمد کو بھی اس کے ساتھ شریک کر دیا۔ لیکن یہ باپ کی زندگی ہی میں ۹۶۱ھ کو فوت ہو گیا۔ تو ابو نمی نے دوسرے بیٹے حسن کو شریک اقتدار کر لیا۔ پھر ۹۹۲ھ میں ابو نمی کا انتقال ہو گیا اور حسن بن ابو نمی خود مختار ہو گیا۔ اس کے بعد حسن کے دو لڑکے حسین اور مسعود بھی باپ کے ساتھ حکومت میں کچھ عرصہ شریک رہے مگر باپ کی زندگی ہی میں دونوں فوت ہو گئے۔

۱۰۱۰ھ ابو طالب بن حسن، ۱۰۱۲ھ ادریس بن حسن، پھر اس کا بھائی فہید بھی شریک اقتدار ہو گیا اور پھر دونوں نے ۱۰۱۹ھ تک مل کر حکومت کی۔ ۱۰۳۲ھ میں محسن بن حسین بن حسن بھی حکومت میں شریک ہو گیا۔ اس نے اپنے چچا ادریس اور فہید کے ساتھ مل کر بھی کچھ عرصہ حکومت کی لیکن ۱۰۳۲ھ میں تنہا حکمران بن گیا۔ ۱۰۳۷ھ احمد بن عبدالمطلب بن حسن۔ ۱۰۳۹ھ مسعود بن ادریس بن حسن۔ ۱۰۴۰ھ عبداللہ بن حسن۔ ۱۰۴۱ھ محمد بن عبداللہ بن حسن اور زید بن محسن۔ ۱۰۴۱ھ تا ۱۰۴۲ھ نامی بن عبدالمطلب المتوفی محرم ۱۰۴۲ھ۔ ۱۰۷۷ھ سعید بن زید۔ ۱۰۸۰ھ احمد بن زید۔ ۱۰۸۲ھ تا ۱۰۹۴ھ برکات بن محمد بن ابراہیم المتوفی ۱۰۹۴ھ۔

۱۰۹۴ھ سعید بن برکات۔ ۱۰۹۵ھ تا ۱۰۹۹ھ احمد بن زید اس کا انتقال اسی سال ہوا۔ ۱۰۹۹ھ تا ۱۱۰۱ھ احمد بن غالب اور سعید بن سعد بن زید ۱۱۰۱ھ محسن بن حسین بن زید۔ ۱۱۰۳ھ مساعد

Marfat.com

بن سعد —— سعید بن سعد۔ سعد بن زید۔ ۱۱۰۵ھ عبداللہ بن ہاشم۔ ۱۱۰۶ھ تا ۱۱۱۳ھ سعد بن زید۔ ۱۱۱۶ھ عبدالمحسن بن احمد بن زید۔ اور عبدالکریم بن یعلی، سعد بن زید۔ سعید بن سعد۔ ۱۱۲۹ھ عبداللہ بن سعید۔ ۱۱۳۰ھ علی بن سعید۔ یحییٰ بن برکات۔ ۱۱۳۲ھ مبارک بن احمد بن زید۔ ۱۱۳۴ھ یحییٰ بن برکات۔ ۱۱۳۶ھ برکات بن یحییٰ ۔ مبارک بن احمد بن زید۔ عبداللہ بن سعید۔ ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۵ھ محمد بن عبداللہ بن سعد۔ ۱۱۴۵ھ مسعود بن سعید پھر ۱۱۵۱ھ میں اس کے ساتھ اس کا بھتیجا محمد بن عبداللہ بھی شریک ہو گیا۔ ۱۱۶۴ھ مسعود بن عبداللہ۔ ۱۱۶۵ھ مساعد بن سعد۔ ۱۱۷۲ھ جعفر بن سعید۔ ۱۱۷۳ھ مساعد بن سعید۔ ۱۱۸۴ھ عبداللہ بن سعید۔ عبداللہ بن حسین بن یحییٰ۔ ۱۱۸۵ھ احمد بن سعید۔ سرور بن مساعد۔ ۱۲۰۲ھ غالب بن مساعد۔ ۱۲۲۸ھ یحییٰ بن سرور۔ ۱۲۴۲ھ عبدالمطلب بن غالب بن مساعد۔ ۱۲۴۳ھ تا ۱۲۶۷ھ محمد بن عبدالمعین بن عون۔ ۱۲۶۷ھ تا ۱۲۷۲ھ عبدالمطلب بن غالب۔ ۱۲۷۲ھ تا ۱۲۷۴ھ محمد بن عبدالمعین۔ ۱۲۷۴ھ تا ۱۲۹۴ھ عبداللہ پاشا بن محمد۔ ۱۲۹۴ھ حسین پاشا بن محمد بن عبدالمعین۔ ۱۲۹۷ھ تا ۱۲۹۹ھ عبدالمطلب بن غالب ۱۲۹۹ھ عون الرفیق پاشا بن محمد۔ ۱۳۲۳ھ علی پاشا۔ ۱۳۲۶ھ حسین بن علی۔ یہ ۶ شوال ۱۳۲۶ھ میں دولت عثمانیہ کی طرف سے مکہ کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ مگر بعد میں اس نے "شاہ حجاز" ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ دولت عثمانیہ ترکیہ کا آخری گورنر تھا۔ اس کے بعد سلطان عبدالعزیز بن سعود نے ۱۳۴۳ھ میں اپنا پہلا گورنر خالد بن لوی مقرر کیا۔[1]

[1] مراۃ الحرمین جلد ا ص ۳۵۹ تا ۳۶۶

Marfat.com

امرائے حج اور حوادثات

اسلام کی تاریخ میں یہ اعزاز سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنائت ہوا جنہیں ۹ ہجری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحجاج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا۔ امارت حج کے علاوہ آپ کو یہ خدمت بھی تفویض کی گئی تھی کہ منیٰ اور عرفات کے اجتماعات میں اعلان کریں کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج بیت اللہ کے لئے نہیں آسکتا اور نہ ہی کوئی آدمی ننگے ہو کر طواف کر سکتا ہے۔[۱]

اس کے بعد آپ ۱۲ھ میں بحیثیت خلیفۃ المسلمین فریضہ حج ادا کرنے گئے تھے۔ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں ہر سال حج تشریف لے جاتے رہے صرف ۱۳ ہجری کو تشریف نہیں لا سکے۔ اس سال سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر الحجاج تھے۔

اسی طرح سیدنا عثمان ذوی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خلافت کے ہر سال فریضہ حج ادا کرنے جاتے رہے۔ لیکن پہلے سال ۲۴ھ میں نہیں جا سکے تھے۔ اس سال بھی عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امارت حج تفویض ہوئی تھی۔ موصوف خلافت کے آخری سال ۳۵ھ میں جب کہ فتنہ پردازوں نے زبردست خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا اور وہ آپ کی جان عزیز کے درپے تھے۔ بنابریں آپ فریضہ حج کی ادائیگی سے قاصر رہے اور اپنی طرف سے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔

---

[۱] بخاری شریف جلد ۳ صد ۶۷ سورہ براۃ

Marfat.com

۳۸ھ میں سیدنا قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے امیر مکہ تھے۔ امارت حج کی خدمت انجام دی۔ ۳۹ھ میں امارت حج پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حجاج بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی معاویہ بن یزید بن شجرہ الرہاوی کو امیر بنا بھیجا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر دونوں کے مابین نزاع ہوا اور دونوں نے ایک دوسرے کی امارت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن حجاج نے انتہائی دانشمندی سے کام لے کر شیبہ بن عثمان کی امارت کا اعلان کر دیا جس کے باعث نزاع ختم ہو گیا۔

۴۰ھ میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امارت حج کی ذمہ داری نباہی۔ ۴۴ھ میں امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں امیر الحاج کی حیثیت سے حج کرنے گئے۔ اور پھر ۵۰ھ میں بھی دوبارہ فریضہ حج ادا کیا۔[1]

۴۵ھ میں مروان بن الحکم والی مدینہ امیر حج تھے۔ خطبہ حج اور عرفات میں امامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۴۶ھ میں عتبہ بن ابی سفیان اور ۴۸ھ میں مروان بن الحکم امیر حج تھے۔ ۴۹ھ، ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں سعید بن عاص امیر تھے۔ البتہ ۵۱ھ میں یزید بن معاویہ کو یہ منصب عنایت کیا گیا۔ ۵۴ھ میں مروان بن الحکم مدینہ سے امیر حج بن کر گئے۔ ۵۸ھ میں ولید بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا گیا۔ ۵۹ھ میں عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو امارت ملی۔ ۶۰ھ میں یزید نے ولید بن عتبہ کو مکہ کی گورنری سے معزول کر کے عمرو بن سعید بن عاص کو گورنر بنایا۔ اور اس سال یہی امیر حج بھی تھے۔ ۶۱ھ اور ۶۲ھ میں یہ خدمت ولید بن عتبہ نے انجام دی۔[2]

---

[1] شفاء الغرام صہ ۲۳۴، ۲۳۵ [2] طبری جلد ۴ خلافت امیر معاویہ

Marfat.com

۶۳ھ سے ۷۰ھ تک سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خدمت انجام دیتے رہے ۶۶ھ میں امارت کے چار جھنڈے تھے۔ ایک سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کا۔ دوسرا ابن عامر کا خوارج کے لئے تیسرا محمد بن الحنفیہ کا شیعہ کے لئے اور چوتھا جھنڈا اہل شام کا بنو امیہ کی طرف سے تھا۔ لیکن نماز اور خطبہ کا فریضہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ نے ادا کیا۔

۷۵ھ اور ۷۸ھ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے یہ خدمت انجام دی۔ ۹۱ھ اور ۹۵ھ خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان امیر تھے۔ ۹۷ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک امیر حج کی حیثیت سے حج کرنے آئے ۱۰۶ھ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک امیر بنے۔ ۱۴۰ھ۔ ۱۴۴ھ۔ ۱۴۷ھ اور ۱۵۲ھ میں خلیفہ ابوجعفر المنصور امیر الحجاج تھے۔ ۱۵۸ھ میں اسی عزم سے سفر اختیار کیا لیکن راستہ میں بیر میمون کے پاس پہنچ کر اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

۱۶۰ھ اور ۱۶۴ھ میں خلیفہ المہدی محمد بن ابی جعفر نے دو مرتبہ بحیثیت امیر فریضہ حج ادا کیا۔

۱۷۰ھ، ۱۷۳ھ، ۱۷۵ھ، ۱۷۷ھ، ۱۷۹ھ، ۱۸۱ھ، ۱۸۶ھ اور ۱۸۸ھ ان سالوں میں خلیفہ ہارون الرشید امیر الحجاج کی حیثیت سے حج کرنے جاتے رہے۔ ۱۹۹ھ میں حجاج نے امام اور خطبہ کے بغیر فریضہ حج ادا کیا۔ اس سال افطس کو مامون نے مکہ فتح کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور امارت حج بھی اسی کو سونپی تھی۔ مگر یہ بروقت نہ پہنچ سکا۔ اگرچہ محمد بن داؤد کے نام ایک فرضی حکم نامہ بنایا گیا مگر وہ کارآمد ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ لوگوں نے عرفات میں ایک اجنبی آدمی کو نماز کے لئے کھڑا کر دیا۔ مگر خطبہ کے بغیر ہی سب نے حج ادا کیا۔ افطس غروب آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے مکہ پہنچا۔ طواف اور سعی سے فارغ ہو کر عرفات گیا رات وہیں بسر کی اور صبح کے قریب مزدلفہ آیا اور وہاں حجاج کو صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر بقیہ ایام منیٰ میں گذارنے کے بعد شہر میں جا کر مفسدین کا قلع قمع کیا

Marfat.com

سنہ ۲۰۰ھ میں ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر نے عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں سے ایک شخص کو بہت بڑی فوج کے ساتھ امیر حجاج بنا کر مکہ بھیجا۔ لیکن جب یہ بطن نخلہ میں بستان ابن عامر کے مقام پر پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ اس سال ابو اسحاق بن ہارون الرشید امیر حج کی حیثیت سے آچکا ہے اور اس کے ساتھ ایسی بہادر اور جری فوج ہے جس کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہے۔ چنانچہ وہ بستان ابن عامر میں ہی رک گیا۔ اس اثنا میں حجاج اور تجار کا ایک قافلہ وہاں سے گذرا جن کے پاس غلاف کعبہ اور عطریات تھے۔ عقیلی فوج نے یہ سب کچھ لوٹ لیا۔ اس طرح وہ لٹا پٹا قافلہ کس مپرسی کے عالم میں مکہ پہنچا۔ جب اس المناک واقعہ کی اطلاع ابو اسحاق کو ہوئی تو اس نے فی الفور عقیلی فوج پر حملہ کر کے غلافِ کعبہ سمیت تمام سامان برآمد کر لیا۔ اور ان کے بہت سے آدمی گرفتار بھی کر لئے۔[1]

سنہ ۲۰۱ھ میں اسحاق بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ نے امارت حج کی خدمت انجام دی۔ سنہ ۲۰۲ھ میں ابراہیم بن محمد بن جعفر۔ سنہ ۲۰۳ھ میں سلیمان بن علی۔ سنہ ۲۰۴ھ تا سنہ ۲۰۶ھ عبیداللہ بن الحسن بن عبیداللہ بن عباس۔ سنہ ۲۰۷ھ میں ابو عیسیٰ بن الرشید۔ سنہ ۲۰۸ھ میں صالح بن الرشید۔ سنہ ۲۰۹ھ تا سنہ ۲۱۱ھ میں صالح بن عباس بن محمد بن علی۔ سنہ ۲۱۲ھ، سنہ ۲۱۳ھ عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن محمد۔ سنہ ۲۱۴ھ میں اسحاق بن عباس بن محمد۔ سنہ ۲۱۵ھ، سنہ ۲۱۶ھ میں عبداللہ بن عبیداللہ۔ سنہ ۲۱۷ھ میں سلیمان بن عبداللہ بن سلیمان۔ سنہ ۲۱۸ھ تا سنہ ۲۲۰ھ میں صالح بن عباس۔ سنہ ۲۲۱ھ تا سنہ ۲۲۶ھ میں محمد بن داؤد۔ سنہ ۲۲۷ھ میں جعفر بن المعتصم۔ سنہ ۲۳۶ھ المنتصر محمد بن متوکل۔ سنہ ۲۳۷ھ، سنہ ۲۳۸ھ علی بن عیسیٰ بن جعفر بن ابی جعفر المنصور۔ سنہ ۲۳۹ھ تا سنہ ۲۴۱ھ میں عبداللہ بن محمد بن داؤد بن عیسیٰ۔ سنہ ۲۴۲ھ، سنہ ۲۴۳ھ میں جعفر بن دینار امیر حج تھے۔

سنہ ۲۴۴ھ میں عبدالصمد بن موسیٰ امیر حج تھے۔ اس سال مکہ میں شدید ترین قحط تھا۔ ایک دینار میں رخ

---

[1] شفاء الغرام صہ ۲۳۶

Marfat.com

کے عوض پانچ سیر گندم ملتی تھی۔ بعد میں وہ بھی نایاب ہو گئی۔ لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ٹڈیوں کا ایک لشکر بھیجا جس سے زمین بھر گئی اور لوگوں نے ٹڈیاں کھا کر جان بچائی۔ ۲۴۵ھ ۲۴۶ھ میں محمد بن سلیمان بن عبداللہ۔ ۲۴۹ھ میں عبدالصمد بن موسیٰ اور ۲۵۰ھ میں جعفر بن الفضل ابشاشات امیر تھے۔

ربیع الاول ۲۵۱ھ میں اسماعیل بن یوسف علوی نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا۔ والی مکہ جعفر بن الفضل بن عیسیٰ خوف کے مارے بھاگ گیا۔ اسماعیل نے بے دریغ غارت گری اور قتل کیا۔ کعبہ کا غلاف اور سونے چاندی کے علاوہ اہالیانِ مکہ کے دو لاکھ دینار لوٹ لئے۔ بعدازاں اس نے مدینہ پر شب خون مارا۔ پھر واپس لوٹ کر ایام حج میں ہزارہا حجاج کے خونِ ناحق سے ہاتھ رنگین کئے۔

جب یہ روح فرسا اطلاعات المعتز کو پہنچیں تو اس نے محمد بن احمد بن عیسیٰ اور عیسیٰ بن المخزومی کو ایک لشکر جرار دے کر مکہ روانہ کیا۔ جن سے اسماعیل کا زبردست مقابلہ ہوا۔ گیارہ ہزار حجاج شہید ہوئے اور باقی ماندہ بھاگ گئے۔ اس سال حجاج کو عرفات میں وقوف کرنے کے لئے نہ تو دن کو وقت مل سکا اور نہ ہی رات کو۔ اسماعیل نے ۵۷ دن تک مکہ کا محاصرہ کئے رکھا جس کے باعث لوگ بھوک کی شدت سے جاں بلب ہو گئے۔ اور گرانی کا یہ عالم تھا کہ ایک روٹی تین درہم میں مشکل سے ملتی تھی اور اسی طرح پانی کا ایک مشکیزہ تین درہم میں ملتا تھا۔

۲۵۲ھ میں محمد بن احمد بن عیسیٰ۔ ۲۵۳ھ میں عبداللہ بن محمد بن سلیمان الزینبی۔ ۲۵۴ھ، ۲۵۵ھ میں علی بن الحسین بن اسماعیل۔ ۲۵۶ھ میں محمد بن احمد بن عیسیٰ۔ ۲۵۷ھ، ۲۵۸ھ میں الفضل بن اسحاق۔ ۲۵۹ھ، ۲۶۰ھ میں ابراہیم بن محمد بن اسماعیل اور ۲۶۱ھ تا ۲۶۳ھ میں الفضل بن اسحاق بن الحسن امیر حج تھے۔[1]

[1] طبری واقعات ۲۰۲ھ تا ۲۶۳ھ۔

Marfat.com

۲۶۲ھ میں فریضہ حج جزّارین اور حناطین کے مابین جنگ وجدال کی نذر ہوگیا تھا۔ ۱۹ حجاج مارے گئے اور باقی لوگ حج کی سعادت سے محروم واپس لوٹ گئے تھے۔ ۱۲ ذی الحجہ ۲۹۵ھ منیٰ میں عج بن حاج اور دوسرے حجاج کے درمیان زبردست خوں ریزی ہوئی۔ پیاس کی شدت کے باعث بہت سے حاجی موت کا لقمہ بن گئے[1]

۳۱۲ھ میں ابو طاہر قرامطہ نے حجاج کرام کے خون سے ہولی کھیلی۔ ان کا تمام مال اور سامان لوٹ لیا اور انہیں لق ودق صحرا میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ جن میں سے اکثر شدت تشنگی وگرسنگی اور تمازت آفتاب سے مر گئے۔ اور جو زندہ بچ نکلے بسیار خرابی اور ذلت کے بعد بغداد واپس لوٹ گئے[2]

۳۱۴ھ تا ۳۱۶ھ میں مکہ پر قرامطہ کا قبضہ ہونے کی وجہ سے عراق سے کوئی آدمی بھی حج کو نہ آسکا حتیٰ کہ ۳۱۴ھ میں اہل مکہ بھی قلیل تعداد میں حج کی سعادت حاصل کر سکے تھے۔

۳۱۷ھ میں بغداد سے منصور الدیلمی امیر الحاج بن کر آیا۔ حجاج کا قافلہ امن وامان سے مکہ معظمہ پہنچ گیا۔ راستہ میں تو کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ لیکن یوم الترویہ کو ابو طاہر قرامطہ سات سو کے لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور پہنچتے ہی ظلم کی تیغ آبدار سے حجاج کا قتل عام شروع کر دیا حتیٰ کہ حرم محترم میں بھی خون کی ندیاں بہا دیں۔ ایک ہزار نو سو حجاج کے خونِ ناحق سے حرم مقدس کی زمین کو رنگین کیا جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ بہت سے مقتولین کو چاہِ زمزم میں پھینک دیا۔ کتنے تھے جنہیں حرم کے اندر لٹکایا گیا۔ ایک شقی ازلی کعبہ شریف پر چڑھ کر میزاب کعبہ (پرنالہ) اکھاڑنے کی ناپاک جسارت کرنے لگا۔ مگر اچانک اللہ کی لاٹھی چلی اور بے آواز چلی۔ اور وہ سر کے بل گر کر جہنم واصل ہوگیا۔ حجرِ اسود اکھاڑ کر ہجر بھیج دیا گیا۔ غلاف کعبہ کو پھاڑ کر اپنے ساتھیوں میں

---

[1] شفاء الغرام واقعات ۲۶۲ھ اور ۲۹۵ [2] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۹۲

Marfat.com

تقسیم کردیا۔ اہل مکہ کے مکانات اور حاجیوں کا سامان لوٹ لیا۔ یہ چھ دن تک وہاں رہا۔ ان حالات کے پیش نظر کوئی آدمی بھی فریضۂ حج ادا نہ کرسکا۔ لیکن جب اس اندوہناک واقع کی خبر خلیفہ عبید اللہ المہدی والی افریقہ کو پہنچی۔ جس کے یہ لوگ مداح اور معتقد تھے۔ اور اس کے نام کا خطبہ بھی پڑھتے تھے تو موصوف نے ان افعال قبیحہ پر انہیں سخت لعن طعن کیا اور حکم دیا کہ حجرِ اسود اور حجاج کا مال و متاع فوراً واپس کیا جائے۔ چنانچہ تقریباً ۲۲ سال بعد حجرِ اسود تو واپس کردیا گیا۔ مگر حجاج کا سامان خرد برد ہو گیا[1]

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روح فرسا و جاں گداز واقعہ کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ان مفسدین ملحدین اور اعداء الدین کا سرغنہ یحیٰ بن مہرویہ القرمطی تھا جو "ہجر" کے رہنے والے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابن الحنفیہ بن علی بن ابی طالب امام برحق ہیں۔ وہ اپنے ان اوہام باطلہ کے ثبوت میں بے سند اور من گھڑت روایات پیش کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

خلیفہ المکتفی باللہ کو جب ان کے گمراہ کن نظریات کا علم ہوا تو اس نے ان پر فوج کشی کی جس میں یحیٰ سمیت بہت سے ملحد لقمۂ اجل بن گئے۔ بعد ازیں یحیٰ کے بھائی حسین اور چچازاد بھائی عیسیٰ بن مہرویہ نے پھر سر اٹھایا۔ عیسیٰ بن مہرویہ کا لقب "المدثر" تھا اور وہ اپنے باطل خیال میں قرآن مجید کی سورت مدثر اپنے نام سے منسوب کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کردیا۔ اور شام میں زبردست فساد برپا کیا۔ ۲۹۱ھ میں ان سب کے سر قلم کرکے عبرت کیلئے شہر میں پھرائے

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ واقعہ نزا سنہ

Marfat.com

گئے۔ جس سے یہ فتنہ دب گیا۔[۲]

۳۱۷ھ میں اس فتنہ نے پھر سر اٹھایا۔ اور ابوطاہر القرامطی کی قیادت میں بڑی تیزی سے سر سو پھیلنے لگا۔ اس نے "ہجر" میں ایک محل "دار الہجرۃ" کے نام سے بنایا۔ اور ملک بھر میں اس کا حج کرنے کا اعلان کیا۔ ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں ابوطاہر لشکر جرار کے ساتھ مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔ اور طواف کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور احرام کی حالت میں حجاج کرام کو بے دریغ قتل کیا۔ تیس ہزار مسلمانوں کے خونِ ناحق سے ہاتھوں کو رنگین کیا۔ چاہ زمزم اور مطاف حجاج کی لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔ وہ ظالم اعلان کرتا تھا "مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" آج کہاں گیا۔[۳]

حجرِ اسود کی واپسی کی تفصیلات ہم نے اس کتاب کی دوسری جلد میں "حجرِ اسود" کے ضمن میں بیان کر دی ہیں۔

۳۱۹ھ، ۳۲۰ھ، ۳۲۳ھ اور ۳۲۴ھ میں راستہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے عراق کے لوگ حج سے محروم رہے۔ البتہ ۳۲۰ھ میں مغربی ممالک اور یمن کے حاجی آئے تھے۔ امام ذہبی کی روایت کے مطابق ۳۲۶ھ میں عراق سے حجاج نہ جا سکے۔ صرف بغداد کے لوگ حج کرنے گئے مگر واپسی پر شام کا راستہ اختیار کیا۔ ۳۳۲ھ میں بھی عراق اس سعادت سے محروم رہے کیونکہ خلیفہ المتقی عراق سے بہت دور تھا اور راستہ محفوظ نہیں تھا حتیٰ کہ ۳۳۴ھ سے ۳۴۰ھ تک یہی کیفیت رہی لیکن امام ذہبی کی دوسری روایت میں اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ کہتے ہیں ۳۳۵ھ سے ۳۳۹ھ تک ہر سال عمر بن یحییٰ علوی کی امارت میں عراق سے حجاج آتے رہے۔

۳۴۱ھ سے ۳۴۴ھ تک مختلف ممالک کے مابین مخاصمت کے باعث ...

---

[۲] اعلام الاعلام ص ۱۰۵ [۳] ایضاً ص ۱۶۲

Marfat.com

میرِ حج آتے رہے۔ مصر کی طرف سے احمد بن الفضل بن عبد الملک، عراق کی جانب سے احمد بن عمر بن یحییٰ علوی اور عمر بن الحسن بن عبد العزیز۔ ۳۵۵ھ میں کافور الاخشیدی مصر کی طرف سے امیر حج تھا۔ ۳۶۳ھ میں معز لدین اللہ والی مصر کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس سال بنو ہلال وغیرہ نے حجاج پر حملہ کر کے بے شمار خلقِ خدا کو قتل کیا۔ اسی خون ریزی میں وقت گذر گیا اور لوگ فریضۂ حج ادا نہ کر سکے۔ ۳۶۴ھ میں ابن القمر صاحب القرامطہ نے اپنے لوگوں کو حج کرایا۔ ۳۶۵ھ میں عراق اور مشرقی بلاد کا راستے محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ حج کرنے نہ آسکے۔ اسی ۳۱۷ھ یزداہ کے لشکر نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔

۳۶۶ھ میں ایک سعادت مند خاتون جمیلہ بنت ناصر الدولہ ابی محمد الحسن بن عبد اللہ نے فریضہ حج ادا کیا۔ اس نیک خصال عورت نے اہل مکہ پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔ دس ہزار دینار کعبہ شریف کی نذر کئے۔ کعبہ کے خدّام کو اس قدر دیا کہ وہ غنی ہو گئے۔ اور لاکھوں دینار اہل مکہ پر پانی کی طرح بہا دئے۔ یہ خاتون بے حد نیک، شب بیدار اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والی تھی۔
۳۶۷ھ میں عزیز باللہ والیِ مصر و افریقہ امیرِ حج تھے۔ جب موصوف مکہ پہنچا تو لصوص اور اس کے چند ساتھیوں نے جن کی تعداد تیس کے قریب تھی پانچ ہزار درہم کا مطالبہ پیش کیا اور عدم ادائیگی کی صورت میں خطبہ حج میں خلل اندازی کی دھمکی دی۔ خلیفہ نے انہیں کہا کہ تمام رفقا کو بلا لو تاکہ سب کی موجودگی میں فیصلہ کیا جائے۔ جب وہ سب جمع ہو گئے تو خلیفہ نے حکم دیا کہ سب کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں۔

۳۸۰ھ میں ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن عبید اللہ نے ابی احمد موسی کے نائب کی حیثیت سے امارت حج کی خدمت انجام دی۔ ۳۸۴ھ، ۳۹۲ھ اور ۳۹۳ھ میں عراق سے کوئی آدمی حج کرنے نہ آسکا۔ ۳۹۳ھ اور ۳۹۴ھ میں ابو الحارث محمد بن محمد بن عمر علوی امیرِ حج تھے۔ ۳۹۷ھ میں بھی عراق سے حاجی نہ آسکے۔ کیونکہ ابن الجراح نے ان سے مال کا مطالبہ کیا تھا لیکن وہ مطلوبہ

Marfat.com

رقم مہیا نہ کر سکے۔ اس لئے حج کئے بغیر واپس لوٹ گئے۔ ۳۹۰ھ سے ۴۱۱ھ تک قرامطہ سے راستہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے عراق اور خراسان کے لوگ حج نہ کر سکے۔ کئی سال بعد ۴۲۲ھ میں کوفہ سے بہت بڑا قافلہ حج کو روانہ ہوا جو حفظ و امان کے ساتھ مناسک حج ادا کر کے واپس پہنچ گیا۔ ۴۲۳ھ میں عراق کے سوا دیگر ممالک کے حجاج آئے۔ لیکن عرصہ تک عراق اور بعض دوسرے ممالک سے حجاج کا آنا از بر ہو گیا تھا۔

۴۵۵ھ میں علی بن محمد الصلیحی شاہ یمن حج کو آیا اور مکہ میں عدل و انصاف قائم کیا جس کے باعث لوگوں نے امن و سکون کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا۔ لوگ بلا خوف و خطر دن رات عمرہ کرتے تھے اور ان کے مال و جان بالکل محفوظ تھے۔ خلیفہ موصوف کی مدح سرائی میں بے اختیار زبانیں جاری تھیں۔

۶۱۱ھ میں الملک عیسیٰ بن العادل ابی بکر بن ایوب نے حج ادا کیا۔ اور بڑی فراخ دلی سے صدقہ و خیرات کیا۔ ۶۱۹ھ میں عراق، شام اور دیگر بلاد سے بڑی تعداد میں حجاج آئے۔ شدید بھیڑ کی وجہ سے متعدد حاجی پاؤں تلے دب کر مر گئے۔ ۶۲۰ھ، ۶۳۶ھ، ۶۴۶ھ میں مکہ معظمہ شدید قحط کی زد میں رہا۔ ۶۵۹ھ میں ملک مظفر یوسف بن نورالدین عمر بن علی والی یمن حج کے لئے آیا اور بہت زیادہ صدقہ کیا۔ ۶۶۹ھ میں سلطان ظاہر بیبرس صالحی شاہ مصر فریضہ حج کرنے آیا۔ اور خوب صدقہ خیرات کیا۔

۶۸۰ھ میں مکہ میں ایسی شدید وبا پھیلی کہ صرف رجب کے مہینہ میں ہزاروں آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ ایک ایک دن میں پچاس پچاس جنازے اٹھائے جاتے تھے۔ ۶۷۰ھ میں حجاج کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ باب العمرہ سے باہر نکلنے میں تقریباً ۸۰ آدمی جاں بحق ہو گئے۔ ۶۹۴ھ میں سلطان عادل کتبغا المنصوری حج کو آیا اور حرمین کے باشندوں کے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا۔ اس نے ستر ہزار درہم صدقہ کئے۔ ۷۰۳ھ میں امیر سیف الدین سلار حج کرنے آیا۔ غلہ اور نقد

Marfat.com

خوب خیرات کیا۔ [illegible]ھ میں مصر، عراق اور دیگر بلاد سے لاتعداد حجاج آئے۔ [illegible]ھ میں مکہ میں سخت گرانی کا دور دورہ رہا۔ ۷۱۶ھ میں امیر سیف الدین ارغون ناصری قاہرہ سے حج کی ادائیگی کے لیے آیا اور حرمین شریفین کے باشندوں پر خوب خرچ کیا اس نے [illegible]ھ میں بھی حج کیا اور مکہ سے عرفات تک پیدل چل کر گیا۔ ۷۱۹ھ میں ملک الناصر محمد بن قلاوون نے بہت سے اعوان وانصار کی معیت میں حج کیا۔

[illegible]ھ میں حجاج نے مناسک حج پوری تسلی اور اطمینان کے ساتھ ادا کئے بلکہ مسنون کام بھی بحسن خوبی ادا کئے۔ اب کی بار ۸ ذی الحجہ کو منیٰ کے قیام میں پانچ نمازیں پوری پڑھیں اور رات بھی وہاں قیام کیا پھر اگلے روز نویں ذی الحجہ کی صبح کو جب دھوپ جبل ثبیر پر چمکی تو عرفات کو روانگی ہوئی۔ اور اس دفعہ حج بھی جمعہ کے دن واقع ہوا تھا۔ اسی سال دنیا جہان کے حجاج آئے تھے۔

شیخ رضی الدین طبری فرماتے ہیں میں نے ساری زندگی میں حجاج کی اتنی بڑی تعداد کبھی نہیں دیکھی تھی۔

۷۲۱ھ میں سخت قحط پڑا گندم کا تھیلا ۲۴ درہم۔ گھی ایک اوقیہ پانچ درہم میں ملتا تھا اور کھجور مطلقاً غائب ہوگئی۔ [illegible]ھ میں حجاج نے ہفتہ اور اتوار دو دن عرفات میں قیام کیا۔ کیونکہ ذی الحجہ کے چاند میں اختلاف ہوگیا تھا۔ مصری حجاج پانی کی قلت کے باعث جلد واپس چلے گئے تھے۔ [illegible]ھ میں حجاج عرفات میں دو دن مقیم رہے۔ پہلے دن سخت بارش کے باعث سیلاب آگیا اور حجاج کی مزدلفہ پہنچ نہ ہو سکی اس لئے دوسرے دن مزدلفہ گئے۔ ۷۶۰ھ میں غلہ، کھجور، گھی، بھیڑ بکریاں وغیرہ اور دیگر اشیا خوردنی پر ٹیکس معاف کر دیا گیا۔ اس سال ظلم وجور کے گھٹا ٹوپ بادل۔ عدل و انصاف اور امن و سکون کی بہاروں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ کیونکہ ملک الناصر حسن شاہ مصر نے مکہ مکرمہ کی دیکھ بھال اور ضروریات کے لئے ایک لشکر وہاں تعینات کر دیا اور ان کے معاون دو امیر محمد بن عطیفہ بن ابی نمی اور

Marfat.com

سند بن رمیثہ بن ابی نمی مقرر کئے ۔ یہ لشکر ۷۶۱ھ کے آخر تک وہاں مقیم رہا۔

۷۶۱ھ ذی الحجہ کے چاند میں اختلاف ہو گیا۔ بری اور بحری راستہ سے آنے والے اکثر حجاج اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے بعض حضرات نے چاند منگل کو دیکھا۔ لیکن مکہ مکرمہ کی اکثریت اور مصر سے آنے والے حجاج نے منگل کی رات کو چاند نہیں دیکھا جس کے باعث حجاج آٹھ ذی الحجہ منگل کے دن عصر کے بعد عرفات چلے گئے۔ لیکن منیٰ میں قیام نہیں کیا۔ لیکن اہل مکہ نے اپنی رُویت کے مطابق اگلے روز حج کرنا تھا جس کے باعث وہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ اگلے روز ظہر کے بعد جب اہل مکہ عرفات جا رہے تھے تو مازمین میں قزاقوں نے ہلّہ بول دیا۔ بہت سے لوگ قتل ہو گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ قزاقوں نے ان کے جانوروں کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ جو لوگ بچ گئے وہ عرفات پہنچ گئے۔ حجاج اب کی بار بھی دو یوم عرفات میں ٹھہرے کیونکہ چاند کے اختلاف کے باعث انہیں دو دن ٹھہرنا پڑا۔ دوسری شام کو مزدلفہ روانگی ہوئی۔ صبح تک مزدلفہ میں قیام کرنے کے بعد جمعرات کو منیٰ واپس آئے۔ اسی رات منیٰ میں دوبارہ قزاقوں نے حملہ کیا اور لوگوں کے مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔

۸۱۹ھ میں عرصہ دراز کے بعد سنّت کے مطابق آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کیا اور پانچ نمازیں ادا کیں۔ نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات روانہ ہوئے اور بقیہ مناسک ادا کئے۔ منیٰ میں خطبہ مدت سے متروک تھا اس سال اس شعار کا احیا بھی ہوا۔[1]

ایام حج میں آتشزدگی کے چند واقعات

حاجی سلطان محمود مدظلہ ساکن راولپنڈی اپنا چشم دید واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ ۔ مطابق ۱۹۵۸ء ایک دن نماز عشاء کے بعد محلہ شامیہ میں روشنی کرنے

---

[1] یہ تمام تفصیلات شفاء الغرام کے باب نمبر ۲ سے منقول ہیں۔

Marfat.com

والے گیس سے آگ لگ گئی۔ اس زمانہ میں حرم شریف کی دولت عثمانیہ ترکیہ والی عمارت کے متصل محلہ شامیہ واقعہ تھا۔ اکثر مکانات کی بڑی بڑی کھڑکیاں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں جس کے باعث آگ فوراً پھیل گئی۔ تنگ گلیوں کے باعث فائر بریگیڈ کی گاڑیاں محلہ کے اندر نہیں جاسکتی تھیں اس لئے حرم کے اندر داخل ہو کر اس کے عملہ نے باب العمرہ والے مینار پر چڑھ کر پانی پھینکا گیا۔ تین دن کی شبانہ روز جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پایا گیا۔ ہندوستان اور انڈونیشیا کے بہت سے حجاج جاں بحق ہو گئے اور بے اندازہ مالی نقصان بھی ہوا۔

بعد میں اسی مقام پر سعودی حکومت کی تین منزلہ پرشکوہ حرم کی عمارت تعمیر کی گئی اور اس کے متصل مروہ سے باب العمرہ صغیر تک ایک عالی شان مارکیٹ بھی تعمیر ہوئی۔

بروز جمعۃ المبارک ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۷۴ء منیٰ میں مغرب کے وقت مصری حجاج کے خیموں میں آگ لگ گئی تھی جس کے فلک بوس شعلوں سے سخت خوف وہراس پھیل گیا۔ اکثر حجاج اس وقت طواف زیارت کے لئے مکہ شریف گئے ہوئے تھے۔ عشاء کے بعد فائر بریگیڈ نے قابو پالیا تھا اگرچہ جانی نقصان تو نہیں ہوا لیکن مصری اور ہندی حجاج کا مالی نقصان بہت زیادہ ہو گیا تھا۔

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۷۵ء ظہر کے بعد منیٰ میں ایرانی حجاج کے خیموں میں گیس کا سلنڈر پھٹنے سے زبردست آگ لگ گئی۔ قربانی اور حج کی خوشیاں آناً فاناً غم واندوہ اور چیخ وپکار میں تبدیل ہو گئیں۔ آگ اس قدر شدید تھی کہ اس سے اٹھنے والا دھواں سیاہ بادل کی طرح پورے منیٰ میں سایہ فگن ہو گیا تھا۔ ایرانی حجاج کی موٹریں۔ ٹرک اور کاریں جو وہاں پاس ہی کھڑی تھیں جب وہ بھی آگ کی لپیٹ میں آگئیں تو معاملہ کنٹرول سے باہر ہو گیا۔ فائر بریگیڈ کا عملہ انتھک جدوجہد کے باوجود آگ کے سامنے بے بس ہو گیا۔ بالآخر دو انجن مع گیس بردار پہنچ

Marfat.com

گئے۔ جو غالباً جدہ سے آتے تھے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے آگ پر قابو پالیا۔ لیکن اس وقت تک تقریباً ایک مربع میل کا ایریا جل کر خاکستر ہو چکا تھا بے شمار حجاج جن میں اکثریت ایرانیوں کی تھی جاں بحق ہو گئے۔ متعدد موٹریں۔ کاریں اور ٹرک بھی جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ اور کروڑوں روپے کا مالی نقصان بھی ہوا۔

حکومت سعودیہ نے معلمین سے حجاج کی جانی اور مالی فہرستیں طلب کر کے انہیں معقول معاوضہ دیا۔

محلہ جیاد میں آتشزدگی

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۷۷ء بروز جمعہ سحری کی اذان کے بعد اور صبح کی اذان سے پہلے حرم شریف کے قریب محلہ جیاد میں خوفناک آتشزدگی کا واقعہ پیش آیا۔ جیاد سے حرم کو آنے کے لئے لکڑی کا ایک عارضی پُل بنایا گیا تھا جس کے کنارے چند عارضی دکانیں اور لکڑی کے کھوکھے بھی تھے۔ پل کے نیچے بعض حاجی حضرات بھی خیمہ زن تھے۔ وہاں کسی کا چولہا پھٹ جانے سے آگ لگ گئی جو دیکھتے ہی دیکھتے پل سے گزر کر دکانوں تک پہنچ گئی۔

اگرچہ فائر بریگیڈ کا عملہ دس منٹ کے اندر جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔ مگر آگ اتنی شدید تھی کہ بلند و بالا عمارات گھاس پھوس کی طرح اس میں بھسم ہو رہی تھیں۔ فائر بریگیڈ کے عملہ کی جاں فشانی اور قابلِ رشک کارکردگی کے باعث ۵۰ منٹ میں آگ پر قابو پا لیا گیا لیکن لاکھوں روپے کے مالی نقصان کے علاوہ پچاس افراد بھی حادثہ کا شکار ہو گئے۔

Marfat.com

حرم کعبہ میں خوفناک جنگ

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا دل دوز و جاں گداز المیہ ہے کہ کعبہ شریف پر مرتدین کا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے ۱۴ دن مسلسل طواف معطل رہا اور حرم پاک کے در و دیوار اذان اور جماعت کی سعادت سے محروم رہے۔ اس ناعاقبت اندیش گمراہ ٹولے نے کعبہ شریف کے تقدس کو پامال کیا۔ اس کے حسین و جمیل اور مرمری فرش کو حجاج کے پاکیزہ خون سے رنگین کر دیا اور روئے زمین کی عظیم ترین عبادت گاہ کو مقتل میں تبدیل کرنے کی انتہائی ناپاک جسارت کی۔

یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء منگل کی صبح کو جب کہ پورے عالم اسلام میں پندرہویں صدی ہجری کا جشن منانے کی زبردست تیاریاں کی جا رہی تھیں کہ مرتدین نے ۶۰ کروڑ مسلمانوں کے قبلہ پر قبضہ کر لیا۔ امام حرم شیخ عبداللہ بن سبیل نے ابھی نماز فجر کا سلام پھیرا ہی تھا اور مکبر دوسری جانب سلام پھیرنے والا تھا کہ حملہ آور اللہ اکبر، جہاد جہاد کے فلک شگاف نعرے لگاتے، ریوالور، رائفلیں اور سٹین گنیں ہوا میں لہراتے، جوتوں سمیت دوڑتے ہوئے حرم میں گھس آئے۔ چند آدمیوں نے امام صاحب کو گھیرے میں لے لیا اور کچھ لوگ مکبرہ میں لاؤڈ سپیکر پر قابض ہو گئے۔ اس وقت حرم شریف میں ایک لاکھ کے قریب نمازی موجود تھے جن میں اکثریت غیر ملکی حجاج کی تھی جب کہ حملہ آوروں کی تعداد ۲۰۰ سے ۵۰۰ تک بتائی جاتی ہے جو زیادہ تر سعودی اور بعض مصری، یمنی، کویتی، سوڈانی، عراقی اور پاکستانی بھی تھے۔ یہ لوگ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت طویل جنگ کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔

ان کا ۲۷ سالہ سرغنہ محمد بن عبداللہ قحطانی تھا جس نے چار سال تک مکہ یونیورسٹی میں اسلامی

Marfat.com

قانون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا دست راست جہیمان بن سیف العتیبہ تھا۔ مفسدین نے حرم کے تمام دروازے بند کر لئے اور موذن کے کیبن سے ایک آدمی نے عربی میں اعلان کیا کہ مہدی موعود جس کا نام محمد بن عبداللہ ہو گا، آچکا ہے۔ دوسرے آدمی نے عربی میں لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سنائی۔ اور اس کا اردو ترجمہ ایک اور آدمی نے سنایا۔ نام نہاد مہدی نے بھی مائیک پر اعلان کیا کہ میں نئی صدی کا مہدی ہوں میرے ہاتھ پر سب لوگ بیعت کریں۔ چنانچہ بعد میں مقام ابراہیم کے پاس جا کر گولیوں اور سنگینوں کے سائے میں لوگوں کو دھمکاتے ہوئے گمراہ ٹولے نے خود ہی بیعت کرنا شروع کر دی کہ شاید دوسرے لوگ بھی دام تزویر میں پھنس جائیں۔ مگر حجاج میں سے کسی نے بھی اس مذموم فعل کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ امام کعبہ کو بھی بیعت کے لئے مجبور کیا گیا۔ مگر اس مرد حق آگاہ کے پائے استقامت میں ذرہ برابر جنبش نہ آئی۔

اتنے میں انتظامیہ نے بجلی کا کنکشن کاٹ دیا اور پورا حرم تاریکی میں ڈوب گیا جس سے لوگوں میں زبردست خوف وہراس اور سراسیمگی پھیل گئی۔ جب وہ باہر نکلنے کے لئے دروازوں کی طرف لپکے تو انہیں مقفل پا کر اور زیادہ حواس باختہ ہو گئے۔ باب السلام جدید کے قریب زیر زمین راستہ سے کئی لوگ باہر نکلے۔ جب کہ بہت سے لوگوں نے صفا مروہ کے درمیان بلند و بالا کھڑکیوں سے چھلانگیں لگا کر جان بچائی۔ امام حرم جو اپنی حاضر دماغی کے باعث مفسدین کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ فوراً ایک کمرہ میں جا کر ٹیلیفون پر حکام کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور اپنی عبا اتار کر عام نمازیوں میں شامل ہو کر باہر نکل گئے۔ اس اثنا میں حملہ آور میناروں سمیت بہت سی محفوظ اور اہم جگہوں پر مورچہ بند ہو گئے۔ اور وقفے وقفے سے گولیاں چلانے لگے۔

چونکہ سعودی حکومت میں سپر پاور علماء کرام کو حاصل ہے اس لئے شاہ خالد نے فی الفور ۳۲ علماء پر مشتمل سپریم کونسل کا اجلاس ریاض میں طلب کر لیا۔ علماء کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں متفقہ

Marfat.com

طور پر فیصلہ دیا کہ مسلح گمراہ افراد کے خلاف تشدد کی کارروائی شریعت کے عین مطابق ہے۔ اور مسلمانوں کی جان کا تحفظ کرنے کے لیئے مناسب اقدامات انتہائی ضروری ہیں۔اس فتوی کی روشنی میں بیت اللہ کے تقدس کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ کم از کم نقصان ہو اور بحران پر قابو پا لیا جائے۔اس لئے سعودی فوج نے بھاری اسلحہ استعمال کرنے سے گریز کیا۔تاہم چودہ دن کی زبردست جنگ کے نقصانات کی چشم دید رپورٹ "عرب نیوز" کے نمائندے نے ۱۰ دسمبر کو اس طرح پیش کی :-

"حرم کے باہر پارکنگ فوجی جیپوں سے بھری ہوئی تھی جن میں مشین گنیں نصب تھیں۔ حفاظتی انتظامات انتہائی سخت تھے۔قرب و جوار کے مکانات لڑائی کے دوران خالی کرا لیئے گئے تھے۔ مروی کی جانب مسعی کا آخری دروازہ ٹوٹا ہوا تھا۔دونوں طرف کی دیواریں مسمار ہو چکی تھیں۔حرم کے مشرقی جانب مروی کو صفا سے جدا کرنے والی دیوار مکمل طور پر تباہ ہو گئی تھی۔دیواروں، دروازوں اور چند بچی کھچی کھڑکیوں کے ٹکڑوں پر گولیوں اور گولوں کے نشانات نمایاں تھے۔ بجلی کی ٹیوبیں پنکھے اور ایئرکنڈیشنر تباہ و برباد پڑے تھے۔

حرم کے مینار جن پر مفسدین مورچہ بند تھے۔جہاں سے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی، اور جہاں کوئی چیز ہلتی نظر آئی تو اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔میناروں پر جا بجا گولیوں کے نشانات موجود تھے متعدد ستون ٹوٹے ہوئے تھے۔مسجد کے بعض دروازے مکمل طور پر تباہ کر دیئے گئے تھے۔دوسری منزل کو جانے والی تمام سیڑھیاں بکتر بند گاڑیوں اور فوجی ٹرکوں کے وزن سے ڈھیر ہو چکی تھیں۔ستونوں پر بڑی نفاست سے جو سنگ مرمر چڑھایا گیا تھا وہ اکھڑا ہوا تھا۔

حرم کے تہہ خانوں میں گھٹنوں تک پانی کھڑا تھا اور صبح کی لڑائی کے دوران سعودی فوج نے مرتدین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لئے جو ٹائر جلائے تھے ان کی بو اب تک کافی شدید تھی جس سے میرا دم گھٹنے لگا۔میں نے دیکھا کہ تہہ خانوں کو جانے والے راستوں پر مفسدین نے خاردار تار بچھا

Marfat.com

رکھی تھی تاکہ سعودی فوج کا راستہ روکا جا سکے ۔ میں یہ حالات دیکھ کر جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔“[۱]

اس المناک سانحہ میں کتنی معصوم جانوں کو خاک وخون میں تڑپایا گیا اور حرم محترم کی تقدیس کو کس طرح پامال کیا گیا۔ مرتدین کا مکمل صفایا کرنے کے بعد، ۸ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب دوبارہ حرم شریف کو عبادات کیلئے کھولا گیا تو سعودی ٹیلی ویژن پر حسب ذیل تفصیلات ٹیلی کاسٹ کی گئیں۔

سعودی عرب کے وزیر داخلہ شہزادہ نائف بن عبد العزیز نے کہا :-

”خانہ کعبہ کو مفسدین سے پاک کرنے اور بیت اللہ شریف پر دوبارہ مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لئے سعودی نیشنل گارڈ اور مسلح حملہ آوروں کے درمیان شدید جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں ۷۵ باغی اور [illegible] نیشنل گارڈز کے فوجی ہلاک ہوئے۔ چار پاکستانیوں سمیت ۲۶ حاجی بھی جاں بحق [illegible] آدمی زخمی ہوئے۔ بیت اللہ کی حرمت اور تقدس کو پامال کرنے [illegible] زندہ گر[illegible] اور ان میں سے ۵۰ مفسدین کو ٹیلی ویژن پر بھی دکھایا گیا۔

ٹیلی ویژن کے تبصرہ نگار نے ان لوگوں کو ازلی جہنمی اور مرتد قرار دیا اور کہا کہ ان پر ہمیشہ لعنت اور پھٹکار بھیجی جاتی رہے گی۔

کعبہ شریف سے رشتے جڑتے ہیں تاکہ مسلمانانِ عالم قوی، باعزم اور باہمت بن کر دنیا میں مثالی کردار ادا کر سکیں۔ لیکن یہ شور کیسا ہے؟ یہاں تو گولیاں چل رہی ہیں۔ بیت الامن کے میناروں سے آگ برسائی جا رہی ہے۔ اس شور و غوغا کی پشت پر ارتداد اور فساد فی الارض کارفرما ہے۔ خانہ کعبہ جہاں کسی کو گزند نہیں پہنچایا جا سکتا وہاں کچھ ایسے گمراہ، مرتد اور مفسدین گھس آئے ہیں جنہوں نے کعبہ کے تقدس کو پامال کر دیا۔ ہر سو سناٹا ہے۔ حق کی آواز بھی خاموش ہو گئی ہے وہ حرم جو تہلیل و

---

[۱] بحوالہ روزنامہ نوائے وقت ۱۱ دسمبر ۱۹۷۹ء

Marfat.com

تکبیر کی روح پرور آواز سے گونجتا رہتا تھا اور خدائے واحد کی حمد اور توحید کی صدائیں بلند ہوتی تھیں آج خالی عمارت میں تبدیل ہو چکا ہے۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حرم پاک میں گولیاں چلائی جائیں گی اور آگ برسائی جائے گی۔

مسلمانانِ عالم کے دل پر یہ قیامت بھی ٹوٹی۔ مگر تکوینی چیزیں ہو کر رہتی ہیں۔ دیکھئے حرم کی عمارت اداس اداس ہے۔ دیواروں سے وحشت برس رہی ہے۔ ناچار سعودی فوج حرکت میں آئی۔ یہ ایک مقدس عمل تھا فوجی نوجوانوں نے مفسدین سے اپیل کی۔ کہ حرم کے تقدس کو برقرار رکھیں اور اسے پامال نہ کریں۔ جس کا جواب گولیوں سے دیا گیا۔ مسلمان کا یہ وطیرہ نہیں کہ حرم میں کشت و خون کا بازار گرم کرے۔ مگر یہ اندوہناک عمل دیکھنے میں آیا۔ مفتیانِ اسلام اور علماء عظام نے حرم پاک کے تقدس کو بحال کرنے کے لئے طاقت کے استعمال کا فتویٰ چند شرطوں کے ساتھ دیا۔ کہ اللہ کا لشکر حرم کی تقدیس کو مزید پامال نہیں کرے گا۔ کم سے کم جانوں کا اتلاف ہو گا۔ قتل و خون ریزی سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ اگرچہ یہ حرم امن و سلامتی کا گہوارہ ہے مگر یہ اقدام مجبوراً کرنا پڑا۔

پھر سعودی جوان حرکت میں آ گئے۔ فضا سے ہیلی کاپٹروں نے مفسدین پر گیس کے گولے پھینکے اور گولیاں بھی چلائیں۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کو بھی استعمال میں لانا پڑا۔ اور فوج کے چند جوان مفسدین کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لئے حرم شریف میں داخل ہو گئے۔ ضروری کارروائی کر کے مفسدین پر قابو پا لیا گیا۔ حرم کی تقدیس کو بحال کرانے کا جہاد کرنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ کوئی عام جنگ نہیں تھی۔ بلکہ حرم کے تقدس اور نزاکتوں کا پورا پورا خیال رکھنا لازمی تھا۔ بالآخر حق کا بول بالا ہوا اور مفسدین اپنے ناپاک عزائم میں بری طرح ناکام ہوئے[1]۔"

---

[1] روزنامہ نوائے وقت ۱۱ دسمبر ۱۹۷۹ء

Marfat.com

مکّہ یونیورسٹی کے ایک سکالر کا مکتوب ہمارے ایک کرم فرما جو مکّہ یونیورسٹی کے سکالر ہیں، اپنے چشم دید واقعات کو ایک خط میں اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

"یہ ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کی ایک سوہانی صبح تھی۔ حرم کے مقدس مینار سورج کی روپہلی کرنوں کے لئے آغوشِ رحمت وا کرنے ہی والے تھے۔ کہ یکایک نعرۂ تکبیر کی صدائے جاں فزا کانوں میں گونجی۔ نوجوانوں کا ایک گروپ صفوں کو چیرتا ہوا مقامِ ابراہیم تک پہنچ گیا۔ انہوں نے امام صاحب سے ہاتھ ملایا اور انہیں ساتھ لے گئے۔ چمکتی ہوئی جدید ترین اُلفلیں ان کا زیور تھا۔ انہوں نے بندوقوں کو ہوا میں اچھالا اور ایک کالے جبّے والا شانِ بے نیازی سے یوں گویا ہوا۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ الخ بارِ خدایا یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگ حیران اور ششدر ہیں۔ اتنے میں موذن کے مکبرہ سے نہایت جوشیلی پُر رعب، زوردار اور پُر اعتماد آواز ابھرتی ہے۔ خطبہ مسنونہ کے بعد اس نے ۱۲ احادیث بیان کیں کہ مہدی کا ظہور ہو گیا ہے۔ اس تقریر کے دوران ایک اور آواز اُبھرتی ہے۔ او فلاں بن فلاں تو میناروں پر چلا جا۔ او فلاں تم ساتھیوں کو لے کر باب الصفا پر جاؤ۔ او فلاں بن فلاں تم فلاں دروازہ بند کر دو۔ خطبہ ختم ہو جاتا ہے۔ حاجی نفسا نفسی کے عالم میں بھاگ رہے ہیں۔ مگر تمام دروازے بند، اور باغی میناروں پہ قابض ہو چکے ہیں۔

نام نہاد مہدی مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہے۔ اس کا ایک ساتھی لوگوں کو کہتا ہے اقامے پھاڑ دو۔ اب یہاں سب کو رہنے کی عام اجازت ہوگی۔ چنانچہ بعض لوگوں کے اقامے پھاڑ دیے گئے۔

میں اس کے بعد ایک نو منزلہ عمارت کی چھت پر کھڑے ہو کر جنگ کا منظر دیکھتا رہا۔ میناروں سے گولیاں چلتی رہیں۔ باغی اکا دکا سپاہیوں کو دیکھتے ہی گولی مار دیتے تھے۔ تاخ تاخ گولیوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ شام ساڑھے پانچ بجے سعودی افواج کے دستے پہنچنا شروع ہوئے

Marfat.com

ان کا پہلا دستہ پاکستان ہاؤس کے متصل گذرنے والی سڑک سے، دوسرا غزہ بازار سے گذر کر پھتنے بازار کی طرف مارچ کر رہا ہے۔ تیسرا دستہ سوق صغیر کی جانب سے آگے بڑھ رہا ہے اور چوتھا دستہ محلہ جیاد کی طرف سے۔ سب کا رُخ حرم کی طرف تھا۔ اب فوجوں نے حرم کے گرد دور دور تک گھیرا ڈال لیا ہے۔ مگر میناروں سے برابر آگ برسائی جارہی ہے۔ ۲½ بجے سحری کے وقت توپ کا پہلا گولہ فائر ہوتا ہے جو صفا کے مینار پر گرا مگر کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس وقت حرم میدانِ جنگ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یہ لڑائی اسی طرح مسلسل پندرہ دن جاری رہی۔ حرم پاک طواف، اذان اور نماز سے محروم ہوگیا۔ بالآخر ۱۴۰۱ھ۔ اور ۵ محرم کی درمیانی شب ایک خوفناک جنگ کے بعد باغیوں کو گرفتار کر لیا گیا کچھ قتل ہو گئے۔

[illegible] انتہائی خوفناک، دلیرانہ اور مردانہ لڑائی نہ [illegible] میں دیکھی نہ تاریخ میں پڑھی۔ شاہی [illegible] دلیری، جرأت مندی کے انمٹ نقوش ذہن پر ایسے مرتسم ہوئے [illegible] جو تا زیست قائم رہیں گے"۔

۱۶ محرم الحرام مطابق ۷ دسمبر کو مرتدین کا صفایا ہونے کے بعد پہلی مرتبہ نماز جمعہ ادا کی گئی۔ دو ہفتوں کی المناک صورت حال کے بعد بیت اللہ شریف میں عبادت کے ایمان افروز اور روح پرور مناظر دیکھ کر لوگوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو اُمڈ آئے۔ دنیا بھر میں کروڑوں مسلمانوں نے ٹیلیویژن پر جمعہ کا خطبہ سنا اور نماز کا منظر دیکھا۔

سزائے موت حرم کعبہ پر قبضہ کرنے اور خون ریزی کرنے والے ۶۳ مرتدین اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ سعودی وزیر داخلہ کے اعلان کے مطابق اس المناک واقعہ کی مکمل تحقیقات کی گئی اور اس کی رپورٹ شاہ خالد کو پیش کر دی گئی۔ اس رپورٹ میں مرتدین کے حلفیہ بیان بھی شامل تھے جس میں انہوں نے اعتراف جرم کیا تھا۔ بعد ازاں علماء کرام کی اعلیٰ کونسل سے اس بارے میں فتویٰ حاصل کیا

Marfat.com

گیا۔ ان علماء نے مجرموں کا سر قلم کرنے کی اجازت دی۔ اس بنا پر شاہ خالد نے سزائے موت کے احکامات جاری کر دیئے۔

وزارت داخلہ کے بیان کے مطابق مکہ معظمہ میں پندرہ افراد، ریاض میں دس، مدینہ منورہ میں سات، دمام میں سات، بریدہ میں سات، حائل میں پانچ، ابہاء میں سات اور ابوک میں پانچ منافقوں کے سر قلم کئے گئے۔ سزائے موت پانے والوں میں سے ۴۱ سعودی عرب۔ ۱۰ مصر۔ ۶ جنوبی یمن۔ ۳ کویت۔ شمالی یمن۔ عراق اور سوڈان کا ایک ایک آدمی تھا۔

جن مجرموں نے حرم میں خون نہیں بہایا۔ یا جو منافقوں کے سرغنے نہیں تھے یا کسانے والے میں شامل نہیں تھے۔ ان افراد کو قید کی سزا ان کے جرم کی نوعیت کے مطابق دی جائے گی۔ مجرموں میں بعض عورتیں بھی شامل تھیں جنہیں اصلاح عقیدہ کے لئے دارالنسواں کے سپرد کر دیا گیا۔[۵]

---

[۵] نوائے وقت ۱۰ جنوری ۱۹۸۰ء

Marfat.com

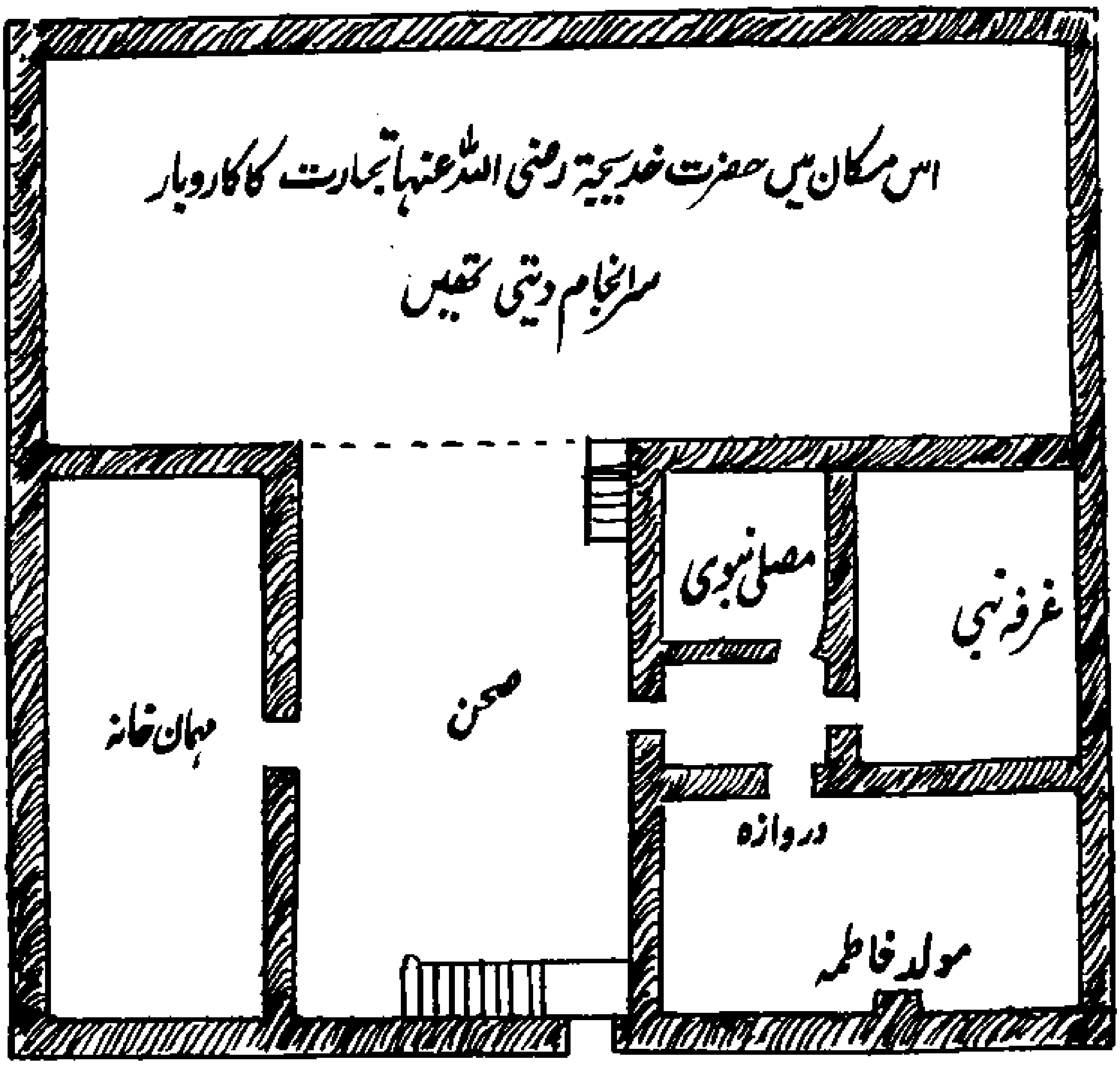

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا سرسری خاکہ اور مولد سیدہ فاطمہ رض

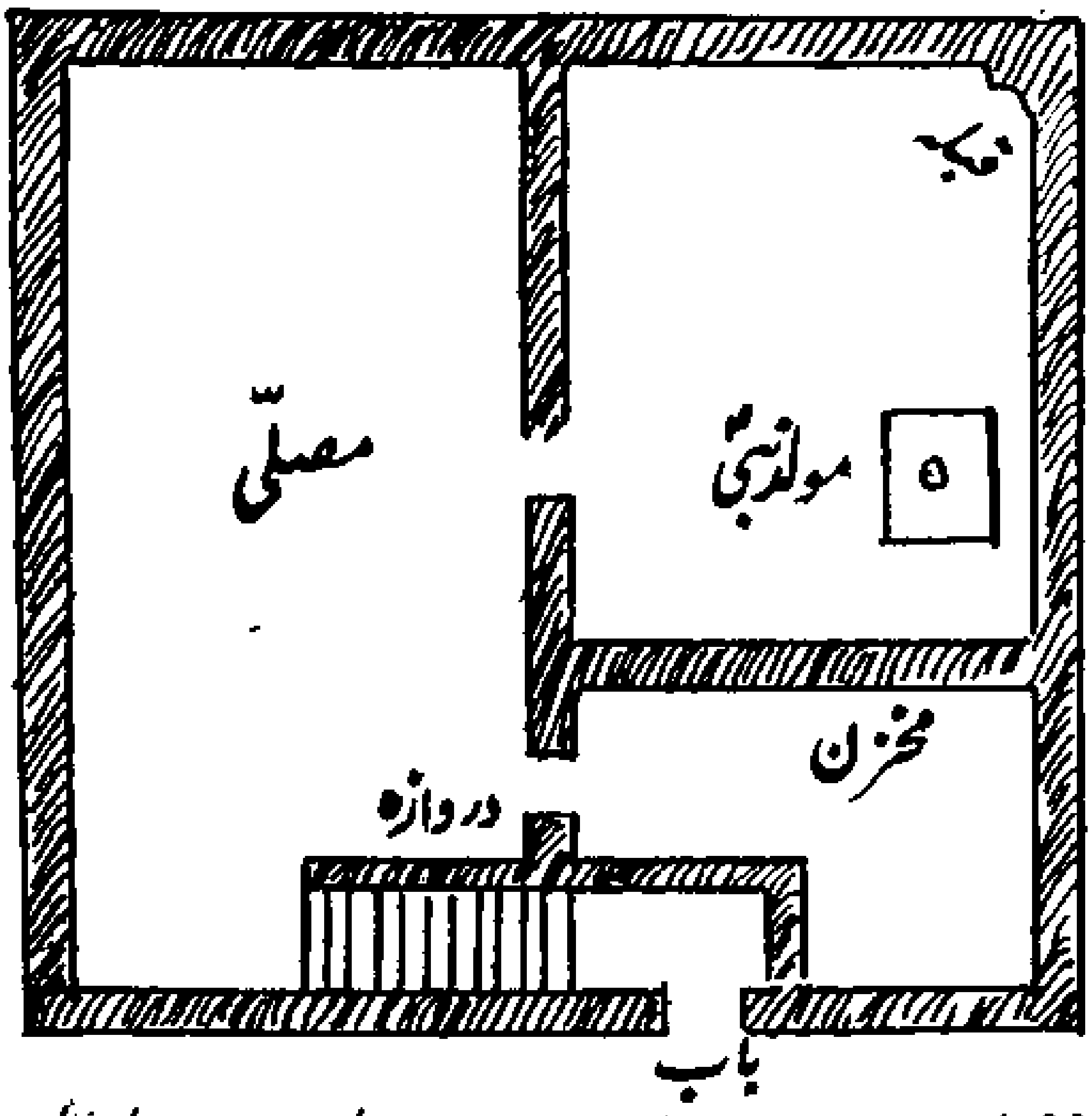

مولد نبیؐ یعنی حضرت عبداللہؓ بن عبدالمطلب کا مکان۔ مکہ مکرمہ

Marfat.com

مساجدِ مکّہ

مکہ معظمہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر مساجد کی تعمیر اور تعداد میں اضافہ ناگزیر تھا اکثر انہی مقامات پر تعمیر کی گئیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔

(۱) مسجد ذی طوی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی عمرہ یا حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو اس جگہ قیام فرماتے تھے جب آپ حج کے لئے تشریف لائے تھے تو یہاں رات کو قیام فرمایا اور صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی معمول تھا۔[1]

کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ایک سعادت مند خاتون زبیدہ بانسج نے اس جگہ مسجد تعمیر کرادی۔[2]

(۲) مسجد اجابہ

منیٰ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ ثنیہ اذاخر میں واقع ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نماز ادا فرمائی تھی۔ علامہ قطب الدین

[1] بخاری شریف جلد ا صہ ۲۳۸،۲۳۷ [2] اخبار مکہ صہ ۴۲۶

Marfat.com

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ ہمارے دور میں یہ مسجد ویران اور منہدم ہو چکی ہے البتہ اس میں ایک پتھر پر یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ مسجد اجابہ ہے اور اسے ۷۲۰ھ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ بعد ازاں منہدم ہو گئی۔

اس کے قرب وجوار میں کچھ آبادی ہو گئی تھی وہ لوگ اس میں نماز پڑھتے اور اس کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ مگر آبادی کے اضافہ کی وجہ سے اس میں توسیع اور تعمیر نو کی ضرورت تھی[1]

③ مسجد المتکا

یہ مسجد محلہ جیاد میں واقع ہے۔ اس میں ایک پتھر تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس سے تکیہ لگایا تھا اگرچہ یہ روایت پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی اور نہ ہی وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسی جگہ نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی[1]

④ مسجد رایہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس مقام پر اپنا جھنڈا نصب فرمایا تھا۔ اور جبیر بن مطعم بن عدی کے کنویں کے قریب آپؐ نے نماز ادا فرمائی تھی۔ بعد میں جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی وہاں مسجد بنا دی گئی اور جھنڈے کی نسبت سے شہرت پذیر ہوئی۔

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں مسجد کے پیچھے وہ کنواں موجود تھا۔ یہ جگہ قدیم زمانہ میں شہر پناہ کے قریب واقعہ تھی لیکن بعد میں شہر پناہ کے آثار مٹ گئے[2]

⑤ مسجد جن

یہ مسجد مکہ معظمہ کے بالائی حصّہ میں حجون کے سامنے واقع ہے۔ علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ اہلِ مکہ اسے مسجد الحرس کہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسی جگہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں جنّات حاضر ہوئے اور ایمان لائے تھے۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ جس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بٹھا کر چاروں طرف

---

[1] اعلام الاعلام صـ ۲۵۳ [2] اخبار مکہ صـ ۴۲۵ [3] اعلام الاعلام صـ ۱۴۰، ۲۵۳

Marfat.com

ایک دائرہ کھینچ دیا تھا تاکہ جنات کے شر سے محفوظ رہیں۔ بعد میں اسی جگہ یہ مسجد بنائی گئی۔[1]
علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں لوگ اسے مسجد فرھادیہ کہتے ہیں۔[2]

(۶) مسجد المختبا

امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ سوق اللیل میں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک مسجد ہے جسے لوگ مسجد المختبا کہتے ہیں۔ ماہ ربیع الاول میں لوگ اس کی زیارت کو کثرت سے جاتے ہیں۔ لیکن علامہ تقی الدین فاسی کا کہنا ہے کہ میں نے اس مسجد کا ذکر نہ تو کسی کتاب میں پڑھا اور نہ ہی کسی عالم سے سنا ہے۔

البتہ علامہ سراج الدین عمر بن فہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ اس مقام پر سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا جس میں وہ عبادت کیا کرتے تھے اور اسی مکان میں کفار سے بچنے کے لئے نبی علیہ السلام روپوش ہوئے تھے۔[3]

(۷) مسجد ابراہیم

یہ مسجد جبل ابی قبیس پر بنی ہوئی ہے۔ علامہ ازرقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا نام مسجد ابراہیم لکھا ہے۔ انہوں نے اپنے دادا سے دریافت کیا کہ یہ مسجد کب بنائی گئی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ قدیم زمانہ سے موجود ہے۔ امام ازرقی کہتے ہیں میں نے بہت سے اہل حضرات سے پوچھا کیا اسے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے بنایا تھا تو انہوں نے اس بات کا انکار کیا اور کہا کہ یہ ابراہیم قُبَیسی نے بنائی تھی۔ وہ آدمی پہاڑ پر رہائش پذیر تھا۔[4]

اسی طرح محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ نے ام القری ص ۶۶۴ میں امام ابن ظہیرہ نے جامع اللطیف ص ۲۰۵ میں بھی اس کا نام مسجد ابراہیم بیان کیا ہے لیکن خدا جانے اس کا نام مسجد بلال کب اور

---

[1] اخبار مکہ ص ۲۴۲/۲ [2] اعلام الاعلام ص ۴۰۵ [3] جامع اللطیف ص ۲۰۵ [4] اخبار مکہ

کیسے مشہور ہو گیا۔ علامہ کُردی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہند کے کسی آدمی نے تعمیر کی تھی (تاریخ قوم جلد ۲ ص۲۹۵)

۱۹۷۳ء میں راقم الحروف نے ایک عجیب بات دیکھی۔ مذکورہ مسجد کا موذن جب اذان کے لئے مینار پر کھڑا ہوتا ہے تو قبلہ کی سمت سے اذان شروع کرکے اُلٹے پاؤں چلتا ہے یہاں تک کہ مینار کا پورا چکر لگا کر قبلہ کی طرف پہنچ کر اذان پوری کرتا ہے۔ لیکن ۱۹۷۸ء میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آئی۔

(۸) مسجد مدّعیٰ

یہ مسجد زقاق مجزرہ میں واقع ہے۔ اس کے متعلق علامہ فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اس جگہ نبی علیہ السلام نے مغرب کی نماز ادا فرمائی تھی۔ اس میں دو پتھر پڑے ہیں جن پر عبدالرحمٰن بن ابی حربی کے ہاتھ سے اس کی تعمیر کرنے کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ ایک پتھر پر ۸۲۰ھ اور دوسرے پر ۸۴۷ھ میں تعمیر کا ذکر ہے[1]۔

(۹) مسجد صدیق رضی اللہ عنہ

یہ محلہ مسفلہ میں واقع ہے جہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رہائشی مکان تھا۔ اور اسی جگہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیقؓ کی معیت میں ہجرت فرمائی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کو ہجرت کی اجازت مل جانے کی اطلاع دی تو اس کے بعد صدیق نے گھر ہی میں ایک جگہ کو مسجد بنا کر اس میں عبادت شروع کر دی تھی[2]۔

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ "دار الہجرت" کے نام سے مشہور ہے[3]۔

علامہ ابن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"شہر کے منتہیٰ میں خرما، انار، عناب اور حنا کے سرسبز و شاداب باغات کے درمیان یہ مسجد واقع ہے۔ اس جگہ صدیقؓ کا مکان تھا[4]۔"

---

[1] اعلام الاعلام ص ۲۵۴ [2] بخاری شریف جلد ۱ باب الہجرت [3] اعلام الاعلام ص ۲۵۴ [4] ابن جبیر ص ۹۶

Marfat.com

سعودی دورِ حکومت میں جب اس کی نئی تعمیر ہوئی تو اسے دو منزلہ بنا دیا گیا۔ پہلی منزل میں دفتری خانہ ہے جب کہ نماز اوپر والی منزل میں پڑھی جاتی ہے اور مدرسہ الفرقانیہ قائم ہے۔

(۱۰) مسجد صولتیہ

محلہ حارت الباب میں مدرسہ صولتیہ کی یہ مسجد ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں جب حرم شریف کی توسیع کی جا رہی تھی۔ زمزم کے قریب کتب خانہ حرم کی عمارت کو گرایا گیا جس کا سارا ملبہ مولانا رحمت اللہ نور اللہ مرقدہ نے خرید لیا اور اس مبارک ملبہ سے مدرسہ کے احاطہ میں مسجد تعمیر کرائی۔ میم نامہ حج صـ ۲۵

(۱۱) مسجد جعرانہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ بعد میں قریش کے ایک آدمی نے اس جگہ مسجد بنا دی جس کا نام امام ازرقی کے زمانہ میں مسجدِ اقصیٰ تھا۔ محرش الکعبی سے روایت ہے کہ ایک رات نبی علیہ السلام جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ شریف تشریف لے گئے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد جعرانہ واپس تشریف لائے اور صبح کی نماز اسی جگہ ادا فرمائی، بعد ازاں سرف تشریف لے گئے[۱]

امام ابن ظہیرہؒ نے امام فاکہیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جعرانہ سے تین سو انبیاء کرام علیہم السلام نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ اور اس جگہ جو کنواں واقع ہے۔ اسے نبی علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے کھودا تھا۔ پھر خود اور تمام لوگوں نے پانی پیا تھا۔ اور اس جگہ کی نسبت قریش کی ایک عورت کی طرف ہے جس کا لقب جعرانہ تھا۔ اور یہ اسد بن عبد العزیٰ کی بیوی تھی[۲]

امام تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ جعرانہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ ۱۸ میل ہے اور اس مسجد کا نام "مسجد اقصیٰ" بیان کیا ہے[۳]

---

[۱] اخبار مکہ صـ ۲۰۳-۲۰۴ [۲] جامع اللطیف صـ ۲۰۹ [۳] شفاء الغرام صـ ۹۰

Marfat.com

۱۲۔ مسجد تنعیم

امام ابن ظہیرہ اس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

اس کے دائیں جانب جو پہاڑ واقع ہے اس کا نام نعیم ہے اور بائیں جانب ناعم اور ان دونوں کے درمیان والی وادی کا نام نعمان ہے۔ اس نسبت سے یہ جگہ تنعیم مشہور ہوئی۔[۱]

۹ھ میں جب نبی علیہ السلام حج کے لئے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ آپ نے مناسک حج تو سب ادا کئے مگر بیماری کی وجہ سے طواف ادا نہ کر سکیں۔ پھر جب آپ پاک ہو گئیں تو طواف ادا کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرمایا کہ انہیں ساتھ لے جاؤ اور تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرلیں۔ آپ نے یہ عمرہ حج کے بعد ذی الحجہ ہی میں ادا کیا۔

سراقہ بن مالک نے نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حج کے بعد ذی الحجہ کے بقیہ ایام میں عمرہ کرنے کا حکم صرف آپؐ یا آپؐ کے خاندان کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نہیں۔ یہ حکم ہمیشہ کے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے ہے۔[۲]

ابن خثیم کا قول ہے کہ میں نے عطا بن ابی رباح، مجاہد، عبداللہ بن کثیر الداری اور بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ رمضان کی ۲۷ ویں شب میں تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی زندگی بھر اس کو اپنا معمول بنا لیا۔ لیکن بڑھاپے کی وجہ سے یہ عمل ترک ہو گیا۔

اس جگہ سب سے پہلے محمد بن علی شافعی نے مسجد تعمیر کی۔ امام خزاعی فرماتے ہیں پھر جب ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن داؤد امیر مکہ نے اس جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا۔ تو اس جگہ جو کنواں تھا اس کے اوپر قبہ بنایا۔ بعد ازاں ایک بڑھیا نے اس مسجد کو بڑی زیب و زینت کے ساتھ تعمیر کرایا۔[۳]

---

[۱] جامع اللطیف صہ ۲۰۸ [۲] بخاری شریف جلد ۱ صہ ۲۴۰ [۳] اخبار مکہ صہ ۴۳۱

Marfat.com

۶۱۹ھ میں ملک مسعود نے اس کی تجدید کرائی۔ اس کے بعد مسجد کا نام "ھلیلجۃ الشجرۃ" مشہور ہوا۔ پھر ۱۰۱۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے بھی اس کی تعمیر جدید کرائی۔[1]

علامہ ابن جبیرؒ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ تنعیم سے کچھ فاصلہ پر راستہ سے بائیں جانب ابولہب اور اس کی بیوی کی قبریں ہیں جن پر پتھروں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ زمانہ قدیم سے اب تک لوگ ان کی قبروں پر سنگ باری کرتے رہتے ہیں جس کے سبب ان پر پہاڑوں کی طرح پتھر جمع ہو گئے ہیں۔[2]

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ہمارے دور میں یہ مسجد بالکل منہدم ہو چکی تھی صرف اس کی دیواروں کے آثار باقی رہ گئے تھے۔ اس کے قریب ایک گڑھا تھا جس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا اور عمرہ کرنے والے اس پانی سے وضو کیا کرتے تھے۔

۹۷۸ھ میں وزیر المعظم المجاہد فی سبیل اللہ حضرت سنان پاشا جب عمرہ ادا کرنے کے لئے تنعیم آیا تو اس وقت گڑھے میں پانی بالکل خشک ہو چکا تھا۔ کیونکہ کافی عرصہ سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ وزیر موصوف نے دیکھا کہ دور دور سے لوگ پانی بھی اپنے ساتھ اٹھائے آرہے ہیں۔ معتمرین کی تکلیف کو دیکھ کر وزیر کو سخت دکھ ہوا۔ اس جگہ ایک پرانا کنواں بھی تھا جو خراب اور خستہ حال تھا۔ مٹی اور پتھروں سے اٹا پڑا تھا۔ وزیر نے شیخ الاسلام ناظر المسجد الحرام قاضی حسین الحسینی کو اس کی صفائی اور کھدائی کا حکم دیا۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے اس کنوئیں کو کھود کر از سر نو تعمیر کرایا۔ پھر کنوئیں سے گڑھے تک نالی بنوا کر اسے بھرنے کا حکم دیا تاکہ عمرہ کرنے والوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی وضو کرنے اور پینے کے لئے استعمال کریں اور جانور بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔[3]

---

[1] النجوم الزاہرہ ص ۲، [2] سفر نامہ ابن جبیر ص ۹۳ [3] اعلام الاعلام ص ۴۵۴ تا ۴۵۵

Marfat.com

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں:۔

کنوئیں سے حوض کا فاصلہ ۲۰۰ میٹر تھا۔ حوض تک پانی پہنچانے کے لئے قدآدم اونچی پتھر سے پختہ نالی بنوائی گئی۔ اور قدیم گڑھے کو حوض بنا دیا۔ اور پانی کھینچنے کے لئے مصری اوقاف کی جانب سے آدمی مقرر کئے گئے۔ جو ۱۰۹۸ھ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ حوض کا طول ۲۴ میٹر عرض ۱۹ میٹر اور گہرائی تین میٹر تھی[1]

موصوف نے مسجد کا طول وعرض اس طرح بیان کیا ہے۔

طول ۱۶ میٹر عرض ۱۵ میٹر اور بلندی ۴ میٹر ہے۔ محراب میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم - انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ

اس کی تجدید جمادی الثانی ۱۰۱۱ھ میں سلطان محمود نے کرائی پھر ۵۰۰ھ امیر عبداللہ بن محمد بن داؤد عباسی امیر مکہ نے اس کے بعد المقتدر کی بوڑھی والدہ نے۔ بعدازاں ملک المنصور کی بیگم نے اور آخر میں والی جدہ محمود بیک نے ۱۰۱۲ھ میں تعمیر کرائی جو مورخ موصوف رفعت پاشا کے عہد تک قائم تھی[2]

(۱۳) مسجد نمرہ

یہ مسجد عرفات کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

۸۴۳ھ میں ملک ظاہر جقمق نے اسے ازسرنو تعمیر کرایا۔ پھر ۸۵۳ھ میں بھی اس کی اصلاح اور مرمت کرائی گئی۔ ۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے اس کی تعمیر اور مرمت کرائی اور مسجد کے درمیان دو بڑے برآمدے بنوائے تاکہ حجاج نماز کے وقت دھوپ سے محفوظ رہیں[3]

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں:۔

---

[1] مراۃ الحرمین جلد ۱ ص ۳۴۳ [2] ایضاً [3] اعلام الاعلام ص ۲۱۸ تا ۲۲۴

Marfat.com

اسے مسجد عرفہ، جامع ابراہیم اور مصلی عرفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا طول ۹۰ میٹر اور عرض ۸۰ میٹر ہے۔ اس کے چاروں طرف برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ محراب تین میٹر اونچا اور ۵ امیٹر چوڑا ہے۔ اس کا منبر ۴ میٹر اونچا اور دس سیڑھیوں والا ہے۔ سنہ ۸۴۳ھ میں سلطان جقمق نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ پھر سنہ ۸۷۴ھ میں سلطان قایتبائی نے اور سنہ ۱۰۷۲ھ میں سلیمان بک والی جدہ نے تعمیر کرایا۔[1]

سعودی حکومت نے پوری مسجد از نو تعمیر کی۔ راقم الحروف جب ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں زیارت حرمین شریف سے مشرف یار ہوا تو اس وقت مسجد کا مغربی حصہ مکمل ہو چکا تھا۔ مینار زیر تعمیر تھے۔ اور برآمدے کے علاوہ موجودہ مشرقی حصہ تعمیری پروگرام میں شامل تھا۔ لیکن ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں جب زیارت نصیب ہوئی تو تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ موجودہ تعمیر کا تقریباً نصف حصہ حدود عرفات سے باہر ہے جس کے ابتدا میں فرش نہیں بنایا گیا۔ اور ایک بڑے سائن بورڈ پر عربی۔ انگریزی۔ اردو اور دو ایک دوسری زبانوں میں یہ اعلان لکھا ہوا ہے:۔

"اعلان بہت اہم ہے۔ حاجی بھائی یہ حد عرفہ کی ہے اور جو حاجی اس تختے کے پیچھے کھڑا ہوگا تو اس وجہ سے اس کا حج نہیں ہوگا۔"

(۱۴) مسجد خیف

منیٰ کی مساجد میں سب سے بڑی اور مشہور مسجد خیف ہے۔ اس کے فضائل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔

امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ الشیخ مجد الدین صاحب قاموس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی ہے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوتا تو ہر ہفتہ کے دن مسجد

---

[1] مرآۃ الحرمین جلد اص ۳۴۳

Marfat.com

خیف کی زیارت کو جانا۔ امام ازرقی نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مسجد خیف میں ۷۵ انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی ہے۔ جن میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں[1]

امام ازرقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسجد خیف کی تفصیلات بڑی شرح و بسط سے بیان فرمائی ہیں۔

مسجد کا طول شمالاً جنوباً ۲۹۳ ذراع اور ۱۲، انگل (تقریباً ۴۲۸ فٹ، ۱۳۰.۵ میٹر) اور عرض ۲۰۴ ذراع اور ۱۲، انگل ہے (۸″ - ۳۰۶ فٹ - ۴۵ میٹر ۸۰ سنٹی میٹر) اس کے چاروں طرف برآمدے بنے ہوئے ہیں لیکن مغربی حصہ میں تین برآمدے تھے جن کے ستونوں کی تعداد ۱۶۸ ہے۔ مغربی برآمدہ میں ۷۸، جنوب یعنی پہاڑ کی سمت میں ۴۳، مشرق یعنی عرفات کی طرف ۴۳، اور شمال میں ۳۱ ستون ہیں۔ ان ستونوں پر جو محرابیں بنی ہوئی تھیں ان کی تعداد ۱۱۹ تھی۔ قبلہ کی سمت ۲۷، شمال میں ۲۳۔ جنوب میں ۳۵۔ اور عرفات کی جانب ۴۲ تھیں۔ محرابوں کی بلندی ۹ ذراع ۱۲ انگل تھی (۶″ - ۱۳ فٹ - ۴ میٹر ۱۰ سنٹی میٹر) اور ہر دو ستونوں کے درمیان ۵ ذراع ۱۲، انگل کا فاصلہ تھا (۲″ - ۸ فٹ ۸ سنٹی میٹر) ان میں سے بعض ستونوں کی بلندی بھی زیادہ تھی اور ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ بھی نسبتاً زیادہ تھا۔

مسجد میں روشنی کرنے کے لئے ۱۰۱ قندیلیں آویزاں تھیں جن میں سے مغربی برآمدہ میں ۱۸، شمال میں ۳۵۔ جنوب میں ۱۳۱۰ اور مشرق میں ۲۴۔

مغربی برآمدہ کا عرض ۳۷ ذراع (۶″ - ۵۵ فٹ یعنی ۱۶.۶۰ میٹر) شمالی برآمدہ ۱۱ ذراع (۶″ - ۶ فٹ یعنی تقریباً ۵ میٹر) مشرقی برآمدہ ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یعنی ۴.۶۰ میٹر) اور جنوب والا ۱۱ ذراع ۱۰، انگل تھا (۲/۱″ - ۱۶ فٹ یعنی ۵.۰۷ میٹر) اور ان کی بلندی ۲۴ ذراع تھی (۳۷ فٹ

---

[1] اخبار مکہ ص ۴۰۰

Marfat.com

یعنی ۱۱ میٹر)

مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی تھا جس کا طول ۵۰ ذراع (۷۵ فٹ یعنی ۲۲.۹۰ میٹر) عرض ۵ ذراع (″۶-۷ فٹ یعنی ۲.۲۸ میٹر) اور گہرائی ۹ ذراع تھی (″۶-۱۳ فٹ یعنی ۴.۱۱ میٹر) حوض کے دو دروازے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ مسجد کے دروازوں کی مجموعی تعداد ۲۰ تھی۔ شمال کی طرف ۹ دروازے تھے جن میں سے بعض کی بلندی ۸ ذراع ۱۲ انگل (″۹-۱۲ فٹ یعنی ۳.۹۰ میٹر) اور چوڑائی ۵ ذراع تھی۔ اور بعض کی بلندی اس سے کم و بیش تھی مشرقی دیوار میں پانچ دروازے تھے جن کی بلندی ۸ ذراع ۱۲ انگل (″۹-۱۲ یعنی ۳.۹۰ میٹر) اور چوڑائی ۵ ذراع تھی (″۶-۷ فٹ یعنی ۲.۲۸ میٹر) اور بعض چوڑائی میں کم و بیش تھے۔ جنوب والی دیوار میں ۴ دروازے تھے۔ ان میں سے تین دروازے ۸ ذراع لمبے تھے (۱۲ فٹ یعنی ۳.۶۵ میٹر) پہلے دروازہ کی چوڑائی ۵ ذراع (″۶-۷ فٹ یعنی ۲.۲۸ میٹر) دوسرا دروازہ ۴ ذراع ۴ انگل (″۳-۶ فٹ یعنی ۱.۹۰ میٹر) اور تیسرا ۳ ذراع ۱۸ انگل تھا (″۷-۵ فٹ یعنی ۱.۷۰ میٹر) جب کہ چوتھا دروازہ ۷ ذراع (″۶-۱۰ فٹ یعنی ۳.۲۰ میٹر) اونچا اور ۳ ذراع (″۶-۴ فٹ یعنی ۱.۳۷ میٹر) چوڑا تھا۔ اور قبلہ والی دیوار میں بھی دو دروازے تھے جن میں سے ایک کی لمبائی ۶ ذراع ۱۲ انگل (″۹-۹ فٹ۔ یعنی تقریباً ۳ میٹر) اور چوڑائی ۲ ذراع (۶ فٹ یعنی ۱.۸۳ میٹر) اور دوسرے کی لمبائی ۴ ذراع ۶ انگل (″۴-۶ فٹ یعنی ۱.۹۳ میٹر) اور چوڑائی ۲ ذراع تھی (۶ فٹ یعنی ۱.۸۳ میٹر) مسجد کے وسط میں ایک مربع شکل کا منار تھا جس کی چوڑائی ۷ ذراع اور ۱۲ انگل اور بلندی ۲۴ ذراع تھی اس کے اندر ۴۱ سیڑھیاں تھیں[1]

۸۵۳ھ میں ملک ظاہر جقمق کے حکم سے ناظر حرم خواجہ بہرام نے مسجد خیف کی تعمیر نو کرائی

---

[1] اخبار مکہ ص ۴۰۷ تا ۴۱۰

Marfat.com

جس پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا۔ اور اسے بے حد مضبوط اور خوبصورت بنوایا۔[1]

۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے انتہائی قابلِ رشک اور عالیشان تعمیر کرایا۔ اس کے چاروں طرف دیوار بنوائی اور قبلہ والی جانب یکے بعد دیگرے چار برآمدے بنوائے (جب کہ پہلے چاروں طرف ایک ایک برآمدہ تھا) مسجد کے صحن میں ایک فی شان قبہ تعمیر کرایا۔ اور قبہ اتنی جگہ گھیرے ہوئے تھا جو نبی علیہ السلام کی مسجد کی حدود تھیں اور جہاں آپ کا مصلیٰ تھا وہاں محراب بنوائی۔ اس کے قریب ہی اذان کی جگہ بنوائی جب کہ دروازہ کے قریب پہلے ہی اذان دینے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔

مسجد کے دروازہ کے قریب امراء اور رؤسا حجاج کے قیام کے لئے ایک محل تعمیر کرایا اور اس کے دروازہ کے قریب ایک سبیل بنوائی۔ جو مسجد کے صحن میں واقع حوض سے بھری جاتی تھی۔ جب کہ حوض بارش کے پانی سے بھرا جاتا تھا مسجد کا ایک اور دروازہ مشرق کی طرف بنوایا۔ اس میں پہاڑ کی جانب ایک چھوٹی کھڑکی بنائی جو غار مرسلات کی طرف کھلتی تھی۔ مؤرخ موصوف لکھتے ہیں:

"اگرچہ اب بھی مذکورہ عمارت قائم ہے مگر یہ تعمیر جدید کی خواستگار ہے"[2]

الشیخ رفعت پاشا مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

مسجد کا طول ۱۳۰ میٹر اور عرض ۱۰۰ میٹر ہے۔ بڑے دروازہ پر موذنہ بنا ہوا ہے جس کی بلندی ۱۴ میٹر ہے مغربی جانب شمالاً جنوباً چار برآمدے ہیں ان کا مجموعی عرض ۲۷ میٹر ہے ہر ایک برآمدہ میں ۱۲ ستون ہیں۔ چھت کے اندر ایسے بے نظیر گنبد بنے ہوئے ہیں جو صرف اندر سے نظر آتے ہیں جب کہ اوپر سے چھت ہموار ہے۔ مغربی دیوار میں محراب اور منبر بنا ہوا ہے اور محراب

---

[1] الاعلام الاعلام ص ۲۱۸ [2] ایضاً ص ۲۲۳

Marfat.com

پر گنبد بنا ہوا ہے۔ صحن میں آٹھ ستونوں پر قائم ایک بہت بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ اس کی مغربی دیواریں محراب بنی ہوئی ہے اور یہی وہ جگہ تھی جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن خیمہ لگایا تھا۔ اسی خیمہ میں آپ نے نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور عرفہ کی فجر ادا فرمائی تھی۔

قبہ کی مشرقی جانب موذنہ بنا ہوا ہے جو ۶۰۔۱۴ میٹر بلند ہے۔ قبہ کے باہر ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جہاں سے اندر راستہ جاتا ہے اور اندر ۳۰ سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک سیڑھی کی بلندی ۲۰ سنٹی میٹر ہے۔ صحن میں چار بہت بڑے حوض بنے ہوئے ہیں جن میں بارش کا پانی جمع کر لیا جاتا ہے اور ایام حج میں حجاج استعمال کرتے ہیں۔

۲۵۶ھ میں خلیفہ المعتمد احمد بن متوکل العباسی نے اس کی تعمیر کرائی تھی بعد ازاں ۵۵۹ھ میں وزیر محمد بن علی المعروف الجواد اصفہانی نے تجدید کرائی۔ اسی طرح خلیفہ الناصر لدین اللہ العباسی کی والدہ مکرمہ اور ملک مظفر جوین کا بادشاہ تقانے بھی تجدید کرائی تھی۔ ۶۷۴ھ میں یمن کے بادشاہ المنصور عمر بن علی نے اسے تعمیر کرایا۔ ۸۲۰ھ میں دمشق کے ایک تاجر احمد بن عمر المعروف ابن المرجانی نے اس کی تعمیر ومرمت پر ۲۰ ہزار درہم خرچ کئے۔ ۸۲۰ھ میں الشیخ علی البغدادی نے اور ۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے اس کی تعمیر کا حکم دیا، اسے بے حد مضبوط اور خوبصورت بنوایا۔ ۱۰۷۲ھ میں سلطان محمد قزلدر آغا نے اور پھر ۱۰۹۲ھ میں سلیمان آغا نے سلطان محمد خان کے حکم سے اس کی تجدید کرائی[1]

اس ذی شان مسجد کی تعمیر جدید کا حکم شاہ عبد العزیز آل سعود نے دیا تھا۔ مگر اس کی تکمیل شاہ خالد کے دور میں ہوئی۔ اس کے شمالی دروازہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:۔

---

[1] مراۃ الحرمین جلد اص ۳۲۲ تا ۳۲۵

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر

امر بتجدید عمارۃ ھذا المسجد علی نفقۃ الخاصۃ حضرت صاحب الجلالۃ الملک

عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود ایدہ اللہ سنہ ۱۳۶۲ھ واعید تجدیدہ فی

عہد صاحب الجلالۃ الملک فیصل بن عبدالعزیز ایدہ اللہ سنہ ۱۳۹۲ھ

اسے مکمل طور پر ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء کو بالکل نئے انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اب نہ تو اس میں گنبد ہے اور نہ ہی قدیم نقشہ۔

⑮ مسجد کبش

یہ مسجد جبل ثبیر کے دامن میں واقع ہے جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے فدیہ میں جنت سے دنبہ یہاں پہنچا کر ذبح کرا دیا۔ یہ مسجد علی بن عبداللہ بن عباس نے بنائی تھی اور مسجد کبش کے نام سے مشہور ہوئی[1] علاوہ ازیں اس وقت کی مشہور مساجد حسب ذیل ہیں:

۱۔ مسجد جن، محلہ سلیمانیہ۔ ۲۔ مسجد الجمیزہ، محلہ معابدہ۔ ۳۔ مسجد الامیرۃ حصۃ، حجون میں۔ ۴۔ مسجد حمدان الفرح، محلہ عتیبیہ۔ ۵۔ مسجد ابن رشد الہمزانی، محلہ معابدہ۔ ۶۔ مسجد ملک عبدالعزیز قصر عالی کے قریب محلہ معابدہ میں۔ ۷۔ مسجد حی التوفیق، محلہ جرول۔ ۸۔ مسجد ملک عبدالعزیز، محلہ الزاہر۔ ۹۔ مسجد بیر الحمام، محلہ شعب عامر۔ ۱۰۔ مسجد الامیر بندر، محلہ المعابدہ۔ ۱۱۔ مسجد آل الشیخ شارع المنصور۔ ۱۲۔ مسجد الکویتی، شارع المنصور۔ ۱۳۔ مسجد الطیبشی محلہ جرول۔ ۱۴۔ مسجد الکعکی، محلہ جرول۔ ۱۵۔ مسجد البدوی یا مسجد رایہ۔

[1] اخبار مکہ ص ۴۰۱

Marfat.com

چند متبرک مکانات

مکہ مشرفہ میں بعض ایسے مقدس و متبرک مکان تھے جن کی زیارت باعث اجر و ثواب تھا اور یادگار اسلاف تھی۔ اگرچہ ان میں سے چند ایک حرم شریف اور سڑکوں کی توسیع کے باعث معدوم ہو چکے ہیں تاہم برکت کے لئے ان کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

مولد النبیؐ وہ مقدس مکان جہاں آفتاب نبوت طلوع ہوا تھا۔ وہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کی ملکیت تھا۔ جب آپ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ جانے لگے تو اپنے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان سے محمد بن یوسف ثقفی جو حجاج بن یوسف کا بھائی تھا، نے خرید کر اپنے مکان میں شامل کر لیا تھا اور اسی کے نام سے "بیت ابن یوسف"

Marfat.com

مشہور ہوا حتی کہ ۱۷۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب حج بیت اللہ کو گئی تو اس نے وہ مکان خرید کر وہاں مسجد تعمیر کرادی جس میں لوگ نماز پڑھنے لگے۔[1]

الشیخ رفعت پاشا لکھتے ہیں :-

نبی علیہ السلام کا مکانِ ولادت سڑک سے تقریباً ۲½ میٹر نشیب میں واقع ہے جس میں داخل ہونے کے لئے پتھر کی بنی ہوئی چند سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا ہے۔ شمالی دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی ۱۲ میٹر لمبا اور ۶ میٹر چوڑا صحن ہے۔ اس کے دائیں جانب ایک دروازہ چھوٹے سے کمرہ کی طرف کھلتا ہے جس کے اندر لکڑی کا ایک چبوترا بنا ہوا ہے جس میں سنگِ مرمر کا ایک پتھر ہے۔ جو درمیان سے کھود کر گہرا کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ نبی علیہ السلام کی ولادت گاہ ہے اس کا کل رقبہ تقریباً ۸۰ مربع میٹر ہے۔

مذکورہ مسجد مصری سلطنت کے اوقاف کے زیر انتظام تھی جس میں امام اور مؤذن مقرر تھے لیکن زمانہ دراز کے بعد مسجد کو پھر مکان میں تبدیل کر دیا گیا جس کی تعمیر و مرمت مختلف سلاطین اپنے اپنے دور میں کرتے رہے۔ چنانچہ ۵۷۶ھ میں خلیفہ الناصر عباسی، ۶۶۶ھ میں ملک مظفر صاحب یمن، ۷۴۰ھ میں حفیدہ المجاہد، ۷۵۸ھ میں مصر کے ایک رئیس، ۷۶۶ھ، ۸۰۱ھ میں ملک اشرف شعبان، ۹۳۵ھ میں سلطان سلیمان خان نے یہ خدمت انجام دی۔ ۹۶۳ھ میں سلطان سلیمان خان نے تین بیش بہا قندیلیں بھیجیں جن میں سے دو کعبہ شریف کے لئے اور ایک مولد النبی میں آویزاں کرنے کے لئے۔ ۱۰۰۹ھ میں سلطان مراد خان نے از سر نو تعمیر کرائی اور اس پر ایک عظیم الشان گنبد اور مینار بنوایا۔ بعد ازیں دولتِ عثمانیہ نے اس جگہ دینی درسگاہ قائم کر دی گئی[2]

۱؎ اخبار مکہ ازرقی، عنوان مولد النبی ۲؎ مراۃ الحرمین جلد ۲ صہ ۱۸۰

Marfat.com

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم تحریر کرتے ہیں۔

۱۳۴۳ھ میں یہ عمارت منہدم ہو گئی تھی جسے الشیخ عباس بن یوسف القطان المتوفی ۱۳۷۰ھ نے اپنے ذاتی اخراجات سے تعمیر کرنا شروع کیا تھا لیکن دو ہی ماہ بعد ان کا وصال ہو گیا چنانچہ ان کے خلف الرشید الشیخ امین نے کام مکمل کرایا۔ مرحوم نے وصیت کی تھی کہ یہاں ایک جلیل القدر لائبریری بنائی جائے جس سے علماء اور طلباء استفادہ کریں۔ بہرحال اس وقت وہاں افادۂ عوام کے لئے عالی شان لائبریری بنی ہوئی ہے اور دروازہ پر المکتبۃ الملکہ کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔[۵]

سیدہ خدیجہؓ کا مکان

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان درب الحجر میں واقع تھا۔ جہاں اب زیورات کی بکثرت دکانیں پائی جاتی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد انہی کے بطن اطہر سے اسی گھر میں پیدا ہوئی۔ صرف حضرت ابراہیم سیدہ ماریہ قبطیہؓ سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اسی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی پرورش پائی تھی۔ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال بھی اسی مکان میں ہوا تھا۔ سڑک سے مکان نشیب میں ہے چند سیڑھیاں اتر کر ایک تنگ راستہ جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا کمرہ جو ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ لمبا) اور ۶ ذراع (۹ فٹ) چوڑا ہے۔ اس میں بچے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کی دائیں جانب دو سیڑھیاں چڑھ کر ایک دروازہ ہے۔ اس دروازہ سے آگے چھوٹا سا راستہ ہے جس میں تین دروازے ہیں بائیں طرف والا کمرہ صرف ۴½ فٹ لمبا ہے۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت فرمایا کرتے تھے۔

---

[۵] تاریخ القویم جلد ۱ صـ ۱۰۲

Marfat.com

اور اسی میں آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس کمرہ کے اندر دائیں طرف ایک گہری جگہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس جگہ نبی علیہ السلام وضو فرمایا کرتے تھے۔

مذکورہ تنگ راستہ میں داخل ہوتے ہی جو سامنے کمرہ ہے اس کی لمبائی ۶ میٹر ۹ افٹ ½ انچ ہے۔ اور چوڑائی ۴ میٹر ۳ افٹ ½ ا انچ ہے۔ یہاں آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ رہائش رکھتے تھے۔ جو کمرہ دائیں جانب ہے اس کی لمبائی ½ ۷ میٹر (۲۴ فٹ ۷ انچ) اور چوڑائی ۴ میٹر (۱۳ افٹ ½ ا انچ ہے۔ اس کے اندر لکڑی کا ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ جگہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت گاہ ہے۔ اس کمرہ میں مشرقی دیوار کے پاس چکی کا ایک حصہ پڑا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت فاطمہ کی چکی تھی۔ اس کمرہ کی لمبائی کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف ایک کھلی جگہ ہے جو تقریباً ½ ا گز اونچی ۶ ا گز لمبی اور ۷ گز چوڑی ہے۔ اس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مال تجارت رکھتی تھیں۔[1]

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ چلے گئے تو آپؐ نے یہ مکان اپنے چچازاد بھائی عقیلؓ بن ابی طالب کو دے دیا۔ پھر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے خرید کر یہاں مسجد بنا دی۔ مسجد کا ایک دروازہ سیدنا ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکان کی طرف بھی بنایا جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ "جو آدمی ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا۔"

مسجد کا حدود اربعہ بیت خدیجہؓ کے برابر رکھا گیا اس میں کمی بیشی نہیں کی گئی۔

الشیخ رفعت پاشا مصری شفاء الغرام کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

---

[1] اعلام الاعلام صد ۳۴۲

Marfat.com

بیت خدیجہؓ کی جگہ بنی ہوئی مسجد کی کیفیت اس طرح ہے:۔

۸ ستونوں پر برآمدہ بنا ہوا ہے جس کی سات محرابیں (ڈاٹیں) ہیں۔ قبلہ والی دیوار میں تین محرابیں ہیں ۔اس کے سامنے والے برآمدے میں چار محرابیں ہیں۔

ان دونوں برآمدوں کے درمیان صحن ہے ۔اس گھر میں تین مقامات کی طرف سے زیارت کے لئے لوگ آتے ہیں۔ مولد فاطمہؓ۔ اس کے قریب ہی قبۃ الوحی۔ اور المختبا جو قبہ وحی کے قریب واقع ہے کہا جاتا ہے کہ جب نبی علیہ السلام پر مشرکین سنگ باری کرتے تھے تو آپؐ اس کے نیچے ہو جاتے تھے۔ المختبا کی ۲×۴ ذراع ہے۔

خلیفہ الناصر عباسی۔ ملک اشرف شعبان۔ المقتدی عباسی۔ ملک ناصر فرج بن برقوق نے تعمیری خدمات انجام دیں۔ ۹۳۰ھ میں سلیمان خان نے بھی اس کی تعمیر کی تھی[1]

علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں:۔

۱۳۶۸ھ میں الشیخ عباس بن یوسف نے اسے از سر نو تعمیر کرنا شروع کیا جو ۱۳۷۰ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اور اس میں حفظ قرآن کا مدرسہ جاری کیا[2]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان

آپ کا مکان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان ولادت سے کوئی ۲۰۰ میٹر کے فاصلہ پر سوق اللیل میں واقع تھا۔ علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں کہ ۱۳۷۶ھ میں یہاں کوئی عمارت نہیں تھی چنانچہ شیخ عبداللہ نے شاہ سعود سے درخواست کی کہ یہاں ایک دارالعلوم قائم کیا جائے جہاں حفظ قرآن، تجوید اور دیگر تمام علوم پڑھانے کا معقول انتظام ہو۔ شاہ موصوف نے

---

[1] مراۃ الحرمین جلد ۱ صہ ۱۹۰، ۱۹۲ [2] تاریخ القویم جلد ۱ صہ ۱۸۷

Marfat.com

اس درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا۔لیکن جدہ کے رئیس الشیخ السید حسن الشربتلی نے دارالعلوم کی تعمیر اور دیگر تمام تر اخراجات کی کفالت کا اعلان کیا۔جن کی مساعی جمیلہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچایا[1]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا مکان

سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جو ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے تھے۔ان کا مکان باب علی رضی اللہ عنہ اور باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مسعیٰ (سعی کرنے والی جگہ) میں تھا۔دسویں صدی ہجری میں اسے منہدم کر کے رباط (مسافرخانہ) بنادی گئی جس میں فقراء اور مساکین ٹھہرتے تھے۔

۱۳۷۶ھ میں جب حرم شریف کی توسیع کا کام جاری تھا تو اسے بھی گرا کر یہ جگہ حرم شریف میں شامل کر لی گئی مسعیٰ میں جہاں میلین اخضرین دو سبز ستون ہیں اس جگہ یہ مکان تھا۔پھر اس جگہ سعی کرنے والوں کے لئے لوہے اور کنکریٹ کی شیڈ بنادی گئی تاکہ سایہ رہے[2] صفا سے مروہ جاتے وقت دائیں جانب دار عباس رضی اللہ عنہ اور شمال مشرق میں دار ابو سفیان تھا۔

سیدنا ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا مکان

یہ مکان مروہ کی جانب مدعا کے بالکل آخر میں واقع تھا۔فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت افزائی کی خاطر ارشاد فرمایا تھا۔

من داخل دارہ واغلق بابہ فھو امن	جس آدمی نے اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر
ومن دخل المسجد فھو امن۔ومن دخل	لیا وہ امن میں آگیا اور جو آدمی مسجد حرام میں داخل ہو

---

[1] تاریخ القویم جلد ۱ صد ۲۷۱ [2] تاریخ القویم جلد ۲ صد ۲۰۸

Marfat.com

دار ابی سفیان فھو امن ۔ ہو گیا وہ امن میں آگیا اور جو آدمی ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ بھی امن میں آگیا ۔

۱۲۶۶ھ میں محمد شریف پاشا نے اس جگہ ہسپتال بنا دیا۔ ۱۲۸۲ھ میں سلطان عبد المجید خان کی والدہ محترمہ نے اس میں توسیع کی ۔ ۱۳۶۴ھ میں وزارت صحت کا دفتر بنا دیا گیا ۔ پھر ۱۳۸۵ھ میں سعودی حکومت نے ہسپتال گرا کر اس جگہ پبلک لائبریری بنا دی (اس وقت ۱۳۹۹ھ میں لائبریری بھی نہیں رہی بلکہ یہاں بازار بن چکا ہے)

علامہ کردی فرماتے ہیں :۔

۲۸ رجب ۱۳۷۶ھ کو میں نے یہ مکان اندر سے دیکھا ۔ اس میں ایک پتھر کی تختی پر خط ثلث میں یہ حدیث لکھی ہوئی تھی ۔

من دخل دار ابی سفیان فھو امن ۔ کتبہٗ محمد عارف مصطفےٰ شکری ۱۳۱۲ھ

دار ارقمؓ

یہ مقدس و متبرک مکان صفا سے بائیں جانب ۳۵ یا ۴۰ میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا ۔ یہ ارقم بن ابی ارقم بن عبد مناف بن جندب اسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم کا تھا ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عرصہ دراز تک تبلیغ ، تدریس اور نماز کا مرکز بنائے رکھا ۔ کیونکہ مشرکین کے غلبہ کی وجہ سے آپؐ اعلانیہ نہ تو نماز پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی تبلیغ دین کی خدمت انجام دے سکتے تھے اس لئے آپ یہاں تشریف فرما ہو جاتے اور دیگر مسلمان بھی اس شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہو کر

تاریخ القویم جلد ۲ صہ ۸۵ تا ۸۷

Marfat.com

اسلام کے احکام سے بہرہ یاب ہوتے اور اسی مکان میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ جس کے بعد عمرؓ کی شجاعت نے مسلمانوں کو سرعام نماز پڑھنے کی ہمت سے ہمکنار کر دیا۔

۱۷۱ھ میں خیزران والدہ خلیفہ ہارون الرشید جب حج کے لئے آئیں تو دار ارقم کو خرید کر یہاں مسجد تعمیر کرائی۔ امام تقی فاسی کے بیان کے مطابق مسجد کا طول تقریباً ۱۸ گز (۴۲ فٹ) اور عرض تقریباً ۷ گز (۲۱ فٹ) تھا۔ ابن جبیر اندلسی نے ۵۷۹ھ میں بھی اس مسجد کا ذکر کیا ہے۔ اس کا دروازہ مشرق کو کھلتا تھا۔ ۱۳۲۷ھ میں محمد لبیب البتنونی نے بھی ذکر کیا ہے۔ مسجد کے اندر دو پتھر ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک پتھر پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۔ ھذا مختبأ رسول اللہ و دار الخیزران۔ و فیہا مبتدء الاسلام، امر بتجدیدہ الفقیر الی مولاہ آمین الملک مصلح ابتغاء ثواب اللہ و رسولہ۔ واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

اور دوسرے پتھر پر یہ عبارت کندہ تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ھذا مختبأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعروف بدار الخیزران امر بعملہ و انشائہ العبد الفقیر لرحمۃ اللہ تعالیٰ جمال الدین شرف الاسلام ابو جعفر محمد بن علی بن ابی منصور الاصفہانی وزیر الشام والموصل الطالب وصول الی اللہ تعالیٰ الراجی لرحمتہ اطال اللہ فی اطاعۃ بقاہ و انالہ فی الدارین ۲ بناہ فی سنۃ خمس وخمسین وخمسمائۃ ۵۵۵ھ

اس جگہ خیزران ام الرشید نے ۱۷۱ھ میں مسجد بنوائی تھی۔ بعد ازاں اس کی تعمیر حسب ذیل امراء اور سلاطین نے کی۔ ابن الملک مصلح۔ وزیر الجواد۔ المستنصر عباسی۔ جمال الدین شرف الاسلام

Marfat.com

ابوجعفر نے ۵۵۵ھ، سلطان مراد خان ۱۱۱۲ھ میں، ابراہیم بک نے بنیادوں سے لے کر چھت تک پوری عمارت کی تجدید کی۔ لیکن ۱۳۴۳ھ میں یہ عمارت منہدم ہو گئی تھی۔

۱۳۷۵ھ میں جب سعودی حکومت نے حرم شریف کی بے مثال توسیع کا پروگرام بنایا تو یہ جگہ اور مسجد بھی اس کی زد میں آ گئی جس کی وجہ سے اسے گرا دیا گیا[1]۔ اور یہاں ایک سہ منزلہ مارکیٹ بنائی گئی۔ اور ایک مکان اس جگہ مخصوص بنایا گیا جس کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا "دار ارقم" جو کہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء تک موجود تھی۔ مگر بعد ازاں سڑکوں کی توسیع کے باعث اس جگہ کو زمین کے برابر کر دیا گیا۔ بلکہ شارع ارقم جو تقریباً ایک موفٹ بلندی پر تھی اسے بھی پیوند زمین کر دیا گیا۔ اس طرح نہ تو یہاں مسجد کا نشان باقی رہا اور نہ ہی دار ارقم کا۔

سیّدہ اُمّ ہانیؓ کا مکان

سیّدہ ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ آپؐ اکثر ان کے گھر تشریف لایا کرتے تھے بعض روایات کے مطابق معراج کی شب بھی آپؐ انہی کے گھر میں آرام فرما تھے اور یہیں سے معراج کے لئے تشریف لے گئے۔

ان کا مکان موجودہ باب الوداع کے قریب تھا۔ زمانہ قدیم میں مورخین نے اس کا محل وقوع سوق حناطین حزورہ والے مینار کے قریب بیان کیا ہے قصی بن کلاب نے العجول نامی کنواں اسی جگہ کھودا تھا جہاں سیّدہ ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر تھا۔

۱۶۷ھ میں جب خلیفہ مہدی عباسی نے حرم شریف کی توسیع کی تو یہ جگہ حرم میں آ گئی تھی۔ رکنِ یمانی سے باب الوداع کی طرف ۱۲۰ میٹر کے فاصلہ پر یہ مقدس مکان واقع تھا[2]۔

---

[1] تاریخ القویم جلد ۱ ص ۸۸ تا ۹۱ [2] ایضاً عنوان دار ام ہانی

Marfat.com

جبالِ مکہ

اگرچہ مکہ مشرفہ کی ساری آبادی پہاڑوں پر مشتمل ہے لیکن ان میں سے بعض اسلامی اور تاریخی روایات کے حامل ہیں اس لیئے ان کا تذکرہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

جبل ابی قبیس اس کی بلندی ۴۲۰ میٹر ہے۔ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق زمین پر سب سے پہلے یہی پہاڑ پیدا کیا گیا تھا۔ قبیلہ ایاد میں سے ابو قبیس نامی ایک آدمی نے اس پر مکان بنایا تھا جس کی وجہ سے یہی اس کا نام مشہور ہوگیا۔ یہ پہاڑ حرم شریف کے مشرق میں واقع ہے۔ طوفان نوح کے وقت قدرتی طور پر حجر اسود اس میں امانت رکھا گیا جسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت حاصل کر کے نصب فرمایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر دعا قبول ہوتی ہے۔

جبل قعیقعان اسے جبل ہندی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ۴۳۰ میٹر بلند ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں کہا جاتا ہے کہ شاہ تبع نے اس کے قریب ایک بہت بڑی دعوت کی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد اس پہاڑ کو قعیقعان کہا جانے لگا۔ اس کے ابتدا میں مروہ واقع ہے جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان کے درمیان حرم کعبہ شریف پایا جاتا ہے۔

جبل عمرؓ یہ پہاڑ محلہ شبیکہ سے محلہ مسفلہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے قریب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان ولادت پایا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے پہاڑ کا نام بھی جبل عمرؓ مشہور ہوگیا۔

جبل ثور یہ پہاڑ ۷۵۹ میٹر اونچا ہے اور حرم سے تقریباً ۴ کلو میٹر دور ہے اس کی چوٹی پر

Marfat.com

غارِ ثور ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں ہجرت کے وقت تین شب روپوش رہے تھے۔ اس کے قریب ثور بن عبد مناف نے اقامت اختیار کی تھی۔ جس کے باعث پہاڑ کا نام ثور مشہور ہو گیا۔

غارِ ثور کی لمبائی ۶ً - ۱۳ فٹ یعنی ۴ میٹر سے کچھ زائد جب کہ اس کا منہ ۹ً - ۳ لمبا تھا اور منہ کی چوڑائی صرف ۹، انچ تھی۔ لوگوں کے بکثرت داخل ہونے اور نکلنے کے باعث اس وقت منہ تقریباً ایک میٹر کشادہ ہو چکا ہے۔

امام ابن ظہیرہ نے جامع اللطیف میں لکھا ہے کہ اب اس کے دو کشادہ منہ بن گئے ہیں ۱۲۹۹ھ میں شریف عون امیر مکہ نے اس کا منہ کشادہ کرایا تھا۔ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں غار تک پہنچنے کے لئے راستہ میں چار مقامات پر تھڑے بنے ہوتے تھے۔ جو تین میٹر بلند اور چار میٹر چوڑے تھے۔ لوگ ان پر آرام کرتے تھے۔ مگر بعد میں تھڑوں کی بجائے پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر بنا دئے گئے ۱۲۹۹ھ میں عثمان پاشا نوری والی حجاز اور ۱۳۰۷ھ میں سید اسمٰعیل حقی پاشا والی حجاز نے اس راستہ کو کشادہ اور صاف کرایا تھا۔

جبل ثبیر مکہ معظمہ سے منیٰ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ پر واقع ہے جب کہ اس کے بالمقابل جبل حرا ہے۔ اسی پہاڑ کے ایک حصہ کا نام ثبیر الاثبرہ ہے جس کے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جب سورج کی کرنیں اس پر پڑیں تو حجاج منیٰ سے عرفات روانہ ہو جائیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ جب قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تو اس وقت آپ جبل ثبیر پر تھے۔ اس پہاڑ نے آپؐ سے استدعا کی کہ میرے اندر آپ چھپ جائیں تاکہ قریش اپنے مذموم ارادہ میں ناکام رہیں۔

Marfat.com

جبل خندمہ یہ پہاڑ جبل ابی قبیس سے معلاۃ کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ اس کے دامن میں شعب علی جسے شعب بنی ہاشم بھی کہا جاتا ہے، واقع ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس کے دامن میں ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں۔ علامہ قطب الدینؒ نے لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس پر استراحت فرمائی تھی۔

جبل کدا اسے حجون بھی کہا جاتا ہے۔ نبی علیہ السلام فتح مکہ کے دن اسی راستہ سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ۱۳۲۸ھ میں شریف حسین بن علی امیر مکہ نے اس کے درمیان سے سڑک نکال کر راستہ قریب اور آسان بنا دیا۔

جبل حرا مکہ مشرفہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر واقع ہے اسے جبل نور بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہیں سے انوارِ نبوت کا ظہور ہوا تھا۔ اس کی چوٹی پر غار حرا واقع ہے۔ جہاں نبوت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدتوں عبادت کرتے رہے۔ اور اسی میں نزول وحی کا آغاز ہوا تھا۔ حرم سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

جبل رحمت یہ پہاڑی عرفات کے مشرق میں واقع ہے جس پر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس پر ایک سفید مینار بنا ہوا ہے جو سیدہ ام سلمیٰؓ کی طرف منسوب ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کے پتھر کہن سالی کے باعث گھس گئے ہیں۔ اس کے قبلہ رخ ایک اور مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ زائرین ان میں نوافل پڑھتے ہیں۔

Marfat.com

باب ششم

رفاہی منصوبے

مواصلات و نشریات
میں محیر العقول ترقی

Marfat.com

- نہر زبیدہ
- سیلاب کا تفصیلی تذکرہ
- ہسپتال
- نشریاتی ادارے
- نظام مواصلات

Marfat.com

مکّہ کے کنوئیں

مکّہ کی مقدس سرزمین میں سب سے پہلے سیّدنا آدم علیہ السلام نے شعب حرا میں ایک کنواں کُرّہ آدم کھودا تھا جس کا پانی لوگ استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح مُرۃ بن کعب بن لوی نے "رُمّ"۔ کلاب بن مُرّۃ نے بنی مخزوم کے لئے "خُمّ" اور ہاشم بن عبد مناف نے "سجلہ" صفا اور مروہ کے درمیان کھودا تھا۔ بعد میں یہ کنواں جبیر بن مطعم کے نام سے مشہور ہوا۔ عبد الشمس بن عبد مناف نے "الطّوِیّ" بنوایا تھا جو بعد میں عقیل بن ابی طالب نے بحال کیا تھا۔ امیہ بن عبد الشمس نے "الجفر" نامی کنواں جیاد میں کھودا۔ بنی عبد الشمس کے کنوئیں "اُمّ جعلان" اور "علوق" بھی تھے۔ اُمّ ہانیؓ کے مکان والی جگہ قصی بن کلاب نے "العجول" کھودا تھا۔

دور اسلام میں حسب ذیل کنوئیں بھی بنائے گئے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منٰی میں شعب آل عمر کے مقام پر۔ بنی مخزوم میں بیر الشرکا جیاد میں بیر عکرمہ۔ شعب عمر میں عبد اللہ بن صفوان الجمحی نے۔ ابو موسٰی اشعری کا کنواں

Marfat.com

شعب بن ابی دُبّ میں حجوں کے مقام پر واقع تھا۔ بیر شوذب باب بنی شیبہ کے قریب پایا جاتا تھا۔ یہ جگہ ۱۶۱ھ میں خلافت مہدی عباسی کے دوران حرم میں داخل ہو گئی تھی۔ خراش بن امیہ نے بیر ود، ذی طوی میں بیر بکّار۔ بیر وردان ذی طوی۔ بیر الصلاصل منٰی میں عقبہ کے قریب اور بیر سقیا یہ عرفات میں عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنوایا تھا۔

علامہ تقی فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۸ ۵ کنوئیں بیان کئے ہیں۔ جن میں سے باب معلار سے منٰی تک ۱۷، منٰی میں ۱۵۔ اور مزدلفہ میں تین کنوئیں پائے جاتے ہیں۔ عرفات میں زبادیۃ الکبریٰ۔ زبادیۃ الصغریٰ اور الشمر دفیہ کا ذکر کیا ہے اور باب الشبیکہ سے تنعیم تک ۲۳ کنوئیں بیان کئے ہیں۔ علاوہ ازیں عسقلانی، جعرانہ اور زاہر جیسے کنوئیں بھی پائے جاتے تھے۔ جعرانہ تو اب بھی موجود ہے۔ چونکہ ابتدا میں آبادی تھوڑی اور حجاج کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لئے کنوئیں کے پانی سے گذر ہو جاتی تھی۔ لیکن جب آبادی اور زائرین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو پھر مزید انتظام کی شدید ضرورت درپیش تھی۔ چنانچہ نہریں اور برساتی تالاب بھی بنائے جانے لگے۔

Marfat.com

نہر زبیدہ

ایک فرشتہ صفت خاتون کا صدقہ جاریہ

اہالیان مکہ اور زائرین چشموں، کنوؤں اور تالابوں کا پانی استعمال کرتے تھے۔ لیکن ایک سعادت مند خاتون نے ایک ایسا فقید المثال کارنامہ انجام دیا جو قیامت تک تابندہ و پائندہ رہے گا۔ ام جعفر زبیدہ بنت جعفر بن المنصور المتوفی ۲۱۶ھ جس کا نام اَمۃ العزیز تھا۔ بچپن میں ان کے دادا الملک المنصور محبت سے زبیدہ کہا کرتے تھے اس لیے اسی نام سے مشہور ہوگئیں۔ خلیفہ ہارون الرشید کے چچا کی بیٹی تھیں جو موصوف کے عقد میں آئیں۔

ملکہ زبیدہ جب فریضہ حج ادا کرنے آئیں تو حجاج کرام اور اہالیان مکہ کو پانی کی دشواری اور سخت مشکلات میں مبتلا دیکھ کر شدید صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنے اخراجات سے ایک عظیم و جلیل نہر کھودنے کا حکم دیا۔ مکہ مکرمہ سے ۳۵ کلومیٹر شمال مشرق میں وادی حنین کے "جبال طاد" سے نہر نکالنے کا پروگرام بنایا۔ جس کے لئے مختلف ممالک کے ماہر انجینئر بلائے گئے۔ ایک اور نہر جس کا پانی جبال قرا سے وادی نعمان کی طرف جاتا تھا اسے کاٹ کر اس میں

Marfat.com

شامل کیا۔ یہ مقام عرفات سے ۱۲ کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع تھا۔ علاوہ ازیں منیٰ کے جنوب میں صحرا کے مقام پر ایک تالاب بیر زبیدہ نامی تھا جس میں بارش کا پانی جمع کیا جاتا تھا۔ اس سے سات کاریز کے ذریعہ پانی نہر میں لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے ایک لائن مکہ معظمہ کی طرف اور ایک عرفات میں مسجد نمرہ تک لے جائی گئی۔ اس طرح اس عظیم الشان منصوبہ پر ۱۷۰۰۰۰ دینار خرچ ہوئے۔[۵۱]

اس عظیم الشان کام کی انجام دہی سے فراغت کے بعد منتظم اور نگران حضرات نے اخراجات کی تفصیلات تحریری طور پر ملکہ کی خدمت میں پیش کیں جب کہ ملکہ دریائے دجلہ کے کنارے واقع اپنے محل میں تھیں۔ انہوں نے وہ تمام کاغذات دریا برد کر دئے اور فرمایا کہ میں یہ حساب قیامت کے دن پر چھوڑتی ہوں میں نے یہ کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے۔ مجھے حساب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔[۵۲]

ساتویں صدی ہجری کے آخر میں اس تالاب کو نقصان پہنچا اور نہر کی دیواریں بھی ٹوٹ گئیں جس کی وجہ سے پانی کی سپلائی بند ہو گئی۔ شہر کے لوگ سخت پریشانی کا شکار ہو گئے۔ خصوصاً حج کے موقع پر پانی کی قلت انتہا کو پہنچ گئی اور دس درہم میں ایک مشکیزہ فروخت ہونے لگا جب کہ حج سے پہلے چھ، سات درہم میں مل جاتا تھا۔ اسی زمانہ میں تاتاریوں کے بادشاہ سلطان ابی سعید بن خربندہ یا خدابندہ کے نائب سلطنت امیر جوبان عراقی کو شوق ہوا کہ مکہ مکرمہ میں کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے خلقِ خدا فیض یاب ہوتی رہے چنانچہ اس نے نہر زبیدہ تعمیر کرنے کا تہیہ کر لیا۔ بازان نامی ایک معتمد خاص کو پچاس ہزار دینار دے کر روانہ کر دیا۔ جس نے چار ماہ کی مسلسل جد وجہد کے بعد ۷۲۶ھ میں یہ کام بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچایا

---

[۵۱] شفاء الغرام عنوان عیون مکہ [۵۲] اعلام الاعلام ص ۳۳۵

Marfat.com

اس میں یہ جدت بھی کی گئی۔ کہ ۸ رجمادی الثانی ۷۲۵ھ میں صفا مروہ کے درمیان جو کنواں بنایا گیا تھا نہر کا پانی اس میں ڈال دیا گیا۔ پانی میں اس قدر فراوانی تھی کہ لوگوں نے باغات اور سبزیاں لگانا شروع کردیں۔ اس منصوبہ پر ۵۰۰۰۰ درہم خرچ ہوئے۔

بعد ازاں ۷۲۸ھ میں ملک ناصر بن قلاوون نے ایک برساتی نالہ اس میں ملا دیا۔ ۷۴۴ھ میں مصری حکومت نے منیٰ کے ایک نالہ کا مزید اضافہ کیا۔ ۸۱۵ھ میں اس کی پھر تعمیر ہوئی۔ ۸۲۱ھ میں مصر، شام اور حرمین الشریفین کے قائدین کی مشترکہ جدوجہد سے اس کی تعمیر و مرمت کا کام کیا گیا لیکن اسی سال موسم حج میں پھر پانی کی قلت ہوگئی چنانچہ ۸۲۲ھ میں اسے گہرا کیا گیا اور ۸۲۵ھ میں خواجہ بیرم نے اسکی اصلاح کرائی ۸۷۵ھ میں ملک قایتبائی نے اس کی تعمیر کرائی۔ جس کے بعد عرصہ دراز تک حجاج اور اہل مکہ پانی کی نعمت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مگر جب حکام وقت نے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر داخلی امور کی بجائے خارجی معاملات پر مرکوز کردی تو پھر نہر کی حالت خستہ و شکستہ ہوگئی۔ جس کے باعث ۹۳۰ھ سے ۹۷۰ھ تک پانی بند رہا۔ اور لوگ ایک مرتبہ پھر شدائد و مشکلات کا شکار ہوگئے۔ پانی کی قلت ایسی سنگین صورت اختیار کرگئی جو بیان سے باہر ہے۔ تین لیٹر کا ایک مشکیزہ ایک پونڈ سرخ میں فروخت ہونے لگا۔

چونکہ مکہ معظمہ کے باشندے اس سے براہ راست متاثر تھے اسلئے انہوں نے ۹۶۹ھ میں سلطان سلیمان خان سے نہر کی اصلاح و مرمت کا پے در پے مطالبہ کیا تاکہ اس ناگہانی آفت سے نجات مل جائے۔ سلطان موصوف کی عالی مرتبت زوجہ مکرمہ مسماۃ مہر ماہ نے اس خدمت جلیلہ کو سر انجام دینے کیلئے سلطان سے اجازت طلب کی تاکہ اس کار خیر کے ذریعہ باشندگان مکہ کی خدمت کا شرف حاصل ہو سکے۔ ملکہ معظمہ نے اپنے ذاتی مال میں سے زر کثیر دے کر اپنے ایک قابل اعتماد آدمی کو یہ کام انجام دینے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ کردیا۔ اس دانشور آدمی نے مکہ پہنچ کر اکابرین

Marfat.com

و معززین کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور ان کے مشورہ اور رہنمائی کے مطابق کام شروع کرادیا۔ چنانچہ نہر کھودنے، ٹوٹی ہوئی شاخوں کو مرمت کرانے اور اس کی برانچوں کی صفائی کا کام پورے زور و شور سے شروع ہوگیا۔

جب عین حنین سے نہر زبیدہ تک اصلاح و مرمت کا کام پورا ہوگیا تو منتظمہ کمیٹی اس بات پر غور کرنے لگی۔ کہ نہر زبیدہ شہر کی سطح سے نشیب میں واقع ہے۔ کیوں نہ اسے کسی بلند جگہ تعمیر کیا جائے تاکہ پانی کی سپلائی میں سہولت ہو۔ اگرچہ ۲۵ میٹر بلند پہاڑی پر اس کام کو انجام دینا بے حد دشوار تھا۔ لیکن ان کی عالی ہمتی اور عزم مصمم کے سامنے پہاڑ بھی موم بن گیا اور کئی پہاڑوں کو کاٹ کر سنہ ۹۷۹ھ میں اس نہر کو شہر تک پہنچا کر اپنے مشن کو مکمل کر دیا۔ اس نئی تعمیر میں نہر کو ½ ۱ میٹر چوڑا اور ½ ۱ میٹر اونچا کر دیا گیا[1]

اس کے بعد	سنہ ۱۰۰۹ھ	سنہ ۱۰۲۰ھ	سنہ ۱۰۲۵ھ
سنہ ۱۰۶۶ھ	سنہ ۱۰۸۴ھ	سنہ ۱۰۸۹ھ	سنہ ۱۰۹۲ھ
سنہ ۱۰۹۳ھ	سنہ ۱۰۹۹ھ	سنہ ۱۱۴۳ھ	سنہ ۱۱۸۱ھ
سنہ ۱۲۱۹ھ	سنہ ۱۲۲۵ھ	سنہ ۱۲۴۲ھ	سنہ ۱۲۷۸ھ
سنہ ۱۲۹۱ھ	سنہ ۱۲۹۵ھ	سنہ ۱۲۹۷ھ	سنہ ۱۳۲۴ھ
سنہ ۱۳۲۶ھ	سنہ ۱۳۲۷ھ	سنہ ۱۳۲۸ھ اور	سنہ ۱۳۳۰ھ

میں بھی تعمیر کی جاتی رہی[2]۔

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۵۰ تا ۳۵۲ [2] مرأۃ الحرمین جلد ۱ عنوان عین زبیدہ

Marfat.com

مکّہ شریف میں سیلابوں کا تفصیلی تذکرہ

اس شہر خوباں میں نہ تو کوئی دریا ہے اور نہ ہی ندی نالہ۔ مگر اس کے باوجود نہ صرف شہر بلکہ اللہ کے مقدس گھر کو بھی متعدد بار سیلاب سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا رہا۔ اگرچہ یہ بات قارئین کے لئے حیران کن ہے کہ "مکہ" جہاں نہ دریا، نہ ندی نالہ اور نہ ہی بارشوں کی کثرت ہے وہاں سیلاب کیسے اور کہاں سے آجاتا ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل تفصیلات سے واضح ہے کہ اگر طائف وغیرہ کے پہاڑوں پر بارش ہوجائے تو وہ بھی سیلاب کی شکل اختیار کرکے مکہ شریف میں تباہی مچا دیتی ہے۔

تفصیلات	سنہ ھ	نمبر شمار
ایک مرتبہ جرہم کے زمانہ میں ایسا تباہ کن سیلاب آیا جس سے کعبہ شریف منہدم ہوگیا چنانچہ اسی وجہ سے جرہم کو نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑی۔	زمانہ جاہلیت	۱

Marfat.com

٢۔	زمانہ جاہلیت	خزاعہ کے زمانہ میں بھی زبردست سیلاب آیا جس میں فارۃ نامی ایک عورت ڈوب گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ سیلاب فارہ کے نام سے مشہور رہا۔
٣۔	"	علامہ ازرقیؒ نے زمانہ جاہلیت کے ایک اور سیلاب کا ذکر بھی کیا ہے مگر اس کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔
٤۔	١٧ھ	ظہور اسلام کے بعد پہلا تباہ کن سیلاب ١٧ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں آیا تھا جو "ام نہشل" کے نام سے مشہور رہا۔ کیونکہ اس میں ایک عورت ام نہشل بنت عبیدہ بن سعید بن العاص بن امیہ ڈوب گئی تھی۔ اس سیلاب میں مقام ابراہیم بھی بہہ گیا تھا جو بڑی تلاش و جستجو کے بعد محلہ مسفلہ سے دستیاب ہوا تھا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیلات اسی کتاب کی دوسری جلد "حجر اسود" کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔[1]
٥۔	٨٠ھ	خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ٨ ذی الحجہ کی صبح کے وقت زبردست سیلاب آیا اور حرم شریف میں بھی داخل ہو گیا۔ بہت سے مکانات زمین بوس ہو گئے جن کے نیچے دب کر کئی آدمی جاں بحق ہوئے۔ اکثر لوگوں نے پہاڑوں پر چڑھ کر جان بچائی جب کہ کچھ لوگ منیٰ جا چکے تھے۔

[1] اخبار مکہ ص ٢٧٥ ـــــ اعلام الاعلام ص ٧٦

Marfat.com

۶۔	سنہ ۸۸ھ	عرصہ تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تنعیم میں نماز استسقاء پڑھائی جس کے بعد موسلا دھار بارش ہوئی اور قیامت خیز سیلاب بھی آیا[1] امام طبریؒ نے اس کی تباہ کاری کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ اس سال ایسا خوفناک سیلاب آیا کہ شہر میں جس قدر حجاج اور مقامی آدمی تھے سب کو بہا کر لے گیا۔ جہاں تک اس کی رسائی ہوئی نہ تو کوئی مکان سلامت رہا اور نہ ہی کوئی دوسری چیز بچ سکی۔ سب کچھ سیلاب کی نذر ہو گیا۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام "عام الجحاف" مشہور ہو گیا تھا۔ الجحاف کے معنی بہا لے جانے کے ہیں۔ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ سیلاب اتنا شدید تھا کہ اونٹ بمعہ سامان اور سواریوں کو بہا کر لے گیا۔ کئی اونٹوں پر مرد، عورتیں اور سامان بہتے ہوئے دیکھا گیا۔ حرم میں حجر اسود تک پانی بلند ہو گیا تھا اور پورا حرم جھیل نما نظر آتا تھا۔[2]
۷۔	سنہ ۸۴ھ	اس سیلاب کے بعد ایک مرض پھیل گئی تھی اسی نسبت سے اس کا نام سیلاب مخبل مشہور ہوا۔[3]
۸۔	سنہ ۱۲۰ھ	خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں یہ سیلاب آیا تھا۔ سنہ ۱۱۹ھ میں ابی شاکر نے حج ادا کیا تھا اور اسی کے نام سے یہ سیلاب مشہور ہوا۔[4]

[1] شفاء الغرام عنوان سیلاب مکہ [2] طبری واقعات سنہ ۸۰ھ [3] "تاریخ القوام جلد ۱ عنوان سیلاب مکہ
[4] 〃 〃 〃

Marfat.com

۹۔	سنہ ۲۰۲ھ	خلیفہ مامون الرشید کے دور میں جب یزید بن محمد بن حنظلہ مکہ کا گورنر تھا۔ یہ سیلاب آیا اور گورنر موصوف کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں بہت سے لوگ جاں بحق ہوئے اور بعد میں کئی امراض پیدا ہو گئے تھے۔
۱۰۔	سنہ ۲۰۸ھ	یہ سیلاب بھی مامون ہی کے زمانہ میں آیا تھا مگر پہلے سیلاب سے کم درجہ کا تھا۔ یہ اس قدر اچانک آیا کہ لوگوں کو خبر تک نہ ہو سکی۔ حرم مٹی، کیچڑ اور پتھر وں سے بھر گیا جسے شہر کے لوگوں، حجاج اور عورتوں وغیرہ نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔
۱۱۔	سنہ ۲۲۵ھ	اس سال چاہ زمزم میں پانی اس قدر زیادہ ہو گیا کہ کنوئیں سے نکل کر حرم میں پھیل گیا اور سیلاب کی صورت اختیار کر لی تھی۔
۱۲۔	سنہ ۲۴۰ھ	اس سیلاب میں بہت سے مکان مسمار ہو گئے اور منیٰ میں مسجد خیف کو بھی نقصان پہنچا۔[۱]
۱۳۔	سنہ ۲۵۳ھ	اس سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو کر حجر اسود کے قریب تک پہنچ گیا تھا نشیبی علاقہ کے اکثر مکان منہدم ہو گئے۔ لوگوں کا بہت سامان و متاع پانی میں بہہ گیا اور حرم شریف مٹی اور کیچڑ سے بھر گیا تھا۔[۲]
۱۴۔	سنہ ۲۶۲ھ	اس سیلاب میں حرم شریف کی تمام کنکریاں پانی میں بہہ گئیں۔ اس کی بلندی حجر اسود کے قریب تک تھی اور تھوڑی دور تک مقام ابراہیم کو بھی بہا کر لے گیا تھا۔[۳]
۱۵۔	سنہ ۲۷۹ھ	اس سیلاب میں سارا حرم شریف پانی سے بھر گیا جو کعبہ شریف کے دروازہ تک پہنچ

[۱] تاریخ القویم جلد ۲ سیلاب مکہ [۲] شفاء الغرام عنوان سیلاب مکہ [۳] شفاء الغرام

Marfat.com

		گیا تھا اور چاہ زمزم بھی بھر گیا تھا۔[1]
۱۶-	۴۱۷ھ	اس سیلاب سے حرم شریف کا کتب خانہ بھی خراب ہوا اور بہت سی کتابیں تلف ہوگئیں۔
۱۷-	۴۸۹ھ	یہ سیلاب وادی النخلہ تک پہنچ گیا تھا جس کے باعث بہت سے لوگ مر گئے اور مال و متاع کا نقصان بھی ہوا
۱۸-	۵۲۶ھ	سات دن تک مسلسل بارش جاری رہی جس کے باعث بہت سے مکانات منہدم ہو گئے۔ اور لوگوں کا مالی نقصان بہت زیادہ ہوا۔[2]
۱۹-	۵۴۹ھ	بارش اور سیلاب سے اہل مکہ کو جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔
۲۰-		بارش اور شدید اولے برسے۔ وادی ابراہیم لبریز ہوگئی۔ اور اولے انڈے کے برابر موٹے تھے۔
۲۱-	۵۶۹ھ	شدید بارش کے باعث باب بنی شیبہ سے حرم شریف میں بھی پانی داخل ہو گیا۔ جو دارالامارات تک پہنچ گیا۔
۲۲-	۵۷۰ھ	اس سال بہت زیادہ بارشیں ہوئیں اور وادی ابراہیم میں پانچ مرتبہ سیلاب آیا۔[3]
۲۳-		۸۔ صفر پیر کے دن سخت طغیانی آئی اور باب ابراہیم کے دروازے کا کچھ حصہ پانی کی نذر ہو گیا۔ منبر شریف اور کعبہ شریف کی سیڑھی بھی پانی میں بہہ گئی۔

[1] شفاء الغرام [2] تاریخ القویم جلد ۲ عنوان سیلاب مکہ [3] تاریخ القویم جلد ۲ عنوان سیلاب مکہ

Marfat.com

		سیلاب اس قدر شدید تھا کہ حرم شریف میں لٹکی ہوئی قندیلوں تک پہنچ گیا۔ بہت سے مکانات بھی منہدم ہو گئے [1]
۲۴۔	سنہ ۶۲۰ھ	سیلاب کا پانی کعبہ شریف میں داخل ہو گیا جس کے باعث کعبہ شریف منہدم ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ فرما لیا۔ بہت سے لوگ ڈوب کر مر گئے اور کئی آدمی مکانات کی چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے [2]
۲۵۔	سنہ ۶۵۱ھ	مورخین نے اس کی تفصیلات کا ذکر نہیں کیا۔
۲۶۔	سنہ ۶۶۹ھ	اس صدی کا شدید ترین سیلاب تھا جمعہ کے دن ۱۴ر شعبان کو شروع ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حرم شریف میں داخل ہو گیا۔ اور ۱۵ر شعبان کی رات کے وقت سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ منبر شریف پانی پر تیر رہا تھا۔ غرقابی اور ہلاکت کے خوف سے لوگ حرم شریف میں نماز ادا کرنے بھی نہ آ سکے۔ حرم شریف میں نہ اذان ہوئی اور نہ ہی طواف کی کسی کو ہمت ہو سکی۔ البتہ اس قیامت خیز منظر میں بھی ایک اللہ کا نیک بندہ جان پر کھیل کر طواف میں مصروف رہا لوگ اس کی جرأت، شجاعت اور مردانگی پر دادِ تحسین پیش کر رہے تھے [3]
۲۷۔	سنہ ۷۳۰ھ	مکہ مکرمہ میں بارش نہ ہونے کے باوجود ندی نالوں میں سیلاب آ گیا۔ اور دو دن تک حرم شریف میں پانی کھڑا رہا [4]
۲۸۔	سنہ ۷۳۲ھ	ذی الحجہ کے آخری ایام میں سخت بارش ہوئی اور آسمانی بجلیاں بھی گریں۔ جبل ابی قبیس پر بجلی گرنے سے بہت سے آدمی لقمۂ اجل بن گئے منیٰ میں

[1] شفاء الغرام [2] تاریخ التقویم جلد ۲ [3] شفاء الغرام [4] تاریخ التقویم جلد ۲

Marfat.com

مسجد خیف پر بھی بجلی گری جس سے کچھ آدمی جاں بحق ہو گئے۔ اسی طرح جعرانہ میں بجلی گرنے سے دو آدمیوں کی موت واقع ہوئی۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ بجلی گرنے کے حادثات ہو چکے تھے۔ ۱۵۴۳ھ میں بھی حرم شریف میں بجلی گرنے سے چند مؤذن موت کا لقمہ بن گئے تھے۔[1]

۲۹- ۱۰۳۸ھ ۱۰ رجمادی الثانی بروز جمعرات زبردست سیلاب آیا اور پانی حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے اندر بھی ایک ایک بالشت تک چڑھ گیا۔ حرم میں بلند بالا قندیلوں تک پہنچ گیا تھا منبر اور کعبہ شریف کی سیڑھی خس و خاشاک کی طرح پانی میں تیر رہے تھے۔ حرم شریف کا کتب خانہ بھی متاثر ہوا۔ حرم شریف کیچڑ سے بھر گیا جسے مسلسل کئی دن تک نکالا جاتا رہا۔ ایک دوسری روایت میں اس سیلاب کی تفصیلات اس طرح مذکور ہیں۔ سیلاب حرم کے تمام دروازوں سے داخل ہوا۔ اس کی شدت کے باعث باب بنی شیبہ اور باب ابراہیم کے علاوہ بہت سے ستونوں کے گرد تقریباً گیارہ فٹ گہرے گڑھے بن گئے تھے اگر ان کی بنیادیں مضبوط اور بہت گہری نہ ہوتیں تو یقیناً سیلاب انہیں بہا کر لے جاتا۔ حرم محترم کے اکثر دروازے گر گئے۔ کعبہ شریف کے چاروں طرف چھ فٹ کے قریب پانی بلند تھا اور دہلیز کے اوپر سے پانی اندر داخل ہوا اور تقریباً $\frac{1}{2}$ ۱ فٹ پانی اندر جمع ہو گیا۔

مطاف میں بلند و بالا کھمبوں پر نصب قندیلوں کی چوٹیوں سے پانی ان میں

[1] شفاء الغرام

Marfat.com

		بھر گیا۔ بہت سے مرد اور عورتیں پانی میں ڈوب گئے۔ کئی مکانات تباہ ہو گئے اور ان کے ملبے میں دب کر بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ اگر یہ قیامت خیز کیفیت صبح تک جاری رہتی تو یقیناً سارا شہر فناہ ہو جاتا[1]
۳۰ -	۷۵۰ھ	سخت طوفان باد و باراں آیا۔ بجلیاں گریں اور مطاف میں قندیلوں کے تمام کھمبے زمیں بوس ہو گئے۔
۳۱ -	۷۷۱ھ	سخت بارش اور ژالہ باری کے باعث سیلاب آیا۔ اولے بہت بڑے بڑے تھے حرم شریف میں پانی داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا۔ تقریباً ایک ہزار آدمی ہلاک۔ ایک ہزار مکانات منہدم اور چالیس اونٹ مر گئے تھے[2]
۳۲ -	۸۰۲ھ	۸ جمادی الاول ۸۰۲ھ میں سخت بارش شروع ہوئی جو ۹ جمادی الاول کو اور بھی شدت اختیار کر گئی۔ یہ سیلاب وادی ابراہیم کی جانب رواں دواں تھا لیکن وادی اجیاد کا پانی بھی اس کے ساتھ شامل ہوا تو یہ ایک بحرِ ذخار کی صورت اختیار کر گیا۔ اور حرم شریف میں بھی داخل ہو گیا۔ حرم جھیل کی طرح نظر آتا تھا۔ پانی کی سطح سات فٹ سے بھی بلند تھی۔ کعبہ شریف کی دہلیز سے پانی ½ ۱ فٹ اونچا ہو گیا تھا۔ جس کے سبب اندر بھی داخل ہو گیا۔ کعبہ شریف کی سیڑھی بہا کر باب ابراہیم کے قریب جا پھینکی۔ اگر پہاڑ راستہ میں حائل نہ ہوتے تو خدا جانے کہاں تک لے جاتا۔ باب بجلہ کے قریب ستون خستہ حال ہو

[1] شفاء الغرام عنوان سیلاب مکہ [2] تاریخ القویم جلد ۲۔ سیلاب مکہ

Marfat.com

		گئے۔ پورے شہر میں مکانات گرنے سے تباہی مچ گئی۔ بہت سے لوگ ملبے میں دب کر ہلاک ہو گئے۔ بے اندازہ مال و اسباب برباد ہوا۔ حرم شریف میں رکھے ہوئے قرآن مجید بھی سیلاب کی ستم ظریفی سے نہ بچ سکے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی تو لوگوں کے کانوں میں اذان کی آواز پڑی لیکن ساتھ ہی اعلان ہوا کہ حرم شریف کیچڑ سے اٹا پڑا ہے۔ راستے سخت خطرناک ہیں لہٰذا نماز اپنے گھروں میں ادا کی جائے۔ یہی کیفیت نماز جمعہ تک قائم رہی۔ خطبہ جمعہ منبر پر پڑھنا ممکن نہیں تھا۔ مسجد کے شمالی جانب رکن یمانی کی سمت کچھ آدمی دوروز سے رکے ہوئے تھے اسی جگہ خطبہ پڑھا گیا اور مختصر سی جماعت سے نماز جمعہ ادا ہوئی۔[1]
۳۳۔	سنہ ۸۱۴ھ	ظہر کے وقت سیلاب شروع ہوا اور نہر زبیدہ کا بند بھی ٹوٹ گیا تھا۔
۳۴۔	سنہ ۸۲۵ھ	۲۷ ذی الحجہ ہفتہ کے دن صبح کی نماز کے بعد اچانک بارش شروع ہوئی اور سیلاب کا پانی حرم میں داخل ہو کر باب کعبہ کی دہلیز تک پہنچ گیا اور کعبہ شریف کی سیڑھی کو باب الحزورہ کے قریب جا پھینکا۔[2]
۳۵۔	سنہ ۸۲۷ھ	۲ جمادی الاوّل نماز عصر کے بعد بارش شروع ہوئی دوسرے دن مغرب کے بعد اور بھی شدّت اختیار کر گئی۔ شمالی دروازوں سے پانی حرم میں داخل ہو کر حجرِ اسود تک پہنچ گیا۔ حرم شریف میں کوڑا بہت زیادہ جمع ہو گیا۔ بعد میں پانی خشک ہونے پر بڑی مشکل سے صاف کیا گیا۔[3]

[1] شفاء الغرام۔ سیلاب کعبہ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

٣٦۔	سنہ ٨٣٨ھ	حرم شریف میں پانی داخل ہو کر باب کعبہ کے قریب پہنچ گیا۔ تقریباً ایک ہزار مکانات منہدم ہو گئے۔
٣٧۔	سنہ ٨٣٨ھ	اسی سال دوبارہ سخت سیلاب آیا۔ جس نے حرم میں داخل ہو کر زمزم کے چبوترہ کا دروازہ گرا دیا اور آٹھ سو مکانات کو نقصان پہنچایا تھا۔
٣٨۔	سنہ ٨٦٥ھ	سیلاب حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کی دہلیز تک پہنچ گیا۔
٣٩۔	سنہ ٨٦٧ھ	موسلادھار بارش کے بعد شدید طغیانی آئی اور حرم کے شمالی اور مشرقی سب دروازوں سے پانی اندر داخل ہو گیا۔ جس میں کعبہ شریف کا دروازہ بھی دو فٹ تک ڈوب گیا۔
٤٠۔	سنہ ٨٧١ھ	اس مرتبہ بھی سیلاب نے خوب تباہی مچائی۔ حرم شریف، کعبہ شریف اور چاہ زمزم میں پانی بھر گیا۔
٤١۔	سنہ ٨٨٠ھ	اس سیلاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جاہلیت اور اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا سیلاب تھا صرف حرم شریف کے اندر ١٠٠۔ آدمی ڈوب کر جاں بحق ہوئے دیگر تباہی اس کے علاوہ تھی
٤٢۔	سنہ ٨٨٣ھ	١٥۔ اور ٢٣ر رمضان کو سخت بارش کے بعد دو مرتبہ سیلاب آیا۔
٤٣۔	سنہ ٨٨٧ھ	٤ر ذیقعدہ کو انتہائی شدید بارش ہوئی اور اس کے بعد سیلاب آگیا جس میں لاتعداد انسان ہلاک اور بے شمار مکانات تہس نہس ہو گئے۔
٤٤۔	سنہ ٨٨٨ھ	سیلاب سے بہت نقصان ہوا۔
٤٥۔	سنہ ٨٩٥ھ	سیلاب حرم میں داخل ہو گیا اور حجر اسود تک پانی بلند ہو گیا۔ کئی مکانات تباہ ہو گئے۔

Marfat.com

۴۶۔	سنہ ۸۹۷ھ	شدید بارش کے بعد سیلاب آیا جو حرم میں بھی داخل ہو گیا۔
۴۷۔	سنہ ۹۰۰ھ	سیلاب اتنا شدید تھا کہ حرم شریف میں داخل ہو کر حجرِ اسود تک بلند ہو گیا اور بہت سا مالی نقصان بھی ہوا۔
۴۸۔	سنہ ۹۰۱ھ	شدید بارش کے بعد سخت سیلاب آیا جو حرم میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا اور حرم کی قندیلیں پانی میں ڈوب گئیں۔
۴۹۔	سنہ ۹۲۰ھ	سیلاب حرم میں داخل ہو گیا جس کے باعث مطاف کی قندیلیں ڈوب گئیں چاہ زمزم بھی بھر گیا اور باب کعبہ تک پانی پہنچ گیا۔
۵۰۔	سنہ ۹۳۱ھ	زبردست ژالہ باری اور بارش ہوئی لوگوں نے اولے جمع کر لیے جو کئی دن تک محفوظ رہے۔
۵۱۔	سنہ ۹۷۱ھ	سیلاب اتنا شدید تھا کہ کعبہ شریف کے تالہ تک پانی پہنچ گیا۔ اور ایک دن رات تک مطاف میں پانی کھڑا رہا۔
۵۲۔	سنہ ۹۸۳ھ	زبردست سیلاب آیا جو حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالہ تک پہنچ گیا۔ ایک دن رات پانی مطاف میں کھڑا رہا جس کی وجہ سے سات نمازیں جماعت سے ادا نہ ہو سکیں۔ امیر المعظم احمد بک نے خدام حرم اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر مسفلہ کی طرف راستہ بنا کر پانی نکالا۔ بعد میں حرم کو صاف کر کے دھویا اور کعبہ شریف کو بھی اندر سے غسل دیا۔
۵۳۔	سنہ ۹۸۴ھ	یہ سیلاب بھی باب کعبہ تک پہنچ گیا تھا۔
۵۴۔	سنہ ۹۸۹ھ	منیٰ کے قیام کے دوران شدید بارش کے بعد ہر جانب سے سیلاب آ گیا۔ جس میں حجاج کا کافی مال و متاع غرقاب ہو گیا تھا۔

Marfat.com

۵۵۔	سنہ ۱۰۰۹ھ	سخت بارش ہوئی اور زبردست سیلاب آیا۔
۵۶۔	سنہ ۱۰۱۹ھ	شدید بارش کے بعد سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہوگیا۔
۵۷۔	سنہ ۱۰۲۱ھ	بارش کے ساتھ بڑے وزنی اولے پڑے اور سیلاب بھی آیا۔
۵۸۔	سنہ ۱۰۲۴ھ	اس سیلاب میں بہت سے مکانات گر گئے۔
۵۹۔	سنہ ۱۰۳۳ھ	۷ر جمادی الثانی کو بارش ہوئی اور سخت سیلاب آیا جس کا پانی حجر اسود تک بلند ہوگیا۔
۶۰۔	سنہ ۱۰۳۹ھ	مکہ مکرمہ اور گرد و نواح میں بہت زیادہ بارش ہوئی اتنی شدید بارش عرصہ دراز سے نہیں ہوئی تھی جس کے بعد زبردست سیلاب آیا اور پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا۔ کعبہ شریف بھی پانی سے بھر گیا۔ پانی کی سطح مطاف کی قندیلوں تک بلند تھی ایک ہزار کے قریب لوگ ہلاک ہوئے۔ اسی سیلاب میں کعبہ شریف بھی منہدم ہوا جس کی تعمیر سلطان مراد خان نے کرائی (اس کی تفصیل تاریخ مکۃ المکرمہ حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیے)
۶۱۔	سنہ ۱۰۵۳ھ	۹ ذی الحجہ یعنی حج کے دن عرفات میں شدید بارش ہوئی اور ندی نالوں میں طغیانی آ گئی۔ حجاج کرام شام کو مزدلفہ نہ جا سکے حتیٰ کہ رات کے آخری حصہ میں جب پانی میں کمی ہوئی تو بڑی مشکل سے لوگ مزدلفہ پہنچے۔
۶۲۔	سنہ ۱۰۵۵ھ	سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہوگیا اور باب کعبہ سے ۱½ فٹ اونچا تھا۔ اسی طرح چاہ زمزم کا چبوترہ تقریباً چھ فٹ پانی میں ڈوب گیا البتہ کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔
۶۳۔	سنہ ۱۰۷۳ھ	اس سیلاب کا پانی بھی حرم شریف میں داخل ہو کر باب کعبہ کے نصف سے بھی اونچا ہو گیا تھا۔

Marfat.com

۶۴-	سنہ ۱۰۸۱ھ	یہ سیلاب بھی حرم شریف میں داخل ہوا اور باب کعبہ تک پہنچ گیا۔
۶۵-	سنہ ۱۰۹۰ھ	اس سیلاب سے بہت زیادہ مالی نقصان ہوا۔
۶۶-	سنہ ۱۰۹۱ھ	سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا اور کعبہ شریف نصف تک پانی میں ڈوب گیا۔ کئی اونٹ سامان سمیت سیلاب نے بہا کر حرم شریف میں جا پھینکے سیلاب میں ڈوب جانے کے خوف سے ایک سو پچاس آدمی معلاۃ کی جانب ایک اخروٹ کے درخت پر چڑھ گئے لیکن سیلاب اس قدر شدید تھا کہ وہ درخت بھی جڑ سے اکھڑ گیا اور بہتا ہوا باب صفا تک جا پہنچا۔ پانچ ہزار حیوان بھی اس میں ہلاک ہوئے۔
۶۷-	سنہ ۱۱۰۸ھ	شدید بارشوں کے باعث سیلاب کا پانی باب کعبہ کے قریب پہنچ گیا۔
۶۸-	سنہ ۱۱۵۳ھ	سخت سیلاب آیا جو باب کعبہ تک پہنچ گیا۔
۶۹-	سنہ ۱۱۵۹ھ	ذی الحجہ کے ایام تشریق میں سخت بارش ہوئی جب کہ حجاج منیٰ میں تھے۔ رات کے آخری حصہ میں بارش ہوئی اور اس قدر سخت اندھیرا تھا کہ پاس والی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔
۷۰-	سنہ ۱۲۰۸ھ	سخت سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا۔
۷۱-	سنہ ۱۲۴۲ھ	اس سیلاب سے نہر زبیدہ کو نقصان پہنچا۔
۷۲-	سنہ ۱۲۷۸ھ	شدید بارش کے باعث نماز فجر کے وقت اچانک سیلاب آگیا۔ اور حرم شریف میں داخل ہو گیا جس میں قندیلیں بھی ڈوب گئیں۔ چاہ زمزم بھی بھر گیا۔ اور پانچ وقت کی جماعت بھی حرم شریف میں نہ ہو سکی۔ حرم شریف کے اندر اور باہر بہت سے لوگ سیلاب کی نذر ہو گئے۔

Marfat.com

۷۳.	۱۲۹۳ھ	بارش کے بعد سیلاب آیا مگر زیادہ نقصان نہیں ہوا۔
۷۴.	۱۳۲۵ھ	۲۱ ذی الحجہ کو سخت بارش ہوئی اور مکہ شریف کے چاروں طرف ندی نالے سمندر کی صورت اختیار کر گئے۔ حرم شریف کے تمام دروازوں سے سیلاب اندر داخل ہو گیا۔ اونٹ اور کجاوے پانی میں کشتیوں کی طرح تیر رہے تھے۔
۷۵.	۱۳۲۷ھ	اس سیلاب کی نسبت عباس حلمی پاشا خدیو جو مصری حاکم تھا اس کی طرف ہے جس کی وجہ سے سیلاب کا نام "سیل خدیو" ہے جب کہ موصوف حج سے فارغ ہو کر مدینہ شریف جا چکا تھا۔ ۲۳ ذی الحجہ کو سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا۔ اور تقریباً گیارہ فٹ پانی جمع ہو گیا۔ مطاف میں کیچڑ اور مٹی بہت زیادہ جمع ہو گئی۔ اس سیلاب سے نہر زبیدہ بھی متاثر ہوئی اور شہر میں پانی کی سپلائی بند ہو گئی۔
۷۶.	۱۳۲۸ھ	یہ سیلاب وادی نعمان کی جانب سے بڑی تیزی کے ساتھ آیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا۔
۷۷.	۱۳۳۰ھ	یہ بھی وادی نعمان کی جانب سے آیا تھا۔
۷۸.	۱۳۳۵ھ	اس سال محرم اور شعبان میں دو مرتبہ سیلاب آیا۔
۷۹.	۱۳۴۴ھ	یہ سیلاب بھی وادیِ نعمان کی طرف سے آیا تھا۔
۸۰.	۱۳۵۰ھ	ساڑھے تین گھنٹے کی موسلا دھار بارش کے بعد وادیِ ابراہیم میں سخت سیلاب آیا جو مطاف میں تقریباً پانچ فٹ کی بلندی پر تھا۔ مکانات اور مال و متاع کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔
۸۱.	۱۳۶۰ھ	ماہ ربیع الاول میں ایک دن صبح کے وقت بارش شروع ہوئی جو سارا دن جاری

Marfat.com

		رہی اور عصر کے بعد اور بھی شدت اختیار کر گئی جس سے سیلاب آگیا اور حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے دروازہ تک پانی چڑھ گیا۔ جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ نماز اور طواف سے لوگ معذور ہو گئے۔ حرم شریف اور سڑکیں مٹی، کیچڑ اور کوڑا کرکٹ سے بھر گئیں۔
۸۲۔	سنہ ۱۳۷۹ھ	اس سال حرم محترم کی توسیع کا کام جاری تھا کہ سخت بارش شروع ہو گئی جس سے سیلاب آگیا مگر کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں ہوا۔
۸۳۔	سنہ ۱۳۸۲ھ	بارش کی کثرت سے سیلاب آیا لیکن کوئی نقصان نہیں ہوا۔
۸۴۔	سنہ ۱۳۸۴ھ	۵ر شعبان بدھ کے دن عصر کے قریب بارش شروع ہوئی اور مسلسل کئی گھنٹے تک موسلادھار ہوتی رہی۔ کافی شدید طغیانی بھی آئی مگر کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔[1]
۸۵۔	سنہ ۱۳۸۸ھ	مولانا محمد داؤد صاحب مدظلہ (ٹیکسلا راولپنڈی) اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حج سے تقریباً ایک ہفتہ بعد زبردست بارش ہوئی اور سیلاب آگیا سیلاب کا ریلا اتنا تیز تھا کہ بہت سی کاریں بھی بہا کر لے گیا۔ وہ کاریں پانی کے نکاسی والے نالے میں جا پھنسیں اور پانی رک کر حرم میں داخل ہو گیا جس کے باعث حرم جھیل کی مانند جل تھل نظر آتا تھا مطاف میں پانی کی سطح تقریباً ۴ فٹ بلند تھی۔ زمزم کا کنواں پانی سے لبریز ہو گیا۔ اور قرآن مجید پانی پر تیر رہے تھے بعض لوگوں نے بڑی جرأت سے تیر کر قرآن مجید باہر نکالے جو لوگ حرم شریف میں تھے ان کا باہر نکلنا ناممکن ہو گیا۔ اس کے باوجود طواف

[1] تاریخ القدیم جلد ۲ عنوان سیلاب مکہ

Marfat.com

کرنے والے ایمانی جرأت کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ اس خوفناک سیلاب میں بھی تیر کر طواف کعبہ میں مصروف تھے جب بارش تھم گئی اور سیلاب کا زور ٹوٹ گیا تو لوگوں نے مطاف اور حرم شریف کو صاف کیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ زمزم کا کنواں جو غلیظ پانی سے بھر گیا تھا اسے بجلی کی موٹر سے صاف کرنے کی میونسپلٹی کے عملے نے سر توڑ کوشش کی۔ مگر وہ موٹر چلانے میں بری طرح ناکام رہے متعدد موٹریں بھی جل گئیں مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک پاکستانی انجینئر (جو گوجرانوالہ کا رہنے والا تھا) بڑی دیر سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ اس نے بارہا درخواست کی کہ مجھے موٹر چلانے کی اجازت دی جائے۔ میں فوراً آپ کا کام کر دوں گا۔ مگر منتظمین نے ایک نہ سنی۔ جب وہ سخت مجبور ہوئے اور متعدد موٹریں بھی جل گئیں تو انہوں نے بامر مجبوری پاکستانی حاجی کو اجازت دی۔ جس نے فوراً موٹر اسٹارٹ کر دی اور میونسپلٹی کے عملے نے کام شروع کر دیا۔

چونکہ حج کے فوراً بعد سیلاب آیا تھا اور زمزم کا کنواں بھی متاثر ہوا تھا اس لئے اکثر حجاج زمزم کا تحفہ اپنے ساتھ وطن لانے سے محروم رہے۔

۸۶ | ۱۳۸۹ھ | حاجی محمد یوسف صاحب چاہ میراں لاہور اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء مطابق ۱۳۸۹ھ بدھ کے دن صبح کے وقت تقریباً پون گھنٹہ موسلا دھار بارش ہوئی اور حرم شریف جل تھل ہو گیا۔ مطاف میں قرآن مجید کی الماریاں کشتی کی طرح پانی پر تیر رہی تھیں۔

Marfat.com

سیلاب کی روک تھام کے لئے بند کی تعمیر

جیسا کہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ کعبۃ اللہ اور مکہ شہر بیسیوں مرتبہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا نشانہ بنے۔ اگرچہ سیلاب کی روک تھام اور رُخ تبدیل کرنے کی کوششیں بھی جاری رہیں۔ مگر وہ دیرپا ثابت ہو سکیں۔ پہلا بند خزاعہ نے تعمیر کیا تھا۔ اور بعد میں کئی مرتبہ بند باندھے گئے خزاعہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ شدید سیلاب آیا جس میں ایک مرد اور ایک عورت جاں بحق ہو گئے مرد کی شناخت تو نہ ہو سکی البتہ عورت کا نام فارہ تھا جو قبیلہ بنو بکر کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد عنیزہ بنت خزاعہ نے کعبہ شریف کی حفاظت کے لئے ایک پشتہ تعمیر کر دیا۔ لیکن شہری آبادی پہاڑوں اور ندی نالوں کے کنارے تھی جس کی حفاظت کی چنداں ضرورت نہیں تھی[1]

۱۷ھ میں زبردست سیلاب آیا جو مقام ابراہیم بھی بہا کر لے گیا تھا۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ شریف اور شہر کی حفاظت کے لئے "المدعا" یعنی مردہ کے قریب ایک نہایت مضبوط اور محکم بند باندھا۔ اس زمانہ میں منٰی، جبل حراء اور الحجون کی طرف سے سیلاب آتا اور مدعا سے حرم میں داخل ہو جاتا تھا۔ اس وقت یہ جگہ بہت گہری تھی۔ یہ بند بڑی بڑی چٹانوں، سنگ ریزوں اور مٹی سے اس قدر مضبوط بنایا گیا تھا کہ ۱۸۵ سال تک بالکل صحیح حالت میں قائم رہا۔ بالآخر ۲۰۲ھ میں سیلاب کی نذر ہو گیا۔

اس کا تباہ شدہ منظر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنی بڑی اور وزنی چٹانیں ہم نے کبھی نہیں دیکھیں[2]

---

[1] تاریخ القویم جلد ۴ صہ ۲۰۴ [2] اعلام الاعلام صہ ۷۶

Marfat.com

جب بند تعمیر ہوگیا تو سیلاب نے اپنا رخ شمال کی طرف کر لیا۔ حالانکہ اس سے پہلے مدعا مسعی اور باب السلام کی جانب سے حرم شریف میں داخل ہوکر تباہی مچا دیتا تھا۔ ۱۱۷۶ھ سے ۱۳۴۱ھ تک بند والی جگہ اس قدر اونچی ہوچکی ہے کہ اب پانی سوق اللیل سے گذر کر حرم کے جنوب سے مسفلہ کی طرف چلا جاتا ہے۔ سیلاب کے اس قدیم راستہ کو وادی ابراہیم کہا جاتا تھا۔[۱]

جمادی الاول ۱۳۹۸ھ مطابق اپریل ۱۹۷۸ء میں سعودی حکومت نے سیلاب کی روک تھام کے لئے ستر کروڑ ریال سے ایک عظیم منصوبہ شروع کیا تھا جس کے بعد شہر اور حرم سیلاب کی آفت سے محفوظ ہوگیا ہے۔

مکّہ مشرفہ کے ہسپتال

مکہ مکرمہ میں خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں کوئی باقاعدہ ہسپتال نہیں تھا۔ البتہ شریف حسین بن علی کے دور میں جیاد اور المدعا میں دو ہسپتال قائم ہوتے۔ پہلے کا نام مستشفیٰ اجیاد اور دوسرا مستشفی القبان کے نام سے مشہور تھا۔ ان دونوں میں تقریباً پانچ اطباء کام کرتے تھے اور تمام امراض کا تسلی بخش علاج ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں مروہ کے قریب ایک چھوٹی ڈسپنسری "حسنین" کے نام سے تھی۔ اس کے بعد "قاعۃ الشفا" کے نام سے ایک دوکان حرم شریف کے قریب باب القطبی اور باب الباسیطہ کی جانب شروع کی گئی۔ ان کے علاوہ کچھ پنسار کی دوکانیں بھی تھیں جہاں عرق اور بعض دوسری جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ ادویات اور ہندی گولیاں ملتی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں بعض ہندوستان کے اطبا بھی تھے جہاں یونانی طریق علاج جڑی بوٹیوں

---

[۱] تاریخ التقویم جلد ۲ صفحہ ۲۰۷

Marfat.com

سے کیا جاتا تھا چونکہ آبادی بہت تھوڑی تھی اس لئے مذکورہ علاج کا نظام کافی تھا لوگ ان ادویات پر حسنِ عقیدت رکھتے تھے اور توکل علی اللہ کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ علاوہ ازیں امراض بھی زیادہ نہیں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں شفا سے نوازتے تھے۔

جب سعودی حکومت کے دور میں آبادی بڑھنے لگی عمرانی ترقی اپنے عروج کو پہنچ گئی اور مختلف ممالک سے لوگوں کی آمد میں اضافہ ہوا جس کی وجہ سے طرح طرح کے امراض پھیل گئے۔ چنانچہ حکومت نے مختلف ممالک سے مغربی طریق علاج کے ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کیں بہت سے ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں جن میں زود اثر انگریزی ادویات کا انتظام کیا گیا سب سے بڑا اور عالیشان ہسپتال جرول میں "مستشفی الزاہر" ہے۔ جس میں ہر مرض کے بہت سے سپیشلسٹ ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔ اور ہزاروں مریض ہر روز ادویہ حاصل کرتے ہیں۔ بیرونی مریضوں کے لئے صاف ستھرے بستروں کا انتظام ہے۔ حج کے دنوں میں بے پناہ ہجوم ہو جاتا ہے۔ محلہ جیاد میں بھی اسی نوعیت کا ہسپتال ہے۔

ان کے علاوہ ہر محلہ میں ڈسپنسریاں بھی ہیں۔ ڈاکٹر بڑی دیانتداری اور جاں فشانی سے کام کرتے ہیں۔ ان ہسپتالوں میں یہ بات انتہائی قابلِ تعریف ہے کہ عورتوں کے لئے پردہ کا معقول انتظام ہے۔ اس حصہ میں ڈاکٹر سے لے کر چپڑاسی تک سارا عملہ عورتوں پر مشتمل ہے مردوں کو اس طرف جانے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔ البتہ سنگین امراض میں مرد ڈاکٹروں سے تعاون حاصل کیا جاتا ہے۔

مریضوں کے لئے مکسچر اور پیکوڈ ادویات پلاسٹک کی شیشیوں میں بندی جاتی ہیں سعودی ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کے علاوہ ہر مسلم حکومت حج کے ایام میں حجاج کے لئے تقریباً ہر محلہ میں ڈسپنسریاں قائم کرتی ہے۔ یہ انتظامات اور حسنِ کارکردگی کے اعتبا

Marfat.com

سعودی ہسپتالوں کو فوقیت حاصل ہے۔

سعودی حکومت نے صحت وصفائی کا انتہائی معقول اور مؤثر انتظام کیا۔ انہیں حجاج زوّار اور مقامی آبادی سب کی صحت کا یکساں خیال اور پاس لحاظ ہے۔ تمام امراض کی دیکھ بھال اور متعدی امراض کی روک تھام کے لئے خصوصی انتظامات کئے ہیں۔ وزارت صحت دو خاص بنیادی اصولوں پہ کاربند ہے۔

احتیاطی تدابیر (PREVENTIVE HYGINE) اور ادویات (MEDICA TION)

ملک کے ہر باشندے، زائرین اور حجاج کا بلا امتیاز اور بلا معاوضہ علاج کیا جاتا ہے۔ ادویہ قیمتی اور عمدہ دی جاتی ہیں۔ زچہ بچہ کی نگرانی کے لئے علیحدہ ہسپتال قائم ہیں۔ وزارت تعلیم نے مدارس کے طلبہ و طالبات کے علاج معالجہ کے لئے بھی ہسپتال قائم کئے ہیں (جو یونیورسٹی کے اندر اور اسکولوں کے احاطہ میں الگ بنائے گئے ہیں) گشتی شفاخانے بھی حج کے موقعہ پر حاجیوں کی خدمات انجام دیتے ہیں۔

مؤلف روڈ ٹو مکہ (ROAD TO MECCA) نے کنگ ڈم آف سعودی عرب (KINGDOM OF SAUDIARABIA) کے حوالہ سے لکھا ہے۔ سعودی عرب کا ہر شہری ہسپتال میں اپنا معائنہ کرا سکتا ہے اور اسے جو ادویات ضرورت ہوں وہ بالکل مفت مہیا کی جاتی ہیں۔

اسی طرح عالمی ادارہ صحت کے ڈائرکٹر نے ۱۹۶۲ء میں بارہویں عالمی کانفرنس منعقدہ ریاض کے موقعہ پر کہا تھا۔ کہ سعودی حکومت میں صحت کا معیار خاصا بلند اور اطمینان بخش ہے۔ صحت یا علاج کی سہولتیں ملکی باشندوں کے علاوہ لاکھوں حجاج کو بھی مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ دنیا کے ممالک کو صحت وصفائی کی مثال پیش کرنے کیلئے ایام حج نہ صرف مثالی ہیں بلکہ صحت وصفائی کا اعلیٰ معیار قائم کرنے میں پوری دنیا میں ممتاز ہیں۔[۱]

---

[۱] شہرہ مکہ ص ۲۳۲

Marfat.com

پرنٹنگ پریس

قدیم زمانہ میں اہل علم حضرات خطاطی کے فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور ہر فن کی کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں بھی علم کا تمام ذخیرہ قلمی تھا لیکن ہاتھ سے لکھنے میں جہاں وقت زیادہ خرچ ہوتا تھا وہاں مالی اخراجات بھی بہت زیادہ ہوتے تھے علاوہ ازیں علم کی ترویج اور تدریس کے لئے کسی کتاب کے ایک نسخہ سے کام چلانا بھی ممکن نہیں تھا۔ بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے متعدد کتابوں کی ضرورت تھی۔ مثلاً کافیہ جو علم نحو کی مشہور اور چھوٹی سی کتاب ہے اگر اسے ہاتھ سے لکھوایا جائے پھر اس کی تصحیح کرائی جائے تو کم از کم ایک مہینہ خرچ ہوتا ہے۔ اگر مدرسہ میں پچاس طلباء ہوں تو انہیں پچاس کتابیں ضرورت ہوں گی اگر اتنی ہی تعداد کاتبوں کی ہو تو وہ ایک ماہ میں پچاس کتابیں لکھیں گے۔ اور اگر ایک کاتب ہو تو پچاس ماہ یعنی ۴ سال ۲ ماہ کی مدت دراز میں اتنی تعداد میں کتابیں لکھ سکے گا۔ پھر ایک کاتب جو ایک ماہ میں ایک کتاب لکھے گا اسے مہینہ بھر کی ضروریات کے لئے اجرت بھی اسی قدر یا کچھ زائد درکار ہوگی۔ کیونکہ وہ اتنے عرصہ میں کتابت کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

اور یہی طرز عمل ماضی میں کاتبوں کا تھا۔

کاتبوں کے مختلف طبقات تھے بعض کاتب صرف قرآن مجید اور حدیث شریف کی کتابت کرتے تھے اور اس میں انہیں بہت زیادہ مہارت تھی۔ بعض سیرت النبیؐ اور آپ کے اوصاف حمیدہ پر مشتمل کتابوں کے مخصوص کاتب تھے۔ اسی طرح بعض کاتب قدیم اور جدید شعراء کے دیوان اور قصائد لکھنے میں ممتاز تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے بادشاہوں، وزراء، امراء اور رؤسا کی خدمت کے لئے اپنے فن کو مخصوص کر رکھا تھا اور ۱۳۴۲ھ جو خلافت اسلامیہ ترکیہ کا آخری دور تھا اس میں کچھ کاتبوں نے شاہی فرامین اور احکامات کی کتابت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ ایسے کاتبوں کو صرف اجرت ہی نہیں ملتی تھی بلکہ سلطانی انعامات و اکرامات سے بھی نوازا جاتا تھا جس سے ان کی اولاد در اولاد آسودہ حال ہو جاتی تھی۔ اور اگر کوئی کاتب کسی بادشاہ کی خدمت میں قرآن مجید لکھ کر پیش کرتا تو اسے اس قدر انعام ملتا جو ساری زندگی کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ لیکن جب اسلامی اور غیر اسلامی تمام ممالک میں پریس کے ذریعہ کتابت شروع ہوئی تو مصنفین اور مؤلفین پریس سے کتابیں چھپوانے لگے۔ ہر ملک کے لوگ اپنی زبانوں عربی، فارسی، اردو، ترکی، جاوی، سریانی، عبرانی، لاطینی، فرانسیسی، المانی اور انگریزی وغیرہ میں طباعت کرانے لگے۔

پریس کی ایجاد سے جہاں کام میں سہولت، طباعت میں نفاست اور اخراجات میں کمی جیسے بہت سے فوائد حاصل ہوئے مگر اس کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ خطاطی کا فن یکسر ختم ہو گیا۔ پہلے ہر ملک میں لوگوں کے خط انتہائی عمدہ اور خوبصورت تھے۔ بڑی بڑی کتابیں وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے لیکن پریس کی سہولت ہونے کے بعد ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر پڑھی بھی نہیں جا سکتی۔

Marfat.com

۱۴۷۱ھ میں المانیہ میں پریس ایجاد ہوا۔ لیکن قرآن مجید عربی رسم الخط میں پہلی مرتبہ ۱۱۱۳ھ میں المانیہ کے شہر ہمبرگ میں طبع ہوا تھا جو اب بھی مصر کے دار الکتب میں محفوظ ہے بعد ازاں ۱۵۱۶ھ میں اٹلی کے بندقیہ پریس میں دوسری مرتبہ قرآن مجید طبع ہوا۔ اس وقت تک کسی اسلامی ملک میں پریس کا انتظام نہیں تھا۔

اٹلی میں جب پریس نے کام شروع کیا تو بعض علماء کرام نے اس میں اسلامی مطبوعات کو ممنوع قرار دے دیا جس کے باعث لوگوں نے مطبوعہ کتب خریدنے سے اجتناب کیا۔ پھر جب سلطان احمد ثالث کے عہد سلطنت میں ترکی میں پریس نے کام شروع کیا تب مشائخ نے قرآن مجید کے سوا دوسری اسلامی کتب کی طباعت کے جواز کا فتویٰ دیا۔ سلطان محمود غزنوی کے دور میں پریس کے کام میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔

۱۱۲۹ھ میں عربی کی پہلی کتاب "صحاح الجوہری" طبع ہوئی۔ اسی سال شیخ الاسلام نے عبداللہ آفندی کے پریس سے غیر اسلامی کتابوں کی طباعت کا فتویٰ بھی دیا۔ بعد ازاں ۱۱۴۱ھ میں طباعت میں بہت فروغ ہوا۔ لغت، ادب اور تاریخ کی کتابیں عربی، ترکی، اور فارسی زبانوں میں طبع ہونے لگیں۔ پریس کی منفعت کے پیش نظر علماء نے دینی کتابوں کی طباعت اور مشین کے ذریعہ قرآن مجید کی جلد بندی کا فتویٰ صادر فرمایا۔

۱۲۷۱ھ میں ٹیونس کے بادشاہ محمد پاشا بائی نے اپنے ملک میں پریس درآمد کیا۔ ۱۶۹۸ھ میں پہلی مرتبہ حلب میں پریس نصب ہوا۔ ۱۷۳۳ھ میں لبنان میں پہلی مرتبہ "قزحیا" پریس نے سریانی طباعت کا کام شروع کیا۔ پھر عربی طباعت بھی شروع کردی۔ ۱۷۵۳ھ میں جاور جیوس نے بیروت میں "مطبعۃ القدیس" قائم کیا۔ بعد ازاں مالطہ میں ۱۸۲۲ھ میں المطبعۃ الامیرکیتہ قائم ہوا۔ جو ۱۸۳۴ھ میں بیروت میں منتقل ہوگیا۔ پھر ۱۸۴۸ھ میں المطبعۃ الکاثولیکیتہ نے

Marfat.com

بھی کام شروع کیا۔ اس وقت طباعت کا کام پتھروں پہ کیا جاتا تھا۔ عربی، انگریزی، یونانی، سریانی عبرانی اور آرمینی زبانوں کی طباعت حروف کے ذریعے ہونے لگی۔

۱۷۹۸ء میں پہلی مرتبہ "مطبعۃ الحملۃ الفرنساویہ" قائم کیا جہاں عربی رسائل اور کتب طبع ہوتی تھیں۔ ۱۸۰۱ء میں قاہرہ میں "المطبعۃ الاھلیہ" شروع ہوا۔ اس کے بعد بیس سال تک پریس کا کام موقوف رہا۔ پھر ۱۸۲۱ء میں محمد علی پاشا والی مصر نے اسی پریس کو دوبارہ شروع کرنے کا حکم دیا۔ بعد میں یہ پریس "مطبعۃ بولاق" کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ یہ قاہرہ میں ولاق کی جانب لگایا گیا تھا۔ اور ۱۸۲۲ء میں عربی میں قاموس ایطالی کی طباعت ہوئی۔ یہ پریس تقریباً ۹ سال تک قائم رہا۔ دنیا میں عربی مطبوعات کا یہ سب سے بڑا پریس تھا۔ بعد میں یہی پریس المطبعۃ الامیریۃ کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ جس کی حسین وجمیل مطبوعات آج پورے عالم اسلام میں موجود ہیں۔

۱۳۰۳ھ میں عثمان پاشا نوری والی حجاز نے خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں پہلی بار مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے قریب محلہ جیاد میں ایک چھوٹا سا پریس لگایا۔ جو مذکورہ بالا مطبعۃ الامیریہ کی ایک شاخ تھی جس کا نام "مطبعۃ ام القریٰ" رکھا گیا۔ جو بعد میں "مطبعۃ الحکومۃ" کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر جب سعودی حکومت کا آفتاب حجاز میں طلوع ہوا تو اس پریس کو بہت زیادہ ترقی دی گئی۔

۱۳۲۷ھ میں الشیخ محمد ماجد الکردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ذاتی اخراجات سے محلہ الفلق میں "المطبعۃ الماجدیۃ" کے نام سے پریس لگایا جس میں بہت سی کتابیں طبع ہوئیں مکہ شریف میں یہ دوسرا پریس تھا۔ ۱۳۴۵ھ میں الشیخ محمد صالح نے المطبعۃ السلفیہ قائم کیا جو بعد میں فروخت کردیا۔ ایک پریس "المطبعۃ العربیہ" اخبارات ورسائل کی اشاعت کے لئے لگایا گیا۔ جس میں اخبار "صوت الحجاز" کی طباعت ہونے لگی۔

Marfat.com

۱۳۷۳ھ میں اہل مکہ کے بعض مخیر حضرات نے "مطابع الندوہ" قائم کیا۔ اس کے بعد استاد صالح محمد جمال نے ایک پریس سٹیشنری کی طباعت کے لئے لگایا۔ پھر الاستاذ احمد سباعی نے "مطبعۃ قریش" قائم کیا۔ ۱۳۶۸ھ میں "مطبعۃ مصحف مکۃ المکرمۃ" نے کام شروع کیا۔ علاوہ ازیں "مطبعۃ الوفا المحمدیۃ" شیخ عبدالرحیم اینڈ برادرز اور "المطبعۃ الوطنیۃ" الشیخ عبداللہ کردی نے لگایا۔ اس وقت متعدد پریس کام کر رہے ہیں جن میں مقامی کام عمدگی سے کیا جا رہا ہے۔

اخبارات و رسائل

ذرائع ابلاغ میں اخبارات وجرائد بھی انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ ملکی، ملی، مذہبی اور سیاسی ہر ایک موضوع سے روشن خیال اور اہل علم حضرات ہر وقت تازہ حالات سے باخبر رہنے کے لئے اخبار بینی کی ضروریات زندگی میں شمار کرتے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں علی الصبح ہر آدمی اخبار دیکھنے کا عادی ہے پھر اس ایٹمی اور مشینی دور میں نئی ایجادات، تجربات، انکشافات اور حادثات کی اطلاعات سے آگاہی سلطنتوں اور مملکتوں کے قوانین و آئین کا جزو لازمی بن گئی ہے۔ علاوہ ازیں اخبارات ملک وملت اور حکومت کے فکری۔ نظری۔ تمدنی اور اقتصادی نظام اور صحافت و ثقافت کا آئینہ دار ہوتے ہیں چنانچہ دوسرے ممالک اور ہر بڑے شہر کی طرح مکہ مشرفہ بھی جو کہ نوّے کروڑ مسلمانوں کی توجہات کا مرکز اور پوری دنیا میں سب سے بڑی اجتماع گاہ ہے۔ گردو پیش کے باشندوں کے علاوہ اسلامیانِ عالم کو اس مقدس شہر کے احوال و حالات سے روشناس کرنے کے لئے اخبارات وجرائد کی اشاعت میں کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہے۔ ہم قارئین کی خدمت میں مکہ معظمہ کے بعض اخبارات وجرائد کے اجراء اور نظام کی تفصیل پیش کرتے ہیں:۔

Marfat.com

کچھ عرصہ قبل مکہ مکرمہ میں اخبارات اور رسائل کی درآمد اور طباعت کا سلسلہ شروع ہوا روزنامہ البلاد السعودیہ اور الندوہ جو پہلے "جریدہ حراء" اور "جریدۃ ام القریٰ" کے نام سے شائع ہوتا تھا یہی اخبار شریف حسین والی مکہ کے زمانہ میں "جریدۃ القبلۃ" کے نام سے موسوم تھا۔ اسی طرح "مجلۃ المنہل"۔ "مجلۃ الحج" اور جریدۃ قریش بھی شائع ہوتے تھے۔

۱۳۸۱ھ میں جدہ سے شائع ہونے والے چند اخبار پورے ملک میں تقسیم ہوتے تھے مگر بعد میں مکہ مکرمہ سے بھی کچھ اخبار شائع ہونا شروع ہو گئے۔

جریدۃ ام القریٰ۔ جریدۃ الندوہ۔ مجلۃ الحج

عربی زبان میں سب سے پہلا اخبار ۱۷۹۹ء میں قاہرہ سے "الحوادث الیومیۃ" کے نام سے شائع ہوا۔ پھر ۱۸۵۸ء میں "حدیقۃ الاخبار" کے نام سے لبنان۔ ۱۸۵۶ء میں دمشق سے "سوریا" ۱۸۶۹ء میں عراق سے "الزورا"۔ ۱۸۶۹ء میں یمن سے "صنعاء" اور ۱۹۰۴ء میں فلسطین سے "النفیر العثمانی" جاری ہوا۔

الشیخ رشیدی کی تحقیق کے مطابق مکہ مشرفہ میں وارد ہونے والا سب سے پہلا ہفت روزہ اخبار "الحجاز" تھا جو عربی اور ترکی دونوں زبانوں میں چھپتا تھا۔ یہ اخبار ۱۳۰۱ھ میں جاری ہوا اور ۱۳۳۴ھ تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ لیکن خلافت عثمانیہ ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی اشاعت بند ہو گئی۔ یہ اخبار چار صفحات کا تھا۔ احمد جمال آفندی۔ احمد حقی آفندی اور الشیخ محمود شلوب کے اشتراک سے مطبعۃ الامیریہ سے شائع ہوتا تھا۔

۱۳۲۷ھ میں مکہ مکرمہ سے روزنامہ "شمس الحقیقۃ" کی اشاعت شروع ہوئی جس کا ہفتہ وار ایڈیشن عربی اور ترکی میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے مدیر مسئول محمد توفیق مکی اور نائب مدیر ابراہیم ادہم تھے۔ جو جمعیۃ الاتحاد والترقی مکہ کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد

Marfat.com

اس کی اشاعت بند ہوگئی۔

خلافت عثمانیہ میں تعلیم وتدریس کی کمی کے باعث جہالت کا دور دورہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں صرف ایک ہی مدرسہ تھا جس کی بنا پر اخبارات کے شائقین بھی تھوڑے سے تھے۔ لیکن خلافت عثمانیہ کے بعد سعودی حکومت کو جب استقلال نصیب ہوا تو تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ ثقافت وصحافت کو فروغ اور ترقی سے ہمکنار کیا گیا۔

چنانچہ ۱۰ رجمادی الاوّل ۱۳۴۳ھ میں ملک عبدالعزیز آل سعود کے عہد میں اخبار "اُم القریٰ" کی اشاعت شروع ہوئی جس کے پہلے مدیر الاستاذ الشیخ یوسف یاسین تھے۔ پھر استاذ رشیدی ملحس پھر محمد سعید عبدالمقصود، استاذ عبدالقدوس انصاری اور آخر میں الاستاذ الطیب الساسی مقرر ہوئے۔

۱۳۴۷ھ میں ایک ماہنامہ جاری ہوا۔ جو دینی اور اخلاقی مضامین کا مجلہ تھا جس کی ادارت کی خدمات الاستاذ محمد حامد الفقھی انجام دیتے تھے لیکن ۱۳۴۹ھ میں اس کی اشاعت ختم ہوگئی۔

۱۳۵۰ھ میں الشیخ محمد صالح نے اخبار "صوت الحجاز" شروع کیا جس کے مدیر الاستاذ عبدالوہاب آشی تھے۔ ان کے بعد استاذ احمد ابراہیم الغزاوی، السید حسن الفقھی، محمد سعید العاموری محمد حسن عواد، احمد السباعی، محمد علی رضا اور محمد علی مغربی وغیرہ ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۳۵۴ھ میں یہ اخبار "شرکۃ الطبع والنشر العربیۃ" کے زیر اہتمام ہفتہ وار نکلنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد ہفتہ میں دو مرتبہ شائع ہونے لگا۔ لیکن چند سال جنگ کی وجہ سے کاغذ نایاب ہونے کے باعث بند رہا۔ پھر ۱۳۶۵ھ میں یہی اخبار ہفتہ وار "البلاد السعودیۃ" کے نام سے الاستاذ عبداللہ عریف کی زیر ادارت دوبارہ شروع ہوگیا۔ جو بعد میں ہفتہ میں دو مرتبہ اور کچھ عرصہ بعد ہفتہ میں تین مرتبہ شائع ہونے لگا۔ اور بالآخر ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ کو روزنامہ کی حیثیت سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس اخبار نے صحافت وثقافت عربی کا صحیح حق ادا کیا۔ ہر طبقہ کے لوگ صبح سویرے

Marfat.com

اسے پڑھنے کے منتظر رہتے۔ ملکی اور غیر ملکی خبریں پورے وثوق کے ساتھ شائع کرتا۔

۱۳۵۵ھ میں اخبار "المنہل" مدینہ منورہ سے استاذ عبدالقدوس الانصاری کی ادارت میں شروع ہوا۔ جس نے علم و ادب میں بہت جلد شہرت اور قبولیت حاصل کر لی۔ اور ۱۳۵۶ھ میں مکہ مکرمہ سے بھی شائع ہونے لگا۔ یہ اخبار سرکاری تھا جو حکومت سعودیہ کی پوری ترجمانی کرتا تھا۔

رجب ۱۳۶۶ھ میں ماہنامہ "مجلۃ الحج" کی اشاعت شروع ہوئی۔ ابتدا میں کئی سال الاستاذ السید ہاشم زواوی ایڈیٹر رہے۔ پھر ۱۳۸۰ھ میں علامہ طاہر کردی مؤلف تاریخ القویم (دامت برکاتہم) بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔ یہ رسالہ حج اور حجاج سے متعلق مضامین کے علاوہ بلند پایہ اسلامی، ادبی اور علمی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔

اس وقت عکاظ اور البلد کثیر الاشاعت روزنامے اور جریدہ ام القریٰ ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔

کتب خانے

مکہ مکرمہ میں مذہبی، ادبی، عربی کتب، اخبارات، رسائل اور عصری کتابیں حرم شریف کے قریب چند دکانوں پر فروخت ہوتی تھیں۔ باب السلام کبیر، باب السلام صغیر، باب زیادہ، باب ابراہیم، باب العمرہ اور باب دریبہ کے ساتھ ساتھ کتب خانے پائے جاتے تھے۔ لیکن حرم شریف کی توسیع کے باعث بہت سی دکانیں اور مکانات منہدم کرنے پڑے جس کے باعث یہ کتب خانے شہر کے مختلف بازاروں میں منتقل ہو گئے۔

ان کتب خانوں میں مختلف ممالک کے مطبوعہ قرآن مجید، تفاسیر، احادیث، فقہ اور تمام علوم اسلامیہ، تاریخ اور فنون کے علاوہ دیگر رسائل بھی فروخت ہوتے ہیں۔ لیکن سٹیشنری کا سامان

Marfat.com

ان دکانوں پر نہیں ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ قبل حسب ذیل کتب خانے پائے جاتے تھے۔

۱۔	مکتبۃ المعارف	شیخ احمد سعید حلوانی	صفا کے قریب
۲۔	مکتبۃ العرابی	شیخ عبداللہ عرابی	"
۳۔	المکتبۃ التجاریہ	شیخ نبیل مصطفٰے الباز	"
۴۔	مکتبۃ دار التعاون	شیخ عباس احمد الباز	مروہ کے قریب
۵۔	مکتبۃ میرو	شیخ مصطفٰے میرو	"
۶۔	مکتبۃ الثقافۃ	شیخ صالح محمد جمال	سوق اللیل
۷۔	مکتبۃ النهضۃ الحدیثۃ	شیخ عبدالشکور خدا	"
۸۔	مکتبہ مرزا	شیخ عبدالعزیز مرزا و اولادہٗ	مروہ کے قریب
۹۔	مکتبۃ السلفیہ	شیخ صالح الباز و اولادہٗ	قشاشیہ میں
۱۰۔	مکتبۃ النهضہ	شیخ علی الباز و اولادہ	صفا کی جانب
۱۱۔	المکتبۃ العلمیہ	شیخ عبدالفتاح خدا و اولادہٗ	باب السلام کے قریب
۱۲۔	مکتبۃ التقدم العلمیۃ	شیخ عبدالحمید خدا	صفا کے قریب

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں اکثر کتب خانے مروہ اور باب العمرہ کے درمیان واقعہ بازار میں منتقل ہو چکے ہیں۔ اور سوق اللیل میں ایک مکتبہ محلہ جیاد میں مستشفی اجیاد کے عقب میں اور دو کتب خانے محلہ شبیکہ میں بھی واقع ہیں۔

لہ تاریخ القویم جلد ۲ صہ ۱۳۸

Marfat.com

مکتبۃ التجاریہ یہ مروہ کے بالکل قریب واقع ہے۔

مکتبہ مرزا " "

مکتبۃ النہضۃ الحدیثہ۔ اس وقت باب العمرہ الصغیر کے بالکل سامنے۔ اس مکتبہ کے مالک عبدالشکور خدا نے تاریخ القویم شائع کی ہے۔ اور اس کے دائیں مکتبۃ الفکر العربی اس کے ساتھ مکتبۃ تقدم العلمی اس کے دائیں جانب مکتبہ امدادیہ واقعہ ہے۔ ایک کتب خانہ باب عمرہ کے سامنے اور دو مروہ کی جانب ہیں۔ اس طرح پورے بازار میں سات کتب خانے پائے جاتے ہیں:

فونٹن پین کا استعمال

قدیم زمانہ میں لکھائی کے لئے نرکل (بانس) کی قلم اور کالی سیاہی استعمال ہوتی تھی۔ یہ طریقہ نہ صرف عمومی تھا بلکہ شاہی محلات میں سرکاری اور تجارتی دفاتر میں بھی یہی رواج تھا۔ البتہ کتابوں کے مؤلفین کالی اور سرخ دو رنگہ سیاہی استعمال کرتے تھے۔ سرخ سیاہی جو عموماً شنگرف سے بنائی جاتی تھی۔ عنوانات، ابواب۔ فصول اور مخصوص نشانات کے لئے استعمال ہوتی اور کالی سیاہی سے بقیہ مضامین لکھے جاتے تو اس بنا پر ہر پڑھے لکھے آدمی کے پاس ایک قلمدان ہوتا جس میں دوات اور قلمیں رکھی جاتی تھیں۔

۱۳۳۰ھ کی پہلی عالمی جنگ کے بعد حجاز میں فونٹن پین کا استعمال شروع ہوا جب کہ ۱۳۳۴ھ میں مکہ شریف میں درآمد کیا گیا۔ اور اس کے لئے مختلف رنگوں کی سیاہی بھی درآمد کی گئی۔ سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر کے علاوہ تقریباً ہر آدمی نے اس کا استعمال شروع کر دیا جس کے باعث وہ قدیم زمانہ کی قلمیں اور دواتیں بالکل غائب ہوگئیں۔

البتہ اب بھی خطاط ان قلموں اور کالی سیاہی کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ طریقہ نہ صرف بشمول

Marfat.com

مکہ مکرمہ حجاز کے تمام شہروں میں اپنایا گیا بلکہ دنیا بھر میں اسے پذیرائی حاصل ہوئی۔

فونٹن پین کی عمدہ سے عمدہ اقسام اچھے داموں دستیاب ہیں اور بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ حجاج بھی بطور یادگار وہاں سے خرید لاتے ہیں۔

نظام مواصلات

سعودی عرب میں رسل و رسائل اور نقل و حمل کا نظام اونٹ، خچر اور گھوڑے، گدھے وغیرہ پر مبنی تھا۔ لیکن آج عصر جدید کی سائنسی ایجادات۔ ریل، تار، فون اور وائرلیس وغیرہ سے پوری طرح استفادہ کیا جا رہا ہے۔

سعودی وزارت مواصلات چار اہم شعبوں پر مشتمل ہے۔

ڈاک خانہ جات۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف۔ تعمیر و اصلاح شاہرات۔

ڈاک خانہ پیغام رسانی کا قدیم ذریعہ صرف "خط و کتابت" تھا۔ اور اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے سرور دو عالم ہادی کل ختم رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے بادشاہوں کی طرف نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔ اور اس کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈاک کا نظام قائم کیا۔ لیکن اس دور میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈاک لے جانے کے لئے خچر، گھوڑے اور گدھے استعمال کئے جاتے تھے۔ بعض اوقات اونٹ سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ ان جانوروں کی رفتار سست ہونے کی وجہ سے ہر ۲۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک مخصوص مکان بنایا گیا جس تک ایک جانور ڈاک پہنچا دیتا اور اس جگہ سے آگے دوسرا جانور ڈاک لے جاتا تھا۔

مثلاً مکہ مکرمہ سے جدہ جانے والی ڈاک ایک جانور مکہ سے لے کر روانہ ہوتا اور ۲۳ کلومیٹر کی مسافت طے کر کے "الشمیسی" کے مقام پر پہنچا دیتا۔ پھر وہاں سے دوسرا جانور ۲۳ کلومیٹر

Marfat.com

تک لے جاتا اور اس جگہ سے تیسرا جانور اسے جدۃ تک پہنچاتا تھا۔اس طرح ۹۶ کلومیٹر کا فاصلہ تین جانور طے کرتے تھے۔یہی طریقہ تمام شہروں تک ڈاک پہنچانے کا تھا۔لیکن اس طرح نامہ وپیام پہنچانے میں بہت زیادہ وقت خرچ ہوتا تھا۔اس لئے جنگ اور بعض دوسرے اہم مواقع میں جہاں خط جلدی پہنچانا مقصود ہوتا تو یہ خدمت خاص قسم کے سکھائے ہوئے کبوتروں سے لی جاتی۔ان کی اڑان بڑی تیز ہوتی تھی۔ایک دن میں تقریباً ۵۰۴۰ کلومیٹر مسافت طے کرتے تھے۔مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ۴۹۷ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ان شہروں میں یہ کبوتر دن میں دس مرتبہ ڈاک پہنچا سکتے تھے۔کبوتروں کی اس قابل قدر وصف کی بنا پر ان کی قیمت بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔جو سونے کی سات سو اشرفیوں سے لے کر ایک ہزار اشرفی تک ہوتی تھی۔اسی طرح ان کے دو انڈوں کی قیمت بیس اشرفیاں تھی۔یہ کبوتر پیدائشی طور پر سیکھے ہوئے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی تعلیم وتربیت کے لئے بھی خاص قسم کے آدمی مقرر ہوتے جو ان کی رہائش کے لئے عمدہ اور ہوادار جگہ بناتے۔

اگرچہ سائنسی ایجادات نے ان کی ضرورت واہمیت کو بالکل ختم کر دیا ہے مگر اس کے باوجود آج بھی بعض ممالک میں یہ کبوتر سرکاری طور پر پالے جاتے ہیں ان کی پوری طرح نگہداشت کی جاتی ہے جس طرح متعدد دوسرے عجائبات کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح ان کی حفاظت کا بھی پوری طرح اہتمام کیا جاتا ہے۔مصر۔شام اور عراق کے علاوہ بعض مغربی ممالک میں آثار قدیمہ کی طرح ان کی نگرانی کی جاتی ہے۔

مکہ مکرمہ میں ڈاک کا نظام خلافت عثمانیہ ترکیہ میں کافی ترقی کر چکا تھا۔جدّہ۔طائف مدینہ منورہ اور بعض دوسرے شہروں کو ہر روز ڈاک روانہ ہوتی تھی۔عملہ انتہائی دیانتدار اور امانت دار تھا۔ڈاک ہی کے ذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا انتظام بھی کیا گیا۔اس وقت کا سکہ

Marfat.com

ریال اور اشرفیاں سونے اور چاندی کی ہوتی تھیں جب نقدی زیادہ ہوتی تو دو ایک آدمی حفاظت کے لئے مزید ساتھ بھیجے جاتے تھے۔ سعودی حکومت میں ۱۳۴۷ھ تک یہی طریقہ رائج رہا۔ اس کے بعد موٹروں کے ذریعہ ڈاک بھیجنے کے انتظامات کئے گئے۔ پھر اندرون اور بیرون ملک ہوائی جہازوں کے ذریعہ ڈاک بھیجی جانے لگی۔

خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں ڈاک خانہ کے نظام کو "البوسنہ" کہا جاتا تھا۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ مگر اس وقت یہ نظام بڑا تکلیف دہ اور مشکل تھا۔ خط کی ترسیل میں بہت زیادہ وقت ضائع ہوتا تھا۔ دور جدید میں ڈاک اور تار وغیرہ کا نظام پہلی مرتبہ "الاسعاف الخیری" نے قائم کیا۔

ابتدا میں خط پر کوئی ٹکٹ وغیرہ نہیں لگایا جاتا تھا لیکن شریف حسین بن علی کے دور میں ٹکٹ لگانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر سعودی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں ٹکٹ پر یہ عبارت درج ہوتی تھی "سلطنتہ نجد و الحجاز" لیکن کچھ عرصہ بعد "المملكة العربية السعودية" لکھا جانے لگا۔

مکہ شریف میں سعودی عہد میں پہلا بڑا ڈاک خانہ محلہ "القشاشية" میں قائم ہوا جس کے پوسٹ ماسٹر الشیخ عبداللہ کاظم تھے۔ ۱۳۷۹ھ میں اسے "عمارة الاشراف محلہ جیاد" میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں اس کے شعبہ جات میں اضافہ کیا گیا اور کارکردگی کو بہتر بنایا گیا۔ لیکن یہاں سے بھی منتقل کر کے "سوق المعلاة" میں ایک بلند و بالا اور عالیشان عمارت میں تبدیل کر دیا گیا (جہاں آج (محرم الحرام ۱۴۰۰ھ میں) بھی موجود ہے۔

۱۳۸۵ھ تک تقریباً پندرہ ڈاک خانہ جات مختلف محلوں میں قائم تھے۔ مثلاً قشاشیہ جیاد، مسفلہ، شبیکہ اور جرول وغیرہ۔ ایام حج میں منیٰ میں بھی ڈاک کا انتظام کیا جاتا ہے

Marfat.com

مکہ مکرمہ کے ڈاک خانہ جات میں تار اور ٹیلیفون کا محکمہ شامل ہوتا ہے۔

ایام حج میں جب کہ ساری دنیا کے لاکھوں فرزندانِ توحید جمع ہو جاتے ہیں تو خطوط کی تعداد حجاج کی تعداد سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے ۔ ۱۳۸۴ھ میں ایام حج میں صرف ایک دن کی ڈاک میں دو ہزار خطوط مختلف ممالک سے حجاج کے نام آئے ہیں جن میں بھارت۔ پاکستان انڈونیشیا۔ مصر، چند مغربی ممالک اور عرب ممالک شامل تھے۔

اس وقت یعنی محرم ۱۴۰۰ھ میں جہاں ڈاک خانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا ہے وہاں ڈاک تقسیم کرنے کا انتظام بھی قابلِ تعریف ہے ۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں دارِ ارقم کے اوپر صفا کے قریب ایک ڈاک خانہ تھا۔ لیکن سڑک کی توسیع کے باعث وہاں سے سوق اللیل میں منتقل کر دیا گیا۔

مقامی لوگوں کے خطوط ص ب (صندق البرید) یعنی پوسٹ بکس کے نمبر پر جاتے ہیں۔ جب کہ حجاج کی ڈاک معلم کی معرفت جاتی ہے۔ معلم لکڑی کے ایک ڈبہ میں خطوط رکھ دیتے ہیں۔ جہاں سے حجاج اپنے اپنے خط تلاش کر لیتے ہیں۔ ایام حج میں مکہ مکرمہ کے ڈاک خانوں سے ٹکٹ والے لفافے یا ایروگرام بہت تھوڑی تعداد میں دستیاب ہوتے ہیں البتہ ٹکٹ بکثرت مل جاتے ہیں لیکن ٹکٹ حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خط لکھ کر سادہ لفافہ میں بند کر کے اس پر پتہ لکھیں اور پھر ڈاک خانہ میں وہ خط دکھا کر ٹکٹ حاصل کر لیں۔ اس طرح ایک خط ہو یا زیادہ ان کے لئے ٹکٹ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ ورنہ صرف ٹکٹ نہیں ملتے۔ اب تو مشین کے ذریعہ ٹکٹ کی مہر بھی لگائی جاتی ہے ہر ملک کے لئے ٹکٹ کی قیمت مختلف ہے۔ سعودی عرب سے پاکستان کے لئے دس قرش تقریباً دو روپے کا ٹکٹ لگتا ہے۔ جب کہ پاکستان میں سعودی عرب کے لئے ایرگرام ۷۵ پیسے کا اور لفافہ ۸۵ پیسے جاتا ہے۔

Marfat.com

ٹیلیگرام ٹیلیگرام کا نظام ۱۸۳۲ء میں تین مغربی باشندوں صاموبل مورس مسٹر رونالڈز اور ولیم فوڈکیا نے ایجاد کیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس نظام میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آج پوری دنیا میں یہ نظام جاری ہے۔

مکہ مکرمہ میں خلافت عثمانیہ ترکیہ کے دور سے یہ نظام قائم ہے۔ مگر اس وقت اس سے اتنا زیادہ فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ عموماً جنگی خبروں اور خاص معاملات میں تار کا استعمال ہوتا تھا۔ لیکن جب سعودی سلطنت میں ہر ایک چیز میں ترقی ہوئی تو یہ محکمہ بھی بہت زیادہ مقبول ہوا۔ اور اس کی حسن کارکردگی سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

ٹیلیفون ۱۸۷۶ء میں پہلی مرتبہ ٹیلیفون گسندربل نے ایجاد کیا۔ اس سے لوگوں کو ہر معاملہ میں بے حد سہولت اور بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوا۔ مکہ مشرفہ میں خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں ٹیلیفون نصب ہو چکے تھے۔ شریف حسین بن علی والی حجاز کے زمانہ میں مکہ شریف میں تقریباً ۲۰ ٹیلیفون کام کر رہے تھے۔ لیکن ۱۳۴۳ھ میں جب سعودی حکومت قائم ہوئی اور پوری مملکت میں ہر شعبہ میں بے انتہا ترقی ہوئی تو ہر سرکاری دفاتر، تجارتی مراکز، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں ٹیلیفون نصب کئے گئے۔ اور ۱۳۸۵ھ تک تقریباً ۵۰۰۰ ٹیلیفون لگ چکے تھے۔ کیونکہ اب مکہ شریف کی آبادی کے ساتھ ساتھ اقتصادی، تمدنی اور عمرانی ترقی بھی عروج کو پہنچ چکی ہے۔

یہ سلسلہ روز بروز ترقی پذیر ہے۔ آج محرم الحرام ۱۴۰۰ھ میں مکہ مکرمہ کے تقریباً تمام مکانات اور دکانوں میں ٹیلیفون لگے ہوئے ہیں اور کئی مقامات پر لوکل کال آفس بنے ہوئے ہیں حرم شریف میں بھی ایک لوکل کال آفس موجود ہے۔ اور مؤذن کے چبوترہ میں بھی فون نصب ہے۔

Marfat.com

مکہ میں موٹر گاڑیوں کی آمد

اونٹوں سے موٹر کار تک

عرب کے اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے عالمی شہرت رکھتے تھے خصوصاً حجاز کے شہروں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں انتہائی عمدہ نسل اور طاقت ور قسم کے تھے۔ کیونکہ سفر، تجارت اور حج کے لئے بھی استعمال ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان جانوروں کی افادیت اور اہمیت کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ [1]

اور ہم نے تمہارے لئے جانور پیدا کئے ان میں جوڑے بھی ہیں۔ ان میں کتنے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے ان سے عزت ہے۔ جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو اور تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ جہاں تک تم سخت دقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے اور زینت کے لئے گھوڑے۔ خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور جو تم نہیں جانتے وہ بھی پیدا کرتا ہے۔

---

[1] سورۃ النحل پ ۱۴ آیت ۵ تا ۸

Marfat.com

اہل حجاز اور خصوصیت سے حرمین شریفین کے لوگ اونٹ، گھوڑے اور گدھے بڑے انس اور دل لگی سے پالتے تھے۔ ان کی خوراک، پانی اور راحت کا بہت خیال رکھتے۔ البتہ خچر ان شہروں میں بہت ہی تھوڑی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ کیونکہ یہ جانور پہاڑی علاقوں میں زیادہ وزنی سامان کے پہنچانے کے لئے یا پھر جنگ وجدال میں دشمن کے مقابلہ میں پہاڑوں پر سامان لے جانے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔

اونٹ اور گھوڑوں سے اہل عرب کو اس قدر پیار اور لگاؤ تھا کہ جس طرح وہ اپنے خاندانوں اور قبیلوں کی پشتوں اور نسلوں کو جانتے تھے اسی طرح ان جانوروں کے آباء و اجداد کے نام اور پوری پوری نسلوں سے واقف تھے۔ ان جانوروں کی سواری کے لئے بھی ان کے کچھ قواعد وضوابط بھی تھے۔

دور دراز سفر کے لئے جن اونٹوں پر سواری کی جاتی تھی انہیں "الرکائب، النجائب اور ہجن کہا جاتا تھا۔ ان پر اکثر ایک ہی آدمی سوار ہوتا تھا۔ اور کبھی ضرورت کے وقت دوسرے آدمی کو سوار کرنا ہوتا تو وہ اس کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھتا۔ اس پر چند ضروری ہلکی اشیاء کے سوا زیادہ بوجھ نہیں لادا جاتا تھا۔ اس بنا پر دوسرے اونٹوں کی نسبت اس کی رفتار بھی تیز ہوتی تھی۔ جن اونٹوں پر زیادہ وزن ہوتا اس پر دو، تین آدمی بھی ہودج پر سوار ہو جاتے۔ اور بعض اونٹ صرف مال برداری کے لئے استعمال کئے جاتے۔ ان پر کوئی آدمی سوار نہیں ہوتا تھا ان کی رفتار بھی کم ہوتی۔ ایسے اونٹ جدہ سے مکہ مکرمہ تک دو راتوں میں سفر طے کرتے۔ دن کے وقت گرمی سے بچنے کے لئے راستہ میں "بحرۃ" کے مقام پر آرام کرتے اور دوسری رات سفر کر کے صبح مکہ پہنچ جاتے۔

اس طرح وہ مال متاع کی نقل وحمل اور سفر میں ان جانوروں سے کام لیتے تھے۔ یہی

Marfat.com

طریقہ تقریباً پوری دنیا میں رائج تھا۔ یہاں تک کہ ۱۳۰۰ھ ہجری میں ریل گاڑیاں ۔ موٹر گاڑیاں اور ہوائی جہازوں کے دور کا آغاز ہوا۔ بنابریں ہر ملک میں اونٹوں، گھوڑوں اور گدھوں کی جگہ بتدریج ان نئی مضبوط اور تیز رفتار سواریوں سے کام لیا جانے لگا۔

ایک زمانہ تھا کہ اہل عرب شتربانی کے سوا کچھ جانتے تک نہیں تھے اور حج کے مہینوں میں ہزاروں اونٹ مکہ مکرمہ میں جمع ہو جاتے تھے تاکہ حجاج کرام کو مناسک حج کی ادائیگی کے لئے اپنے شہر سے مکہ معظمہ اور پھر منیٰ، مزدلفہ اور عرفات لے جائیں اور لے آئیں۔ مناسک حج سے فارغ ہونے کے بعد حجاج کو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرائیں۔ اس طرح جہاں حجاج کو سفر طے کرنے میں آسانی ہوتی وہاں شتربانوں کی روزی کا ایک معقول ذریعہ بھی تھا۔

چنانچہ مکہ مکرمہ کی تھوڑی سی آبادی، تنگ اور دشوار گذار راستوں میں حجاج کے ساتھ ساتھ اونٹوں کا بھی بے پناہ ہجوم ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے سب ہی وہاں سما جاتے۔

حجاز کے شہروں میں جب موٹر گاڑیاں چلنا شروع ہوئیں تو ان کی آواز کی دہشت سے اونٹ بدکنے لگے اور شہروں میں ان کا چلنا محال ہو گیا۔ علاوہ ازیں نئی سواریوں کے فوائد کے پیش نظر شہر میں آباد لوگوں نے اونٹ رکھنا چھوڑ دئیے اور موٹریں خرید لیں۔ اس طرح وہ ہزاروں لاکھوں اونٹ بدوؤں کے ساتھ بادیہ وصحرا اور پہاڑی علاقوں میں چلے گئے جہاں بدو ان پر سواری کرتے، سامان لادتے اور ان کا گوشت کھاتے۔

سنہ ۱۳۴۰ھ میں مکہ مکرمہ کی سرزمین میں جو پہلی موٹر گاڑی آئی وہ ہندوستان کے ایک رئیس تاجر کندوانی نے شریف حسین بن علی امیر مکہ کو بطور تحفہ پیش کی تھی۔ مگر شریف حسین نے اسے بہت کم استعمال کیا کیونکہ وہ گھڑ سواری کا شائق تھا اور مکہ شریف کے ناہموار

Marfat.com

اور تنگ راستے گاڑی کے لئے کارآمد بھی نہیں تھے۔

۱۳۴۳ھ میں جب حجاز پر جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کی حکومت قائم ہوئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے حجاز کی ریت کے ذرّوں سے تیل کے سمندر جاری کر دیئے جس سے اہل حجاز کی کایا پلٹ گئی اور تیل کی دولت نے سعودی حکومت کو عرب کی تمام حکومتوں سے زیادہ دولت مند بنا دیا۔

حکومت نے تمدّنی اور عمرانی ترقی پر بہت زیادہ توجہ دی۔ سڑکیں کشادہ اور پختہ بنائی گئیں۔ شہروں کی حالت دن بدن بہتر ہونے لگی۔ ہر آدمی کے پاس دولت کی فراوانی ہو گئی۔

۱۳۴۶ھ میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدّہ کے لئے مغربی ممالک سے گاڑیاں درآمد کرنے کی غرض سے ایک کمپنی بنائی گئی۔ اس کے بعد گاڑیوں کے کئی اور تجارتی ادارے اور مراکز قائم ہوئے اور حکومت نے بھی درآمدی لائسنس جاری کر کے اس کام کی حوصلہ افزائی کی۔ بہت سی اقسام، مختلف اور دیدہ زیب رنگ کی لاتعداد گاڑیاں درآمد ہونے لگیں۔ اب تو حکومت کے ہر شعبہ، ہر دفتر اور ہر آدمی کے پاس گاڑی موجود ہے۔

۱۳۷۳ھ میں جب ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کا انتقال ہوا تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اونٹوں اور گھوڑوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شہر کی سڑکوں پر ہر جانب تیز رفتار اور آرام دہ گاڑیاں چلتی نظر آتی تھیں۔ اس طرح حجاج کرام کو بھی سفر کی سہولتیں میسر آئیں۔

۱۳۸۰ھ کے بعد مکہ مشرفہ میں بہت کثرت سے گاڑیاں استعمال ہونے لگیں ان کی کثرت سے اور سفر کی سہولت کے باعث حجاج کرام کی تعداد میں بھی ہر سال بے پناہ اضافہ ہونے لگا۔

یہ کیفیت تو ۱۳۸۵ھ تک کی بیان کی گئی ہے۔ جب کہ اس کے بعد گاڑیوں کی

Marfat.com

تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ مکہ میں کوئی گھر بمشکل ایسا ہوگا جن کے ہاں موٹر کار نہ ہو بلکہ امیر گھرانوں میں گھر کے ہر فرد کے لئے علیحدہ علیحدہ کار ہوتی ہے۔ اس وقت نہ صرف اہلِ مکہ موٹر گاڑیوں اور کاروں میں سفر کی سہولت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں بلکہ تمام زائرین اور حجاج کرام بھی ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

کرایہ پر چلنے والی ٹیکسیاں اس قدر اعلیٰ معیار کی ہیں جن میں سفر کرتے ہوئے احساس تک نہیں ہوتا۔ ٹیوٹا، کرونا، مزدہ، ڈاٹسن اور مرسنڈیز وغیرہ مارک I - II بطور ٹیکسی چل رہی ہیں۔ اندرون شہر دو تین ریال یعنی تقریباً ۸ - ۵ یا ۷ - ۸ روپے عام کرایہ ہے۔ اور مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ فی کس ۱۰ ریال تک۔ البتہ حج کے دنوں میں کرایہ میں خاصا اضافہ ہو جاتا ہے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گورنمنٹ ۱۲ یا ۱۴ ریال پرائیویٹ ٹیکسیاں ۲۰ سے ۴۰ ریال اور ایرکنڈیشنڈ گاڑیاں جو ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء کو شروع ہوتی ہیں ۴۰ سے ۷۰ ریال تک وصول کرتی ہیں۔ سٹیشن ویگن جنہیں اہلِ مکہ علیاب کہتے ہیں کا کرایہ ۳۰ ریال ہے۔ مگر یہ کرائے متعین نہیں ہیں حج کے ایام میں ان میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس وقت دو بڑی ٹرانسپورٹ کمپنیاں پائی جاتی ہیں

الشرکہ الاھلیہ اور النقل الجماعی

Marfat.com

باب ہفتم

تہذیب و تمدّن

مکّہ کی تہذیبی و تمدنی ارتقا
دنیا کے لئے قابلِ رشک ہے۔

Marfat.com

- زبان
- لباس
- معاشرت
- پیشہ
- صنعت وحرفت
- عمرانی ترقی

Marfat.com

زبان

مکّہ مشرفہ کے یوم تاسیس سے آج تک وہاں عربی زبان بولی جاتی ہے۔ جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ اس سنسان بیابان میں فروکش ہوئے تو تھوڑے ہی عرصہ بعد قبیلہ بنو جرہم پانی کی جستجو میں وہاں آکر آباد ہوگیا۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی تھی۔ جب کہ جرہم عربی بولتے تھے۔ ان کے اختلاط سے آپ نے بھی عربی سیکھ لی اور پھر عربی اس مقدس شہر کی اصل زبان قرار پائی اور اسے ایسی پذیرائی نصیب ہوئی کہ ربّ کائنات نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید کو بھی اسی زبان میں نازل فرمایا۔ اور امام المرسلین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب زبان بھی یہی تھی۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کے بعد بنو اسماعیل قرب وجوار کے تمام ممالک کی مروجہ زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے اور بغیر کسی ترجمان کے گفت وشنید کرتے تھے۔ کیونکہ ان سے نسلی تعلق کے علاوہ تجارتی روابط بھی تھے چنانچہ مسیحی مورخ جرجی زیدان لکھتا ہے۔

"بنو اسماعیل قربتِ وطن کے باعث گردوپیش کے تمام متمدن بلاد کی زبان جانتے تھے۔

Marfat.com

مثلاً سامی جو اس زمانہ میں تلفظ اور معنی میں عربی سے ملتی جلتی تھی۔ کلدانی۔ اشوری۔ عبرانی۔ حبشی اور فینیقی وغیرہ زبانوں میں انہیں گفتگو کرنے میں کسی ترجمان کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔[۵]"

فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے عربی نے دنیا میں ایسا قابلِ رشک مقام حاصل کیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور پھر شہری باشندوں کی نسبت دیہاتی لوگوں کی زبان بہت زیادہ فصیح اور خالص ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے زمانۂ قدیم کے امراء اور رؤسا اپنے شیرخوار بچوں کی پرورش کا انتظام دیہات میں کرتے تھے۔ تاکہ زبان پر پوری طرح عبور حاصل ہو جائے۔ اسی دستور کے مطابق آقائے نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بچپن سیدہ حلیمہؓ کے ہاں شہر سے بہت دور دیہات میں بسر فرمایا تھا۔

چونکہ شہر مختلف زبان بولنے والے لوگوں کی آمد و رفت کا مرکز ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی زبان غلط ملط ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ کے لوگ عربی النسل اور عربی اللسان ہونے کے باوجود آج دنیا کی مختلف زبانوں کا اثر قبول کر چکے ہیں۔ عام لوگوں کی بول چال اور گفتگو میں بکثرت ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو عربی لغت اور قواعد کے بالکل خلاف ہیں۔

عصر حاضر میں عربی دو اقسام پر مشتمل ہے۔ "فصیحہ" اور "عامیہ" "فصیحہ انتہائی فصیح و بلیغ زبان ہے یہی سرکاری زبان ہے۔ اسکولوں۔ ریڈیو۔ ٹی وی۔ اخبارات اور تصنیفات و تالیفات میں اسی کا استعمال ہوتا ہے۔" عامیہ" یہ عام لوگوں کی زبان ہے جس میں بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں۔

---

[۵] تمدنِ اسلامی جلد ص۱

Marfat.com

الشیخ لبیب تبنونیؒ لکھتے ہیں۔

حج کے موقع پر ساری دنیا کے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے ہیں جن کی طبعتیں اور زبان مختلف ہونے کی وجہ سے عربی لوگوں کی گفتگو میں زبردست تغیر آگیا ہے۔

مثلاً هذا حق فلان اگر کہنا ہو تو هذا حقون فلان کہتے ہیں یا اسے تانیث کے ساتھ استعمال کرنا ہو تو حقة فلان کہیں گے۔ اور صلوا وارکبوا کہنا ہو تو هیا صلون وارکبون کہیں گے۔ قُم لعندنا کی بجائے قُم لنا۔ اعمل کذا کی جگہ فل کذا۔ شُکراً کہنا ہو تو ابیض کہتے ہیں۔ اجلس کی بجائے انجعمص۔ اخلع نعلك کی جگہ فصخ خداك۔ مُرّ کی بجائے زِل۔ اُخرج کی بجائے اُندُر۔ اِلاّ کو نعم کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ ریح کی جگہ اغد۔ احسن من هذا کی جگہ انشکل من هذا۔ کَلِّم کی جگہ حرّج۔ ما کلمته کی جگہ ماهرجته، بطیخ کو قربوذ کہتے ہیں۔ کلیب کی بجائے سلیب۔ کبد کی بجائے سبد اور کواکب کی جگہ سواسب کہتے ہیں[1]

علامہ بشاری نے چند اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔

عدن کے لوگ رجلیه کی جگہ رجلینه اور یدیه کی جگہ یدینه کہتے ہیں۔ اسی طرح رحبة کی جگہ رکب اور دجل کی دکل جیم کو کاف سے بدل دیتے ہیں اور ان سے متاثر ہو کر اہل مکہ بھی ان الفاظ کو استعمال کرنے لگے ہیں[2]

مذکورہ اغلاط تو کچھ زمانہ پہلے پائی جاتی تھیں مگر آج کل جو زبان بولی جارہی ہے وہ بھی

---

[1] الرحلة الحجازیة صہ ۲۴ تا ۲۵ [2] احسن التقاسیم صہ ۹۶

Marfat.com

عربی قواعد سے بیحد مختلف ہے اور نہ جانے کن کن ممالک کی زبانوں سے اخذ شدہ الفاظ استعمال ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر

شا کی بجائے شائی ۔ ماءٌ کو مُویا ۔ نِصف کو نُص یا نُصف ۔ ثا کو تا میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ثلاثہ کو تلاتہ ۔ ثمانیہ کو تمانیہ اور ثانی کو تانی کہتے ہیں۔ قاف کو گاف سے بدل کر بولتے ہیں۔ قُل کو گل۔ قُم کو گُم ۔ قلتُ کی جگہ گُلت اور قہوہ کو گہوہ کہتے ہیں۔ امر کے صیغے اکثر غلط استعمال کرتے ہیں۔ اِصبِر کی جگہ اُصبُر۔ اِغفِر کی جگہ اُغفُر اور اِرکب کی جگہ اُرکُب ۔ دجاجۃ کی جمع دواجن سُرعۃ کی جگہ یَلّا اور دُگ وغیرہ اسی طرح دہی کو لَبَن جب کہ دودھ کو صرف حلیب کہتے ہیں۔

مذہب

مذہب مکہ معظمہ میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعلیمات کی تبلیغ کی جاتی تھی اور لوگ اس پر عمل پیرا بھی تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ دین حنفیت سے روگردانی کر کے یہودیت، مسیحیت، اجسام پرستی، کواکب پرستی، ارواح پرستی اور بت پرستی کے خوگر بن گئے۔ آفتاب اسلام طلوع ہونے سے پہلے کعبہ شریف کا فرش، چھت، دیواریں بغرض اندر اور باہر بت ہی بت نظر آتے تھے۔ گویا کہ دنیا کے بڑے بڑے بُت خانوں کی طرح یہ بھی ایک بت کدہ بن چکا تھا۔ مکہ معظمہ میں بت پرستی کا بیج عمرو بن لُحی نے بویا تھا۔

لیکن فتح مکہ کے دن امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کعبہ شریف کو بلکہ پورے شہر کو بتوں کی نحوست سے پاک کر دیا اور اب چودہ سو سال ہو چکے ہیں کہ وہاں کے تمام باشندے صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ کوئی غیر مسلم اس طرف بھٹک بھی نہیں سکتا۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات

Marfat.com

کے مطابق نہایت راسخ العقیدہ اور مضبوط ایمان والے لوگ ہیں۔ شرک تو کجا بدعات تک سے سخت متنفر ہیں۔ آج کل فقہی مسلک حنبلی رائج ہے۔

تعلیم قدیم زمانہ میں پوری دنیا کی طرح مکہ شریف میں اہلِ علم حضرات کی تعداد بہت کم تھی لیکن اسلام کے بعد اس میں بتدریج ترقی ہونے لگی۔ اور اس وقت دینی علوم وفنون کے ساتھ جدید عسکری تعلیم کا بھی انتہائی معقول انتظام ہے۔ مکہ معظمہ میں نہ صرف تعلیم مفت ہے بلکہ طلبا اور طالبات کو کتابیں اور خوراک بھی مفت مہیا کی جاتی ہے۔ ہم انشاء اللہ اس موضوع کو پوری شرح وبسط کے ساتھ تاریخ مکۃ المکرمہ کی جلد سوم میں بیان کریں گے۔ قارئین انتظار فرمائیں۔

لباس

عرب قدماء کے رواج کے مطابق آج تک عربوں کا لباس ڈھیلا ڈھالا، لمبا، باعزت اور باوقار ہے۔ تنگ وچست نہیں ہے۔ البتہ کپڑے کی اقسام، ارزانی وگرانی اور رنگ وغیرہ زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مورخین نے مختلف اوقات میں کئی رنگوں کے لباس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مشہور سیاح ابن بطوطہؒ نے ۷۲۶ھ میں حسب ذیل نوعیت کا لباس بیان کیا ہے۔

"اہلِ مکہ نہایت خوش پوش ہوتے ہیں۔ سفید لباس سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ ہمیشہ سفید لباس زیب تن کرتے ہیں۔ سرمہ، خوشبو اور مسواک کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہیں۔[۱]"

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۱۴۳ ج ۲

Marfat.com

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا نے ۱۳۲۷ھ میں لباس کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں۔

مکہ کے لوگ لباس اور خوراک میں بہت مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ لباس میں سبز، سرخ، گلابی اور زرد رنگ زیادہ پسند کرتے ہیں۔ گھروں میں آرائش وزیبائش کی بیش بہا قیمتی چیزیں ہوتی ہیں۔ عورتیں جب بازار جاتی ہیں تو موٹے کپڑے کا برقع جس میں آنکھوں کے سامنے دو دائرے بُنے ہوتے ہیں پہن کر جاتی ہیں۔ پاؤں میں پورا جوتا ہوتا ہے۔ اکثر زرد رنگ کا جوتا پہنتی ہیں[۵]

لیکن اس زمانہ میں مرد اکثر سفید لباس پہنتے ہیں۔ کُرتہ جسے توب کہتے ہیں ٹخنوں تک لمبا ہوتا ہے۔ اس کے نیچے پاجامہ یا نیکر پہنتے ہیں۔ پاؤں میں بُوٹ چپل اور ہوائی چپل استعمال کرتے ہیں اور سر پر دھاگے کی بنی ہوئی ٹوپی یا رومال ہوتا ہے۔ کُرتہ عموماً سفید کے ٹی۔ ہائی صافی اور بوسکی وغیرہ کا ہوتا ہے۔ نیکر اور پاجامہ دھاری دار یا رنگدار ہوتا ہے۔ رومال زیادہ تر سفید استعمال کرتے ہیں جب کہ سبز اور سرخ بھی استعمال ہوتا ہے۔ رومال سر پر باندھنے کی بجائے سہ کونہ سا بنا کر ڈال لیا جاتا ہے۔ اور بعض آدمی بالخصوص معززین اس پر سیاہ دھاگے یا سنہری تار سے بنا ہوا

رؤسا، امراء، علماء، فضلاء اور معززین جبّہ بھی پہنتے ہیں جو عموماً زرد۔ سیاہ۔ سبز اور کئی دوسرے رنگوں میں ہوتا ہے۔ عورتیں بھی توب یعنی لمبی قمیض۔ پاجامہ اور دوپٹہ پہنتی ہیں۔ ان کا لباس زیادہ تر پرنٹڈ اور بہت قیمتی ہوتا ہے۔ پاؤں میں بوٹ یا چپل ہوتی ہے بلنار یا حرم شریف جاتے وقت برقع اوڑھ کر جاتی ہیں جو عموماً سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ آج کل قدیم طرز کے مطابق آنکھوں کے سامنے دو دائرے بھی ہوتے ہیں اور جدید طرز کا

---

[۵] مرآۃ الحرمین جلد صہ ۲۰۳ تا ۲۰۵

Marfat.com

قدرے باریک کپڑے کا نقاب بھی ہوتا ہے۔ عرب خواتین بازار میں بہت کم جاتی ہیں۔ خرید و فروخت مرد ہی کرتے ہیں۔ مرد اور عورتیں اکثر جرابیں بھی پہنتے ہیں۔

چونکہ مکہ معظمہ میں سردی نہیں ہوتی اس لئے موسم سرما اور گرما کا لباس تقریباً ایک ہی ہوتا ہے۔ دوسرے ممالک کے لوگوں کو دیکھ کر اب وہاں بھی نوجوان ننگے سر نظر آتے ہیں۔ جب کہ کچھ عرصہ قبل تک مرد ننگے سر بازار جانا عیب سمجھتے تھے۔ نفاست اور صفائی کے بے حد خوگر ہیں۔ لباس۔ بستر۔ برتن۔ مکانات اور ہر چیز۔ صاف ستھری رکھتے ہیں۔ گھروں۔ دکانوں اور موٹر گاڑیوں میں ٹائلٹ پیپر صفائی کے لئے ہر وقت موجود رہتا ہے۔ مسواک اس کثرت سے کرتے ہیں کہ بازاروں میں چلتے پھرتے، دکان پر بیٹھے حتیٰ کہ جب نماز کی جماعت ہونے لگتی ہے تب بھی عربی لوگ مسواک کی سنّت ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

ابن بطوطہؒ اہالیانِ مکہ کے اوصاف اور عادات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

" اہلِ مکہ کے افعالِ جمیلہ، مکارمِ عظیمہ اور اخلاقِ کریمانہ بے حد قابلِ تعریف ہیں۔ غرباء مساکین، تارک الدنیا لوگوں اور ہمسایہ کے ساتھ بہت عمدہ برتاؤ کرتے ہیں۔ جب کوئی آدمی دعوتِ ولیمہ کرتا ہے تو غربا کو بڑی عزت واحترام۔ رفق و ہمدردی اور حسنِ اخلاق سے کھانا کھلاتے ہیں۔

اسی طرح چھوٹے یتیم بچوں کے ساتھ بے حد رحمدلی اور شفقت سے پیش آتے ہیں یہ بچے چھوٹی اور بڑی ٹوکریاں لے کر بازار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ لوگ بازار سے غلہ، گوشت، سبزی اور دوسری چیزیں خرید کر ان بچوں کے سپرد کر کے خود طواف کرنے یا کسی دوسرے کام کو چلے جاتے ہیں اور بچے بڑی دیانتداری اور حفاظت سے سامان ان کے گھر پہنچا دیتے ہیں اور گھر والے انہیں انعام واکرام سے نوازتے ہیں[1]"

---

[1] ابن بطوطہ صہ ۲۰۲

Marfat.com

لیکن ہمارے اکثر پاکستانی بھائی جب فریضہ حج کی ادائیگی سے وطن لوٹتے ہیں تو اہل مکہ کی سنگدلی، بداخلاقی اور ترش روی کا شکوہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں زیبا نہیں کہ جن لوگوں کو اللہ کریم نے اپنے مقدس گھر کا پڑوسی ہونے کے شرف سے ممتاز فرمایا ہے۔ ان کی عیب جینی کریں اور ان کے حق میں زبانِ طعن دراز کریں۔ علاوہ ازیں نبی امی سید العرب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"کہ میں عربی ہوں اور تم عربوں کو ہرگز برا نہ کہنا۔"

ہمارے حجاج کی شکایت کا اصل سبب یہ ہے کہ اس وقت مکہ میں عربی النسل لوگ بہت کم رہ گئے ہیں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو دوسرے ممالک کے باشندے ہیں اور ایک دو پشت یا زیادہ عرصہ سے مکہ میں مقیم ہیں۔ ان لوگوں کے اخلاق اور اصل عربی لوگوں کے اخلاق میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور حجاج کو اکثر انہی لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ بہرحال اُن کی عیب جینی سے گریز کرنا انتہائی ضروری ہے۔

خوراک

شیخ رفعت پاشا اہالیانِ مکہ کی خوراک کے متعلق لکھتے ہیں۔

"لباس کی طرح خوراک بھی عمدہ اور پُر تکلف ہوتی ہے۔ قسم قسم کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں جن میں ہندی، مغربی، شامی، ترکی اور مصری وغیرہ ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ مکہ کے لوگ مہمان نوازی میں بے حد فیاض ہیں۔ مہمان اور میزبان قالین پر بیٹھتے ہیں پہلے قہوہ سے تواضع کی جاتی ہے اور پھر باری باری ہر قسم کا کھانا رکھتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دن میں دو وقت صبح اور عصر کے بعد کھانا کھاتے ہیں البتہ قہوہ سارا دن چلتا رہتا ہے[1]"

[1] مراۃ الحرمین جلد ا۔ صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴

Marfat.com

روٹی پکانے کا طریقہ قدیم زمانہ میں مکہ کے لوگ گھروں میں روٹی نہیں پکاتے تھے بلکہ بازار سے پکواتے تھے۔ شہر میں مختلف مقامات پر روٹی پکانے والے چولہے ہوتے تھے جن میں لکڑی جلائی جاتی تھی۔ لوگ گھروں میں آٹا گوندھ کر پیڑے بناتے اور لکڑی کی ایک تختی پر رکھ کر بچوں یا نوکروں کو دے کر چولہے پر بھیج دیتے۔ وہاں صبح سے شام تک خوب بھیڑ رہتی تھی۔ لوگ بازار کی دکانوں سے روٹی قطعاً نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ گھر میں آٹا گوندھ کر بازار سے پکواتے تھے۔ البتہ غریب اور مزدور جنہیں آٹا میسر نہیں آتا تھا وہ بازار سے کھاتے تھے۔

۱۳۷۵ھ میں جب مکہ مشرفہ میں تمدنی اور عمرانی تہذیب عروج پر تھی اور قدیم طرز کی پرانی اور بوسیدہ عمارات کی جگہ بلند و بالا، عالیشان اور مضبوط محلات تیار ہونے لگے، تو جن مقامات پر چولہے نصب تھے وہاں بھی مکان بن گئے۔ صرف چند جگہیں جو جدید تعمیراتی منصوبہ سے متاثر نہیں ہوئی تھیں، چولہے باقی رہ گئے۔ لیکن جہاں ہر ایک چیز میں ترقی ہو رہی تھی اس نظام میں بھی تبدیلی ناگزیر تھی۔ بنابریں تیل سے جلنے والے لوہے کے چولہے استعمال ہونے لگے۔ جن پر پکائی ہوئی روٹی قدیم طرز کے چولہوں کی نسبت زیادہ عمدہ اور لذیذ ہوتی تھی جسے اہل مکہ نے بہت زیادہ پسند کیا اور گھروں میں آٹا گوندھ کر روٹی پکوانے کی بجائے تیل کے چولہوں پر پکی ہوئی روٹی بڑی رغبت سے خریدنے لگے۔ یہاں تک کہ امیر، وزیر، فقیر اور غریب ہر طبقہ کے لوگوں نے بازار سے خریدنا شروع کر دی۔ اگرچہ گھر سے آٹا گوندھ کر پکوائی جانے والی روٹی کی نسبت یہ مہنگی تھی۔ اب تو گھر میں روٹی پکانے کا دستور ختم ہو گیا ہے۔ تقریباً نصف صدی پہلے لوگوں نے گھروں میں کھانا پکانا اور سردی کے ایام میں آگ تاپنے کے لئے چولہے بنا رکھے تھے۔ جن میں لکڑی یا کوئلہ جلایا جاتا تھا۔ لیکن ۱۳۴۳ھ کے بعد تیل سے جلنے والے چولہے اور بجلی کے ہیٹر استعمال ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ۱۳۷۳ھ میں لکڑی جلانے کا رواج

Marfat.com

تقریباً ختم ہوگیا۔ البتہ چلم کے لئے اب بھی لکڑی اور کوئلہ ہی استعمال ہوتا ہے۔

اب تیل سے جلنے والے چولہے بھی بہت کم استعمال ہوتے ہیں بلکہ فان گیس کی سہولت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور بازار میں چولہوں پر روٹی پکانے کا طریقہ بالکل ختم ہوگیا ہے۔ ان کی جگہ ہر محلہ میں دو دو، تین تین تنور لگے ہوئے ہیں جن میں لکڑی جلائی جاتی ہے۔ البتہ گھروں میں روٹی پکانے کا طریقہ مفقود ہے۔ تنور سے تازہ روٹی ملنے کے علاوہ بیکری سے بھی روٹی ملتی ہے جو مختلف نام سے پکاری جاتی ہے۔ مثلاً صمولی، گول اور لمبی روٹی، عیش، موٹی روٹی، تمیز، تنوری روٹی، شامی، نان کی مانند اور ابو ثمن، گھی والی روٹی۔ لوگ گھروں میں ترکاری پکا لیتے ہیں اور روٹی بازار سے خریدتے ہیں۔ ترکاری میں سرخ مرچ قطعاً استعمال نہیں کرتے صرف کالی مرچ استعمال ہوتی ہے

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں آٹومیٹک بیکریاں بھی شروع ہوگئی ہیں۔ یہ مشین گاڑی میں نصب ہوتی ہے اور جہاں ضرورت ہوا سے لے جاتے ہیں۔ حج کے دنوں میں شہر کے علاوہ منیٰ اور عرفات میں بھی ان سے کام لیا جاتا ہے۔ اس مشین میں آٹا اور پانی حسب ضرورت ڈال دیا جاتا ہے اور پکی پکائی روٹی برآمد ہوتی ہے۔

ہنڈیا پکانے کے لئے حسب ذیل اشیاء دستیاب ہیں۔

اونٹ، دنبہ، بکرا اور گائے کا گوشت بکثرت ملتا ہے۔ مرغی اور مچھلی بھی خوب فروخت ہوتی ہیں۔ سبزیاں تقریباً سبھی دستیاب ہیں۔ مثلاً

شلغم۔ مولی۔ گاجر۔ پیاز۔ بینگن۔ سبز توری۔ بھنڈی توری۔ گھیا۔ حلوہ کدو۔ لوکی۔ پھول اور بند گوبھی۔ مٹر۔ ٹماٹر۔ سبز موٹی مرچ۔ آلو۔ کریلہ۔ فریش بین اور دالوں میں دال چنا۔ دال مسور۔ دال مونگ۔ لوبیا وغیرہ۔ اور پھلوں میں کھجور۔ آم۔ مالٹا۔ تربوز۔ خربوزہ۔ کھیرا۔ ککڑی۔ سیب۔ امرود۔ کیلا۔ انناس۔ ناشپاتی۔ انگور اور انار وغیرہ ہر موسم کے پھل اور سبزیاں سارا سال ملتے ہیں۔

Marfat.com

چائے عموماً بغیر دودھ کے استعمال کرتے ہیں جسے اسود کہتے ہیں۔ تیز گرم پانی گلاس میں ڈال کر چینی اور لپٹن کی ٹی بیگ ڈال دیا جاتا ہے جس سے چائے تیار ہو جاتی ہے۔ دودھ اکثر خشک استعمال ہوتا ہے جس میں نیڈو نسٹلہ اور زیادہ عمدہ ہے۔ بند ڈبوں میں لیکوڈ دودھ بھی ملتا ہے جو وادیٔ فاطمہ میں پیک کیا جاتا ہے۔ گائے اور بکری کا کچا اور پکا دودھ بھی مل جاتا ہے۔ دہی اور ملائی گتے اور ٹین کے ڈبوں میں بند ملتی ہے۔ وہ لوگ سبز قہوہ، سونٹھ کا قہوہ اور پودینہ کا قہوہ بھی بڑے ذوق سے پیتے ہیں۔

مشروبات

مکہ مشرفہ کے لوگ مہمان نوازی کے وصف میں پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ مہمان کی دلجوئی اور دلداری پر جان قربان کرتے ہیں۔ زائرین کی آمد یا مختلف خوشی کے مواقع مثلاً عید، شادی بچوں کا ختنہ اور بچوں کا حفظ یا ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے موقع پر شربت سے تواضع کی جاتی ہے مٹی کے مٹکے یا تانبے کے گاگر پانی سے بھر کر ان میں شکر ڈالتے اور پھر اسے رنگدار بنانے کے لئے زرد، سرخ، سبز یا گلابی رنگ ڈالتے۔ عرق گلاب۔ کیوڑہ یا مصطگی سے خوشبودار بنا کر خوش ذائقہ بنانے کی خاطر ناگری یا لیموں دستیاب ہوں تو وہ نچوڑ لئے جاتے۔ اس کے بعد شیشے کے گلاسوں میں بھر کر مہمانوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس طرح کا شربت مخصوص تقریبات میں پیش کیا جاتا تھا۔ شربت پلانے کے بعد قہوہ پلایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ بازار میں حسب ذیل مشروبات فروخت ہوتے تھے۔ شربت تمر ہندی۔ شربت انگور، شربت کھجور، شربت لیمن اور خشک روٹی کا مخصوص طریقہ سے تیار کردہ شربت وغیرہ شربت

Marfat.com

سے مٹکا بھر کر قدرتی ہوا یا ہاتھ کے پنکھے سے ٹھنڈا کر کے اسے لذیذ بنانے کی خاطر تخم ریحان ڈالتے تھے۔ جب کوئی شخص دکاندار سے شربت طلب کرتا تو وہ شیشے کے گلاس میں تر شدہ تخم ریحان ڈال کر اس میں شربت ڈالتا اور پھر گاہک کو پیش کرتا۔ اس شربت کو "الفازوزہ" کہتے تھے۔

اس نوعیت کے مشروبات ۱۳۸۵ھ سے تقریباً ۴۰ سال پہلے استعمال ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں ان کی جگہ مختلف قسم کے نئے مشروب آ گئے۔ شربت گلاب۔ شربت اورنج۔ شربت توت اور شربت انار وغیرہ یہ مصر اور شام میں تیار ہوتے تھے۔

۱۳۷۰ھ میں جب برف دستیاب ہونے لگی تو کاکولا۔ اورنج۔ برتقال۔ پیپسی۔ میرانڈا التفاح اور سینالکو وغیرہ بھی آنا شروع ہو گئے کاکولا کے مالکان شیخ صدقہ اور شیخ سراج کعکی دو بھائیوں نے جدہ میں فیکٹری لگائی۔ یہ مشروبات بوتلوں میں بند ہوتے ہیں اور انہیں ٹھنڈا کرنے کے لئے برف میں لگایا جاتا ہے جس سے یہ بے حد لذیذ بن جاتے۔

اب تو دن بدن جدید اور لذیذ مشروب بکثرت ملتے ہیں۔ کیلا۔ مالٹا۔ خربوزہ کا جوس۔ جو کا پانی۔ پیپسی کولا۔ مینگو۔ لیمن۔ اورنج سکوائش کے علاوہ گنے کے ڈبہ میں سن ٹاپ جو نلکی لگا کر پیا جاتا ہے بھی دستیاب ہے۔ اکثر مشروب ٹین کے ڈبوں میں بند ہوتے ہیں۔ ڈھکن میں ایک چھوٹی سی پتری ایسی عمدگی سے لگی ہوتی ہے۔ جسے ہاتھ سے پکڑ کر اتار دیا جاتا ہے اور اس سوراخ سے مشروب پیتے ہیں۔

مہمان نوازی میں اس قدر زیادہ تکلف کیا جاتا ہے کہ متوسط درجہ کے لوگ بھی متعدد اقسام کے کھانے ضیافت میں پیش کرتے ہیں۔ راقم الحروف ناشتہ کی ایک دعوت میں شریک ہوا۔ جہاں صاحب خانہ نے گھر میں علالت کے عذر کی وجہ سے صرف سادہ چائے کی دعوت دی تھی۔ اور اپنی معذرتی کا بار بار اظہار بھی کرتے رہے۔ ہم لوگ صبح وقت مقرر پر پہنچے تو ناشتہ تیار ہونا شروع ہوا۔ کچھ دیر

Marfat.com

بعد جب ناشتہ آیا تو اس میں حسب ذیل چیزیں تھیں :-
پراٹھا۔ فرائی انڈہ۔ ڈبل روٹی۔ گوشت۔ مکھن۔ پنیر۔ زیتون کا اچار۔ حلوہ۔ پیسٹریاں بسکٹ۔ مٹھائی۔ کیک اور چائے ـــــ ہم اس پُرتکلف سادہ چائے کو دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ اگر یہ سادہ چائے ہے تو پھر پُرتکلف چائے کتنی اقسام کے کھانوں پر مشتمل ہوگی؟

سیّدی و مرشدی مولانا عبید اللہ انور دامت فیوضہم خلف الرشید قطب الزماں مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کا بیان ہے کہ ہمیں ایک مرتبہ شاہی دعوت میں شرکت کا موقع ملا۔ جس میں سینکڑوں آدمی مدعو تھے۔ کھانے کا انتظام ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا۔ جب لوگ اندر جانے لگے تو ہال کے وسط میں ایک اونٹ بیٹھا ہوا نظر آیا۔ تعجب ہوا کہ شاہی مہمان خانہ میں اونٹ کا کیا سروکار ہے لیکن چند ہی لمحوں میں شاہی خدّام چھریاں لے کر اس پر حملہ آور ہوئے اور اس کا پیٹ چیر کر ایک بکرا نکالا۔ بکرے کے پیٹ سے مرغ اور مرغ کے پیٹ سے تیتر نکالا۔ اور یہ تمام چیزیں بڑی عمدگی سے روسٹ کی ہوئی تھیں۔ بعد ازیں مہمانوں نے انہیں چھریوں سے کاٹ کر کھانا شروع کر دیا۔

حضرت فرماتے ہیں۔ کھانا تو کیا تھا ہم اس سوچ کی موج میں گم تھے کہ انہیں کس طرح روسٹ کیا گیا۔ اور پورا اونٹ پکانے کے لئے اتنے بڑے برتن کیسے مہیا کئے۔ اور پھر اس کے پیٹ میں دوسرے جانوروں کو کس عمدگی سے پکایا اور سجایا گیا۔

حج کے موقع پر بڑی بڑی پُرتکلف دعوتیں ہوتی ہیں جن میں سے الشیخ بن باز وزیر تعلیم کی دعوت حدیقۃ الزہرا میں تمام ممالک کے سربرآوردہ علماء کرام کی ہوتی ہے۔ دعوت میں متعدد مرغن کھانوں کے علاوہ سالم بکرے بھی بھنے ہوئے ہوتے ہیں۔ مہمانوں کو قالین پر بٹھا کر کھانا پیش کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

علاوہ ازیں شیخ بن باز چونکہ بدوی ہیں اس لیے منیٰ میں اپنے خیمہ کے اندر جہاں قیمتی قالین بچھے ہوتے ہیں۔ بدوؤں کی قہوہ سے ضیافت کرتے ہیں۔ یہ دور دن رات چلتا رہتا ہے۔ اور اس میں بے مثال سادگی کا منظر دیکھنے میں آتا ہے۔

اہل مکہ خوشبو کا استعمال اس کثرت سے کرتے ہیں کہ مہمانوں کو بھی خوشبو سے معطر کر دیتے ہیں۔ چارپائی کا استعمال ابھی تک بہت کم ہے فرش پر قالین اور غالیچے ہوتے ہیں جن پر تکیہ رکھ کر سوتے ہیں۔ اب تو فوم کے گدّے۔ تکئے اور لحاف بھی استعمال ہونے لگے ہیں۔ نیز بیش بہا قیمتی صوفہ سیٹ بھی گھروں کی زینت بن گئے ہیں۔

حلاوات

مکہ مکرمہ میں نہ تو کوئی حلوائی کی دکان تھی۔ نہ ہی ٹافیوں اور چاکلیٹوں کی کوئی صنعت۔ البتہ ہندوستانی حجاج اپنے ساتھ لڈو۔ جلیبی۔ برفی۔ نمک پارے اور دیگر اقسام کی مٹھائی لے جاتے تھے اور اسی سے مٹھائی کی ضرورت پوری کی جاتی۔

۱۳۷۴ھ میں الشیخ عبداللہ کعکی نے سب سے پہلے مٹھائی کی دکان شروع کی۔ یہ جدہ روڈ پر "ام الدور" میں واقع تھی جس پر ہر قسم کی مٹھائی اور حلوہ بنایا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کاروبار میں خوب ترقی ہوئی۔ لیکن مٹھائی کی نسبت مختلف قسم کی ٹافیوں اور چاکلیٹوں سے بڑی بڑی دکانیں بھری پڑی ہیں۔ اور اب تو غیر ملکی مصنوعات کثرت سے آتی ہیں جو بے حد لذیذ۔ خوش ذائقہ اور عمدہ ہیں۔

Marfat.com

مچھلی کی درآمد

حجاز میں لفظ حوت اور سمک ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے جب کہ دوسرے ممالک میں چھوٹی مچھلی کو حوت اور بڑی کو سمک کہتے ہیں۔ حجاز کے ساحلی شہروں جدہ۔ رابغ۔ ینبوع۔ المواقع اور اللیث میں مچھلی بکثرت پائی جاتی ہے۔ ماضی اور حال میں مکہ شریف میں تین قسم کی مچھلی دستیاب ہے۔ ماضی میں تازہ مچھلی نہیں ملتی تھی۔ بلکہ جدہ سے تیل میں بھنی ہوئی مچھلی کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے ہوادار ٹوکروں میں بند کر کے جسیم اور طاقتور گدھوں پر لائی جاتی تھی۔ اگرچہ یہ پہلے سے بھنی ہوتی تھی مگر گرمی سے خراب ہونے کے خدشہ کے پیش نظر دن کو سفر کرنے کی بجائے یہ قافلے مغرب کے قریب جدہ سے چل کر صبح سویرے مکہ پہنچ جاتے تھے۔ اونٹوں کی رفتار ان کی نسبت کم ہوتی تھی۔ اونٹ جدہ سے مکہ کا سفر دو راتوں میں طے کرتے تھے پہلی رات سفر کے "بحرہ" نامی گاؤں جو مکہ اور جدہ کے درمیان واقع ہے میں قیام کرتے۔ اور دوسری رات کو وہاں سے روانہ ہو کر صبح مکہ شریف پہنچ جاتے۔ دن کے وقت گرمی کی شدت کے باعث سفر کرنا سخت تکلیف دہ ہونے کے علاوہ مچھلی خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا تھا۔ اس لئے اونٹوں پر مچھلی نہیں لاتے تھے۔ یہ بھنی ہوئی مچھلی مکہ کے دکاندار خرید کر دوبارہ بھون کر فروخت کرتے تاکہ خراب نہ ہو جائے۔

یہ طریقہ قدیم زمانہ میں پایا جاتا تھا۔ لیکن جب سعودی حکومت میں موٹر گاڑیوں کا عام استعمال ہونے لگا تو جہاں سفر میں بے حد آسانی اور آسائش ہوئی وہاں سامان کے نقل و حمل میں بھی بہت زیادہ سہولت ہو گئی۔ علاوہ ازیں ریفریجیریٹر اور برف کے استعمال سے مچھلی تازہ دستیاب ہونے لگی۔

Marfat.com

جدہ۔ رابغ اور ینبوع میں رات کے وقت مچھلی پکڑی جاتی اور صبح سویرے مکہ شریف پہنچ جاتی جب کہ مچھلی اسی طرح تروتازہ ہوتی تھی۔ مکہ میں زقاق الوزیر میں منڈی لگتی جہاں سے دکاندار خرید کر صندوق میں برف لگا کر رکھ لیتے۔ اس طرح دو تین دن تک تازہ رہتی۔ جدہ سے روزانہ یا ایک دن چھوڑ کر مچھلی آتی اور آنے کا مدار پہلا مال فروخت ہونے پر ہوتا تھا۔

اس زمانہ میں تیسری قسم خشک مچھلی بھی ہے جو کئی ماہ تک خراب نہیں ہوتی یہ زیادہ تر جھینگا مچھلی ہوتی ہے۔ جو جدہ اور دوسرے شہروں سے خشک ہی درآمد کی جاتی ہے۔

مکہ کے لوگ مختلف طریقہ سے مچھلی پکاتے ہیں مگر زیادہ تر سالم تلی ہوئی پسند کرتے ہیں۔ جدہ والے مچھلی پکانے میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ قدرتی طور پر مچھلی کا گوشت، پرندوں، مرغی اور دوسرے گوشت کی نسبت زود ہضم اور لذیذ بھی ہوتا ہے۔

یہ کیفیات اور حالات آج سے پندرہ برس پہلے کے تھے۔ مگر اس وقت مچھلی اور سبزیاں فروخت کرنے کے لیے ایرکنڈیشنڈ گاڑیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ اور پھر ان اشیاء کو تروتازہ رکھنے کے لیے کولڈ سٹور میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ جس کی بنا پر ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں تک خراب نہیں ہوتیں۔

مرغی خانے

مکہ مشرفہ میں دیسی مرغیوں اور انڈوں کا رواج کچھ عرصہ پہلے تک موجود تھا۔ لیکن سنہ ۱۳۷۳ھ میں پولٹری مرغیوں اور انڈوں کا استعمال کثرت سے شروع ہوگیا۔ اگرچہ ابتدا میں دیسی مرغ اور انڈے وافر مقدار میں مل جاتے تھے۔ لیکن پولٹری مرغیوں اور انڈوں کی اس قدر بہتات ہوئی کہ

Marfat.com

رفتہ رفتہ دیسی مرغیاں اور انڈے مکہ سے غائب ہو گئے۔

چوزے جنہیں مکہ والے "الفراریج" اور مصری "الکتاکیت" کہتے ہیں باہر سے درآمد کیے جاتے ہیں اور انہیں مخصوص مرغی خانوں میں جہاں ایک دو کمرے ٹھنڈے بنے ہوتے ہیں میں رکھا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ان کی مخصوص خوراک اور نگہبانی کے لئے ایک تجربہ کار آدمی بھی رکھا جاتا ہے۔

مرغی خانہ کو "مزرعۃ الدواجن" کہا جاتا ہے۔ ابتدا میں صرف تین مرغی خانے تھے سب سے پہلے مزرعۃ فقیۃ بالدواجن قائم ہوا۔ پھر مزرعۃ الشیخ عبداللہ کعکی اور بعد میں مزرعۃ عبداللہ کو بر۔ اس کاروبار میں اس قدر ترقی ہوئی کہ اب دیسی مرغ بہت ہی کم دکھائی دیتے ہیں اور دیسی انڈوں کا کہیں وجود نہیں ہے جب کہ پولٹری مرغ اور انڈوں کی جابجا دکانیں پائی جاتی ہیں جن پر خریداروں کا ہر وقت جم گھٹا رہتا ہے۔

شادی کی رسومات

شادی کی تقریبات بھی دوسرے ممالک سے قدرے مختلف ہیں۔ اکثر ممالک میں تو یہ رواج ہے کہ عورت اپنے ساتھ جہیز لاتی ہے جب کہ مکہ مکرمہ اور عرب میں مرد عورت کو جہیز دیتا ہے۔ جیسا کہ فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے:۔

"یورپ کی رسم کے بالکل خلاف یہاں عورت مرد کو جہیز نہیں دیتی بلکہ مرد عورت کو جہیز دیتا ہے"[1]

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب رشتہ طے پا جاتا ہے تو لڑکے کے والدین لڑکی کے والدین کو

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۳۴۷

جہیز تیار کرنے کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق رقم دیتے ہیں۔ جو کم از کم ۲۵ ہزار ریال ہوتی ہے لڑکی والے اس رقم سے مکان اور کار کے علاوہ ہر وہ چیز خریدتے ہیں جس کی گھر میں ضرورت پیش آتی ہے۔ سوئی سلائی سے لے کر ٹی، وی تک سب کچھ خرید کر مکان میں سجا دیتے ہیں تا کہ جب دلہن اس گھر میں آئے تو اسے کسی چیز کی کمی اور ضرورت محسوس نہ ہو۔ اگر طے شدہ رقم ختم ہو جائے تو دلہن کے والدین اپنے پاس سے کمی پوری کر دیتے ہیں۔ اگرچہ کمی کا اتفاق شاذ و نادر ہی پیش آتا ہے رئیس لوگ شادی کی تقریبات "حدائق الزاہر" منٰی کے راستہ میں مناتے ہیں۔

علامہ ابراہیم رفعت پاشا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

شادی کے موقع پر عزیز و اقارب کو دعوت دی جاتی ہے۔ مرد مکان کے باہر بیٹھتے ہیں۔ اور عورتیں اندر۔ نماز عشاء کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا ہے جس پر کھانا چنا جاتا ہے۔ مرد کھانا کھا کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ عورتیں مکان کے اندر جاتی ہیں تو ایک عورت ان کے ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہے۔ پھر وہ دلہن کے کمرے میں جا کر سلام پیش کر کے بیٹھ جاتی ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں حتٰی کہ آدھی رات ہو جاتی ہے۔ اس وقت دلہن کو سادگی کے ساتھ دولہا کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ اور عورتیں اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی جاتی ہیں[1]

تجہیز و تکفین

مکہ میں مرگ ہو جانے پر نہ تو نوحہ گری ہوتی ہے اور نہ قُل، تیجا، ساتواں، چالیسواں اور برسی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تمام رسومات غیر اسلامی ہیں۔

---

[1] مرأۃ الحرمین جلد اصفحہ ۲۰۵

Marfat.com

علامہ رفعت پاشا رقمطراز ہیں۔

جب کوئی موت واقع ہوجاتی ہے تو متوفی کے اقربا میں سے کوئی عورت ایک یا دو مرتبہ بلند آواز سے چیختی ہے۔ جس کی آواز سن کر گرد و نواح کے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ آنے والے مختلف اقسام کے حوادثات کا تذکرہ کرکے گھر والوں کی دلجوئی کرتے ہیں۔ اور پھر چلے جاتے ہیں۔ میت کے لواحقین میت کو شر شورہ میں پہنچا دیتے ہیں اور وہی قبر غسل، کفن اور دفن کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی جاتے ہیں[1]۔

آج کل اس کا باقاعدہ محکمہ قائم ہے۔ جہاں مملکت کے دوسرے امور کا بجٹ منظور ہوتا ہے وہاں موتی کی تجہیز و تکفین کا بجٹ بھی پاس کیا جاتا ہے۔ ان امور کا انچارج الشیخ الحارہ (محلہ کا نمبردار) کہلاتا ہے۔ اسے معقول تنخواہ دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ۱۰،۰۰۰ ریال اس کے پاس موجود رہتے ہیں۔ محلہ داروں کی خبر گیری محتاج اور حاجت مندوں کی امداد کرنا، ان کی ضروریات اور گذران سے باخبر رہنا اس کے فرائض میں ہے جب کوئی مرگ ہوجاتی ہے تو فوراً شیخ الحارہ کو اطلاع دی جاتی ہے۔ وہ شر شورہ میں (میت کو غسل دینے کا محل) فون پر اطلاع کرتا ہے وہاں سے ایمبولینس آتی ہے۔ اور میت لے جاکر شرعی قواعد کے مطابق غسل دیا جاتا ہے۔ اگر لواحقین اپنا کفن دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ بصورت دیگر شر شورہ والے اپنے فنڈ سے اسے کفن پہناتے ہیں۔ اگر اس کے بعد لواحقین میت گھر لے جانا چاہیں تو ان کے حوالے کردی جاتی ہے۔ ورنہ حرم شریف میں جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جاتا ہے۔ عموماً فرض نماز کے بعد جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ اگر حجاج میں سے کوئی آدمی فوت ہوجائے تو اس کا معلم شیخ الحارہ کو مطلع کرتا ہے۔ شیخ الحارہ معلموں کے رئیس کو رپورٹ کرتا ہے اور وہ وزارت حج کو آگاہ کرے گا۔ پھر جب شر شورہ کے منتظمین میت لینے جائیں گے تو اس کا وارث

---

[1] مرآۃ الحرمین جلد ا ص ۲۰۵

Marfat.com

دریافت کریں گے۔اگر اس کا صحیح وارث موجود ہو تو متوفی کا سامان وارث کے حوالے کرکے میت لے جاکر غسل کفن دے کر دفن کر دیتے ہیں۔اور اگر وہاں اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا سامان وزارت حج کے دفتر میں جمع ہوجائے گا۔اور وہاں سے متوفی کے ملک کے سفارت خانہ کے حوالے کیا جائے گا جب ایام حج گذر جائیں گے تو سفارت خانہ اس کے ورثا کو فوتیدگی کی اطلاع دے گا۔پھر وہ چاہیں تو اس کا سامان بھی بھیج دیتے ہیں۔

وہ لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں جنہیں مکہ کے قبرستان کی مٹی نصیب ہوجاتی ہے۔نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس قبرستان سے قیامت کے دن ایسے نیک اور صالح لوگ اٹھیں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔اور ان میں سے ہر ایک آدمی ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ان لوگوں کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔

اس قبرستان میں حضورؐ کے خاندان کے علاوہ بے شمار صحابہ۔تابعین، اولیا اور صلحا محو خرام ہیں۔نیز محلہ شبیکہ میں بھی ایک قبرستان تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔

تجارت

مکہ معظمہ کے لوگوں کا ذریعۂ معاش قدیم زمانہ سے تجارت اور گلہ بانی تھا۔اونٹ، گائے بھیڑ، بکریاں، گھوڑے، گدھے اور خچر بہت بڑی تعداد میں پالتے اور ان کی تجارت کرتے تھے۔پورے عرب میں ریوڑ اور گلہ بانی معاش کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

الشیخ ابراہیم الشریف مدظلہ لکھتے ہیں۔

"اہل مکہ مویشی پالتے اور انہیں وادیوں اور گھاٹیوں میں چراتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ بھی محلہ جیاد میں بکریاں چراتے رہے ہیں۔

Marfat.com

اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے والد کے اونٹ شہر کے قرب وجوار میں چراتے رہے۔ اس کے علاوہ یہ شہر عہدِ عتیق سے بین الاقوامی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج سے ہزارہا برس پہلے مشرق اور مغرب کے تجارتی قافلے اسی راستہ سے گذرتے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ بھی بہت بڑے تاجر بن گئے[1]

جس طرح مکہ مشرفہ کی قدامت ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے اسی طرح اہلِ مکہ کی تجارت بھی ازمنہ قدیم سے بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے تاریخ جس پہلے تجارتی قافلہ کا ذکر پیش کرتی ہے وہ مکہ سے مصر جاتا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ تجارت تو اس سے پہلے بھی شروع تھی مگر تاریخ اس کے تذکرہ سے خاموش ہے۔

اس تجارتی قافلہ کا ذکر قرآن مجید اور تورات دونوں میں موجود ہے البتہ قرآن مجید نے اپنے اعجاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف اتنا ہی فرمایا وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ[2]۔ اور قافلہ آیا پس انہوں نے اپنا آدمی پانی بھرنے والا بھیجا[2]

قرآن مجید میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ یہ قافلہ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا تھا، اور نہ ہی اس کے تجارتی یا غیر تجارتی ہونے کا ذکر ہے۔ البتہ احادیث اور اسلامی روایات میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ تورات نے اس کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی ہیں۔

" اور یوں ہوا کہ جب یوسف اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا۔ تو اسے اٹھا کر گڑھے میں ڈال دیا۔ وہ گڑھا سوکھا تھا۔ اس میں ذرا بھی پانی نہ تھا۔ اور وہ کھانا کھانے بیٹھے۔ اور آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آرہا ہے۔ اور گرم مصالحہ (درو غیرہ) بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو جا رہے ہیں۔ تب یہودا نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا۔ آؤ اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں

---

[1] تاریخ مدینہ [2] سورہ یوسف پ ۱۲ رکوع ۲

Marfat.com

کہ ہمارا ہاتھ اس پر نہ اٹھے کیونکہ وہ ہمارا بھائی اور ہمارا خون ہے۔ اس کے بھائیوں نے اس کی بات مان لی۔ پھر وہ مدیانی سوداگر اُدھر سے گذرے تب انہوں نے یوسف کو کھینچ کر گڑھے سے باہر نکالا۔ اور اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے کو بیچ ڈالا۔ اور وہ یوسف کو مصر لے گئے۔"[۱]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ہزاروں سال پہلے اہل مکہ کا سامان تجارت بلسان۔ صنوبر۔ لوبان اور دیگر عطریات پر مشتمل تھا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:-

"یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صفحہ، اسمٰعیل اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلا قافلہ اور مصر ان کی تجارتی سفر کی اولین منزل نظر آتا ہے۔ دو ہزار سال قبل المسیح قدامت پرست عرب کے اس قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا سامان ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔"[۲]

مسیحی مؤرخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے۔

"عرب ابتدا سے نہایت دلیر اور جہاز ران چلے آرہے ہیں۔ دور دراز ممالک کا سفر طے کرنے سے مطلق نہ گھبراتے۔ قدیم زمانہ میں دور دراز کا سفر طے کر کے مکہ آتے۔ جب اہل یورپ بڑی محنت اور مشقت کے بعد وسط افریقہ میں پہنچے تو دیکھا کہ عربوں کے تجارتی کارواں پہلے سے وہاں موجود ہیں۔ عربوں کے لئے یہ سفر معمولی نوعیت کا تھا۔

عربوں نے اپنی حکومت کے ابتدا ہی میں ان دور افتادہ ممالک سے تجارتی تعلقات پیدا کر لئے جہاں اہل یورپ کا خیال تک نہیں جاتا تھا۔ ان میں چین۔ روس کے بعض علاقے اور

---

[۱] پیدائش باب ۳۷، آیت ۲۲ تا ۲۸ [۲] ارض القرآن صـ ۳۳۶

Marfat.com

افریقہ وغیرہ کے نامعلوم علاقے شامل ہیں[1]۔

سامانِ تجارت

یہ انتہائی اہم اور تعجب انگیز سوال ہے کہ عرب کا ملک جو ایک بنجر اور بے آب وگیاہ زمین ہے۔ وہاں تجارت کا سامان کہاں سے ہاتھ آتا ہوگا۔ وہاں کس چیز کی پیداوار ہوتی ہوگی اور عرب سوداگروں کا سرمایۂ تجارت کیا کچھ تھا؟ اس سلسلہ کی مختلف تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ تجارت کا مال عموماً تین اقسام پر مشتمل تھا۔

۱۔ کھانے کا مصالحہ اور خوشبودار چیزیں (عطریات وغیرہ)

۲۔ سونا، چاندی، جواہرات اور لوہا۔

۳۔ چمڑا، کھال، زین پوش اور بھیڑ بکریاں۔

چنانچہ حزقیال نبی کے ستائیسویں باب میں عرب کی تجارت کی تفصیلات اس طرح بیان کی گئی ہیں۔

"دوان اور بادان، ازدال سے تیرے بازار میں آتے تھے۔ آبدار، فولاد، تیز پات اور مصالحہ وہ تیرے بازار میں بیچتے تھے۔ دوان تیرا سوداگر تھا۔ سواری کے چارجامے تیرے ہاتھ بیچتا تھا۔ عرب اور قیدار (بنو اسماعیل) کے رُوسا تیرے تاجر ہیں۔ وہ بکری اور مینڈھے لے کر تیرے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ سبا اور رعما کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔ وہ ہر قسم کے نفیس اور خوشبودار مصالحے اور ہر طرح کے قیمتی پتھر (جواہرات) اور سونا تیرے بازار میں لاتے ہیں۔ حاران اور قانہ اور عدن سے سبا کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے"[2]

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] تمدن عرب ص ۴۲۷ [2] توراۃ باب ۲۰، آیت ۱۹ تا ۲۴

Marfat.com

ہمارے نزدیک مصالحہ یعنی لونگ۔ سیاہ مرچ، الائچی، ڈلی، دارچینی، ناریل اور املی وغیرہ جنوبی ہند اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتے تھے۔ گذشتہ تاریخی بیانات کے علاوہ آج تک یہ چیزیں انہی مقامات سے ساری دنیا میں جاتی ہیں اور اس دعوی کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ مصالحہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہیں۔

مثلاً:۔

مشک، فلفل، کافور، زنجبیل، صندل، نارجیل اور قرنفل وغیرہ۔ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے نام کے ساتھ "ہندی" کا لفظ نام کا جزو بن گیا ہے۔ مثلاً عود ہندی۔ قسط ہندی۔ تمر ہندی چونکہ لوہے کی تلواریں ہندوستان ہی سے بن کر جایا کرتی تھیں۔ اسی لئے عربی میں ہندی اور مہند تلوار کے وصف کے طور پر آتا ہے۔ خوشبودار مصالحوں میں لونگ، الائچی، سیاہ مرچ، دارچینی، ہلدی وغیرہ سب داخل ہیں۔ اور یہ سب اشیاء جنوبی ہند اور جزائر ہند کی پیداوار ہیں۔ اس کے علاوہ کپڑا۔ غلہ۔ شراب۔ ہتھیار اور آئینہ وغیرہ آرائشی سامان بھی عرب درآمد کرتے تھے۔[1]

اگرچہ اہل مکہ کا پیشہ ہزارہا برس سے تجارت ہی تھا۔ لیکن اسے قریش کے دور میں اور بھی زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ قرآن مجید نے خصوصیت کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ احسان بھی جتادیا کہ عالمگیر بدامنی اور لوٹ مار کے باوجود قریش کے قافلے مامون اور محفوظ تھے۔ یہ قافلے موسم سرما میں یمن اور گرما میں شام کا سفر کرتے اور ذیقعدہ میں مکہ مکرمہ میں آرام کرتے تھے۔

اسلام کے اوائل میں قریش کے بعض تجارتی قافلوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

---

[1] ارض القرآن صہ ۳۴۸

Marfat.com

۲ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ بواط کی جانب تشریف لے گئے وہاں سے اُمیہ بن خلف کا قافلہ گذرا جس میں قریش کے ایک سو آدمی اور دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔[1]

سریہ عبداللہ بن جحش الاسدی کے موقعہ پر جس قافلہ سے مسلمانوں کا سامنا ہوا تھا۔ ان کے سامانِ تجارت میں شراب، چمڑا، اور کشمش کی بہت بڑی مقدار تھی۔ یہ سامان طائف سے لایا گیا تھا۔[2]

قریش کے جس قافلہ کو روکنے کی وجہ سے غزوۂ بدر ہوا تھا۔ وہ قافلہ ابوسفیان کی سربراہی میں ملک شام سے آرہا تھا اس میں تیس، چالیس آدمی اور بہت بڑی تعداد میں مالِ تجارت تھا۔[3]

مسیحی مؤرخ امیل درمنغم لکھتا ہے:۔

قریش کے قافلے دو، دو، تین تین ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے جن پر سونا۔ چاندی چمڑا۔ گھی اور دو، دو، تین تین سو آدمی بھی ساتھ ہوتے تھے۔[4]

دورِ حاضر میں بھی مکہ کے لوگوں کا سب سے بڑا ذریعہ معاش تجارت ہی ہے۔ مگر ذرائع مواصلات نے ماضی کی تمام مشکلات کو حل کر دیا ہے۔ ٹیلیفون کے ذریعہ اندرون و بیرونِ ملک سے مال خرید لیا جاتا ہے۔ اور ایامِ حج میں نرخ تیز ہونے کے باوجود حجاج اس کثرت سے اشیاء خریدتے ہیں کہ اہلِ مکہ کی سال بھر کی روزی مہیا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مکانات کا کرایہ بھی ان کا ایک معقول ذریعہ آمدن ہے۔ تقریباً ہر آدمی مکان کا مالک ہے۔ ایام حج میں ان کا کرایہ انتہائی زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ پھر حج کے علاوہ عمرہ کرنے والے لوگ بھی سال بھر آتے رہتے ہیں۔

۱ھ طبری جلد ۱ عنوان جنگ بدر ۲ھ ایضاً ۳ھ سیرت ابن ہشام عنوان جنگ بدر

۴ھ حیات محمد ص ۲۰

Marfat.com

تجارتی میلے

اس مقام پر عرب کے تجارتی میلوں کا ذکر بھی برمحل ہوگا۔ اگرچہ کتاب کے موضوع کے ساتھ صرف عکاظ کا میلہ مناسبت رکھتا ہے۔ مگر اجمالاً عرب کے دیگر بڑے بڑے تیرہ میلوں کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے:۔

دومۃ الجندل۔ مشقر۔ صحار۔ دبا۔ شجرہ۔ عدن۔ صنعا۔ حضرموت۔ عکاظ۔ ذوالمجاز منیٰ۔ خیبر اور یمامہ۔

دومۃ الجندل سے میلے کا آغاز ہوتا تھا۔ یہ مقام شام کے پاس حجاز کی آخری سرحد پر واقع ہے۔ یکم ربیع الاول سے ۱۵ ربیع الاول تک چہل پہل اور رونق خوب رہتی تھی۔ اس کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتی۔ کلب اور جدیلہ دو قبیلے اس کے پڑوس میں آباد تھے جن کا رئیس قابو اس بازار کا حاکم تھا۔ عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی اس کی اجازت سے بازار لگاتے تھے۔ رئیس خود بھی تجارت کرتا تھا جب تک اس کا مال فروخت نہیں ہو جاتا تھا کسی دوسرے کو مال بیچنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ جسے جو مال پسند آگیا اس پر ایک کنکری ڈال دیتا۔

اس کے بعد مشقر اور بحرین میں یہ میلہ جمادی الاوّل کے پورے ماہ میں جاری رہتا۔ یہ مقام ایران کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں ایرانی تاجر بھی آتے تھے۔ یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) دونوں خاموش رہتے اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی تھی۔

۱۲ رجب سے صحار (عمان) میں سوداگر جمع ہونے شروع ہو جاتے تھے۔ پہلے دو میلوں میں جو تاجر شرکت کرنے سے قاصر رہتے وہ یہاں آجاتے۔ اس میں خرید و فروخت کا طریقہ پہلے سے بھی مختلف تھا۔ سامان اندازہ سے لگایا جاتا تھا اور گاہک پتھر پھینکتے تھے۔ جس سامان پر پتھر جا پڑا اسے اٹھا لیتے۔

Marfat.com

جب یہ میلہ ختم ہوجاتا تو رجب کی آخری تاریخ کو عمان کی بندرگاہ دبا میں جہاں اکثر ممالک کے تاجر آتے تھے میلہ شروع ہوجاتا تھا۔ یہاں ہندوستان۔ سندھ۔ چین اور افریقہ سے بھی سوداگر آتے تھے۔ عرب اور دریا کی چیزیں یہاں فروخت ہوتی تھیں۔ پھر یہاں سے تمام سوداگر شحر میں جمع ہوتے تھے جو عرب کے ساحل پر حضرموت اور عمان کے درمیان واقع ہے۔ یہ میلہ ۱۵ شعبان سے شروع ہوتا تھا۔ چمڑا۔ کپڑا۔ اور دیگر عام ضرورت کی اشیاء یہاں فروخت کی جاتی تھیں اور کچھ جڑی بوٹیاں (نباتاتی دوائیں) بھی لوگ یہاں سے خرید کرلے جاتے تھے۔

شحر سے چل کر عدن میں ان کے ڈیرے لگتے۔ یہاں زیادہ تر دریائی سوداگر جمع ہوتے۔ یکم سے ۲۰ رمضان تک میلہ رہتا۔ یہاں قسم قسم کے عطریات اور خوشبوئیں فروخت ہوتی تھیں۔ عربوں کا یہ دعویٰ ہے کہ خوشبو بنانے میں ان سے زیادہ ماہر پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ اس لیے بحری راستہ سے ہندوستان اور سندھ تک۔ اور بری راستے سے ایران اور روم تک خوشبو یہاں ہی سے پھیلائی ہوتی تھی۔

عدن کے بعد صنعاء کے میلہ کا زمانہ آتا۔ صنعاء یمن کا پایہ تخت تھا۔ یہاں روئی۔ زعفران۔ رنگ۔ کپڑے اور لوہے کی تجارت ہوتی تھی۔ ۱۵ سے ۳۰ رمضان شریف تک یہاں چہل پہل رہتی۔ اس کے بعد لوگ حضرموت چلے جاتے۔ وہاں بھی میلہ لگتا تھا۔ لیکن زیادہ اژدہام عکاظ کے میلہ میں ہوتا۔ عکاظ کا میلہ نجد اور عرفات کے درمیان لگتا۔ یہاں ۱۵ ذیقعدہ سے شروع ہوتا تھا۔

عکاظ ایام جاہلیت کا سب سے بڑا بازار تھا۔ یہاں قریش۔ ہوازن۔ غطفان۔ خزاعہ۔ حارث ابن مناۃ۔ عقل اور مصطلق وغیرہ قبائل جمع ہوتے تھے۔ شعراء اپنے قصائد سناتے۔ خطباء تقریریں کرتے۔ حکام اپنے فیصلے سناتے اور شیوخ معاہدے کی دفعات طے کرتے تھے۔ جب ذی الحجہ کا چاند نظر آتا تو میلہ برخاست ہوجاتا اور تمام لوگ ذوالمجاز کے بازار میں آجاتے اور نو ذی الحجہ

Marfat.com

تک جمع رہتے۔ اور حج سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے جتّی کہ پھر نئے سال سے نیا دور شروع ہو جاتا۔[1]

یوربین مؤرخ امیل درمنغم بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

" کہ مکہ تجارتی منڈی بننے کا سبب عکاظ کا میلہ اور حج تھا۔[2]

مکانات

عرب کے قدیم باشندے خیموں اور جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ سامی زبان میں عرب کے معنی دشت و صحرا میں رہنے والے بادیہ نشین ہے۔ کچھ لوگ شہروں میں اور اکثر صحرا میں آباد تھے مسیحی مورخ جُرجی زیدان بدوی اور حضری معاشرت کا فرق اس طرح بیان کرتا ہے۔

" موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اخیر قرن قبل المسیح تک بلکہ اس کے بعد پہلی صدی عیسوی میں بھی رومانی حکام کے جور و ستم سے تنگ آ کر یہود عرب کے صحراؤں میں بھاگ آئے اور مکہ، مدینہ اور طائف میں سکونت اختیار کی۔ اس اختلاط سے عربوں کی دو قسمیں بن گئیں۔ ایک اہل بادیہ جو اپنی نیچرل سادہ زندگی پر قانع رہے انہیں خانہ بدوش کہا گیا۔ اور دوسرا شہری گروہ جو مکہ۔ مدینہ اور طائف میں آباد ہوئے۔ انہیں حضری یعنی شہری کہا گیا۔[3] "

مورخ موصوف ایک اور مقام پر لکھتا ہے۔

سامی زبان میں "عرب" کا معنی "بدو" ہے۔ چنانچہ عرب کے لوگ بدو تھے خصوصاً شمالی عرب کے باشندے خیموں میں رہتے اور گلہ بانی ان کا پیشہ تھا۔ ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے بلکہ

---

[1] ارض القرآن [2] حیات محمدؐ صہ ۳۹ [3] تاریخ تمدن عرب اسلامی جرجی زیدان جلد ا صہ ۱۵

Marfat.com

جہاں سبزہ شادابی اور پانی ملتا وہاں چلے جاتے۔ کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں۔ وہ لوگ نہ تو مکان بناتے اور نہ ہی تمدن اختیار کرنا پسند کرتے تھے۔[1]

اہل مکہ عربی کلچر اور معاشرت کے اس قدر پابند تھے کہ ان کے نزدیک اسے چھوڑنا مذہبی ملی اور قومی تمدن کی صریح خلاف ورزی سمجھی جاتی تھی علاوہ ازیں ان کے سامنے "بیت اللہ" بھی جلوہ فگن اور رونق افروز تھا۔ اس کے قرب و جوار میں مکان بنانا اس کی بے حرمتی سمجھتے تھے۔ اس لیئے لوگ ندی نالوں کے کنارے رہتے۔ دن حرم شریف میں بسر کرتے اور رات حدود حرم سے باہر اپنے خیموں اور جھونپڑوں میں گذارتے تھے البتہ قریش کے زمانہ میں تمدنی ترقی میں بہت زیادہ پیش رفت ہوئی۔

قریش کے ترقی پذیر عہد میں مٹی گارے کے کچے اور پتھر کے سادہ مکانات تعمیر ہونے شروع ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے سعد بن عمر السھمی نے مکان بنایا یہ بھی چوکور نہیں تھا اور نہ ہی اس کی چھت ہموار تھی۔ آج کل کے مکانات سے اس کی شکل بالکل مختلف تھی اس طرح کا مربع شکل کا پہلا مکان حمید بن زہیر نے بنایا تھا جس پر قریش نے ان الفاظ میں اپنا ردعمل ظاہر کیا۔

ربع حمید بیتًا امّا حیاۃً وامّا موتًا — حمید نے مکان تو بنا لیا ہے اب دیکھئے یہ اس کی موت کا باعث بنتا ہے یا آبادی کا۔

وہ لوگ کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر مربع شکل اور چھت والا مکان بنانا کعبہ شریف کی توہین سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ برائے نام مکان تھے۔ ان میں نہ تو دروازہ ہوتا تھا اور نہ ہی وضع

---

[1] العرب قبل الاسلام جلد ا صـ۱۵۴

Marfat.com

قطع مکان کی تھی۔ عرصہ دراز کے بعد حاطب بن ابی بلتعہ نے سب سے پہلے اپنے مکان کا دروازہ بنایا۔ اس دور میں مکانات کے سامنے کھلے اور کشادہ صحن بنائے جاتے تھے۔ تاکہ حجاج اور زائرین آسانی سے قیام کرسکیں۔

قریش نے جب مکانات بنانا شروع کئے تو سب سے پہلے قومی فلاح و بہبود کی خاطر "دارالندوہ" تعمیر کیا اس کی تعمیر سے پہلے انہوں نے اپنے بادشاہ کا مکان بھی نہیں بنایا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کی حویلی کے دروازے نہ بنائے جائیں۔ ایک مرتبہ ہند بنت سہیل نے اپنی حویلی کا دروازہ بنانا چاہا تو امیر المومنین سے اس کی اجازت طلب کی۔ آپ نے یہ فرماتے ہوئے اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ کہ کیا تم لوگ حج اور عمرہ کرنے والوں پر اپنے دروازے بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

ہند نے عرض کی، خدا کی قسم! ایسا فاسد خیال تو ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم تو حجاج کے سامان کو چوروں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے دوسرا دروازہ بنانا چاہتے ہیں۔

عرصہ دراز تک اسی نوعیت کے کچے اور سادہ مکانات اس شہر کا طرۂ امتیاز رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس قدر ترقی ہوئی کہ آج مکہ کی بلند و بالا اور عالیشان عمارتیں یورپ کے متمدن شہروں کی عمارات سے گوئے سبقت لے گئی ہیں۔ اس وقت مکانات بے حد مضبوط عالیشان اور بلند و بالا ہیں۔ اکثر مکان نو دس منزلہ ہیں کم از کم تین چار منزلہ ضرور ہوتی ہیں۔ جدید طرز کے مکانات کنکریٹ کے بلاکوں اور بجلی کے ذریعہ پکائی گئی اینٹوں سے بنائے جاتے ہیں۔ اور چھت لینٹر کا ہوتا ہے جو لوہے سیمنٹ اور کنکریٹ کی آمیزش سے بنایا جاتا ہے۔ عمارت کے درمیان میں سیڑھی ہوتی ہے جو آخری منزل تک چلی جاتی ہے۔ دروازے لکڑی اور ریلائی وڈ کے بنائے جاتے ہیں کھڑکیاں۔ روشندان اور الماریاں لکڑی اور شیشے کی ہوتی ہیں۔ اس وقت اکثر مکان ایئر کنڈیشنڈ ہیں۔

Marfat.com

چونکہ شہر میں پانی کی سپلائی کا انتظام وسیع پیمانہ پر نہیں ہے اس لئے لوگ مکان کی پہلی منزل میں ڈیوڑھی کے اندر زیر زمین ٹینکی بنا لیتے ہیں جسے موٹر گاڑی کے ذریعہ بھروا لیتے ہیں اور پھر بجلی کی موٹر کے ذریعہ آخری چھت پر رکھی ہوئی چھوٹی چھوٹی فولادی ٹینکیاں بھر لی جاتی ہیں۔ پھر ان ٹینکیوں سے پائپ کے ذریعہ ہر منزل میں پانی پہنچایا جاتا ہے۔ زاہر عسقلانی جعرانہ کے کنوؤں اور جدہ سے گاڑیوں کے ذریعہ پانی لایا جاتا ہے۔ جس طرح پاکستان میں آئل ٹینکر ہوتے ہیں۔ اسی طرح کے ٹینکر وہاں پانی لاتے ہیں۔ جدہ میں سمندر کا پانی فلٹر کیا جاتا ہے۔ اور وہی مکہ معظمہ میں سپلائی ہوتا ہے۔ نہر زبیدہ کا پانی بھی استعمال ہوتا ہے۔ شہر میں جا بجا مخزن بنے ہوئے ہیں جہاں کافی مقدار میں ٹونٹیاں لگی ہوتی ہیں جن سے سقّے اور حجاج پانی بھرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں حجاج کو پانی قیمتاً خریدنا پڑتا تھا۔ چونکہ پانی کی سخت قلت ہوتی تھی اس لئے حج کے ایام میں خاصا گراں فروخت ہوتا تھا۔ لیکن ابوالقلم خاموش فتحپوری ۱۹۳۵ء کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

سعودی حکومت کی برکت سے پانی کا انتظام بہت ہی عمدہ ہو گیا ہے ایک ٹین صرف ایک پیسے میں مل جاتا ہے جب کہ اس سے پہلے ایک ٹین آٹھ اور بارہ آنے میں ملتا تھا۔[1]

اس دور میں تمام مکانات فلش سسٹم میں بڑے بڑے گٹروں کے ذریعے گندگی نشیبی علاقوں میں چلی جاتی ہے۔ بعض مکانات میں اب بھی قدیم طرز کے عارضی فلیش بنے ہوئے ہیں۔ مگر ان میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالقلم خاموش نے اپنے سفرنامہ میں بیت الخلاء کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :-

---

[illegible]

Marfat.com

لوگ سنڈاس (بیت الخلاء) میں پاخانہ پھرتے ہیں جس میں صرف قدمچہ نظر آتا ہے مگر معلوم نہیں فضلا کہاں چلا جاتا ہے۔ فرش پر جہاں پیشاب گرتا ہے وہ دھلتا رہتا ہے۔ اور سنڈاس میں نمک ڈالتے رہتے ہیں جس سے فضلہ گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے۔ بدبو یا غلاظت ہرگز نہیں ہوتی سنڈاس کا دروازہ بھی ہوتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ انگریزی طرز کا ایک خاص ہوٹل بھی بن گیا ہے جس میں مسہریاں، مچھر دانیاں۔ باتھ روم وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس کا کرایہ پانچ روپے یومیہ فی کس ہے[1]

سڑکوں اور بازاروں کی صفائی کا کام ۱۳۲۲ھ سے میونسپلٹی کا عملہ کر رہا ہے۔ جو تمام تر مسلمان ہے عملہ وزارت داخلہ مقرر کرتی ہے۔ کوڑا کرکٹ ٹرکوں میں بھر کر شہر سے باہر ڈال دیا جاتا ہے سڑکیں خوبصورت اور صاف ستھری ہیں کہیں بھی غلاظت دکھائی نہیں دیتی۔

ابن بطوطہ نے ۷۲۸ھ میں صفا مروہ کے بازار کا تذکرہ اس طرح کیا تھا۔

" اس جگہ بہت بڑا اور منظم بازار ہے۔ پورے شہر میں اس سے اچھا بازار نہیں ہے یہاں غلہ۔ گوشت۔ کھجور۔ گھی اور پھل کی دکانیں ہیں۔ حج کے زمانہ میں سخت بھیڑ ہوتی ہے"[2]

لیکن اس زمانہ میں صفا مروہ کے درمیان بازار کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اس جگہ صرف سعی کی جاتی ہے۔ البتہ صفا کے باہر دار ارقم کی جگہ ایک سہ منزلہ بازار تھا جسے ۱۳۹۵ھ میں ختم کر دیا گیا۔ اس وقت سب سے بڑی مارکیٹ سوق اللیل ہی ہے جہاں قدیم بازار کے علاوہ ایک سہ منزلہ جدید مارکیٹ بھی بنائی گئی ہے۔ جو سارے شہر میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ حجاج کی تمام مطلوبہ اشیاء اس میں دستیاب ہیں۔ تھوک اور پرچون ہر طرح کی دکانیں ہیں۔ ہر قسم کا کپڑا۔

---

[1] مرقع حجاز صہ ۵۵ [2] سفرنامہ ابن بطوطہ صہ ۲۰۵

Marfat.com

ریڈیو۔ کراکری۔ گھڑیاں۔ رومال۔ ٹوپیاں۔ تسبیحاں۔ جائے نماز۔ قالینیں، کپڑے۔ جوتے۔ کھلونے اور اشیائے خوردنی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

علامہ لبیب بتنونیؒ نے بھی اس بازار کی کچھ کیفیات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"سوق اللیل میں حجاج کو تمام ضروریات دستیاب ہیں۔ ایام حج میں سخت رش ہوتا ہے۔ بوجھ اٹھانے والے۔ لکڑیاں لانے والے۔ شتربان۔ خربار۔ بہشتی اور مزدور بہت کثرت سے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔"[1]

اگرچہ پہلے کی نسبت اس زمانہ میں بھیڑ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر شتربان۔ خرکار اور لکڑیاں لانے والے اب کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ اس وقت ٹیکسی گاڑیاں اس قدر عام ہیں کہ جہاں کسی نے جانا ہو یا تھوڑا بہت سامان لے جانا ہو تو مرسڈیز۔ مزدہ اور شورلائٹ جیسی گاڑیاں موجود ہیں۔ اور لطف یہ کہ اندرون شہر بہت سستے داموں میسر آجاتی ہیں۔ مزدور زیادہ تر معلموں کے پاس ہوتے ہیں اور بازار میں خال خال نظر آتے ہیں۔

ٹریفک کنٹرول کے لئے مواصلاتی کیمرے جابجا نصب ہیں۔ جو اپنے ہیڈکوارٹر میں تصاویر پہنچاتے ہیں۔

الشیخ ابراہیم رفعتؒ نے ۱۳۲۰ھ میں بازار کا نقشہ اس طرح بیان کیا تھا۔

"مکہ مکرمہ کی آبادی تقریباً سات ہزار مکانات پر مشتمل ہے۔ ایام حج میں بیس لاکھ آدمی سما جاتے ہیں۔ بازاروں میں ۳۰۰۰ دکانیں ہیں۔ محلہ قرارہ میں بڑے بڑے مکانات ہیں۔ لیکن محلہ جیاد میں بہت زیادہ حسین و جمیل اور بلند و بالاتر کی طرز کے مکانات ہیں۔ کیونکہ اس کا

---

[1] الرحلۃ الحجازیہ صد ۶۲

Marfat.com

محل وقوع بلند جگہ پر ہے۔

تعمیراتی نظام

قدیم زمانہ ہی سے مکہ میں فنِ تعمیر کے ماہرین کی بہتات تھی۔ اس فن میں کمال کسی ٹکنیکل یونیورسٹی کی تعلیم کا مرہونِ منت نہیں تھا۔ بلکہ ان لوگوں کی خداداد صلاحیت اور عقل و دانش کا یہ کرشمہ تھا مکہ کے جاہل معمار دنیا کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ انجنیروں سے زیادہ ماہر تھے۔ وہ سنگ تراشی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ پتھروں کی ایسی بے نظیر عمارتیں بناتے جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ ان کی بے مثال کاریگری کے نادر نمونے آج بھی موجود ہیں۔

ان کا تعمیراتی شعبہ حسب ذیل افراد پر مشتمل تھا۔

۱۔ **رئیس**۔ ڈائریکٹر جنرل تعمیرات جس کے حکم کے مطابق ماتحت عملہ کام کرتا تھا۔ رئیس سمیت تمام عملہ صرف مکہ کے باشندوں پر مشتمل تھا۔

۲۔ **معلّم**۔ رئیس کی ہدایات کے مطابق تعمیر کا کام اپنے ہاتھوں کرتا اور عمارت کی کمزوری اور مضبوطی دریافت کرنے میں خاصا ماہر ہوتا تھا۔

۳۔ **قواری**۔ یہ پتھر کی تراش خراش اور بنانے کا کام کرتا تھا۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر توڑ کر قواری کے سپرد کیے جاتے اور وہ انہیں تراش کر درست کرتا تھا۔

۴۔ **فلاتی**۔ یہ قواری کے پاس پتھر پہنچانے پر مامور ہوتا تھا۔

۵۔ **مُرَوِّج**۔ تعمیر میں چھوٹے اور بڑے پتھروں کے درمیان خلا پُر کرنے کے لئے پتھروں کے ٹکڑے معلم کو دینا اس کا کام تھا۔

۶۔ **خلاط**۔ یہ آدمی مٹی میں مناسب مقدار میں چونا ملا کر گوندھنے والا تھا۔

Marfat.com

۷۔ طیّان ۔ وہ مزدور جو معمار کو چونا گارا دیتا تھا ۔

پتھر پہاڑوں سے توڑ کر گدھوں کے ذریعہ مکان کی جگہ لائے جاتے تھے ۔ ایک گدھا چار یا پانچ پتھر اٹھا سکتا تھا ۔ اسی طرح چونے کی بھٹیاں تنعیم کے قریب تھیں ۔ وہاں سے گدھوں پر لاد کر لاتے تھے ۔

پتھروں کے مکانات کے علاوہ جھونپڑوں کا عام رواج تھا ۔ جو کھجور کی شاخوں اور بعض دوسرے درختوں کی لمبی ٹہنیوں سے قبہ نما بنائی جاتی تھیں ۔ ان کی وسعت چار میٹر تک ہوتی تھی ۔ بعض حویلیوں میں مردوں ۔ عورتوں ۔ کھانے پینے اور سونے کے لئے علیحدہ علیحدہ جھونپڑیاں ہوتی تھیں ۔ اگرچہ ان کی چھت شاخوں اور چٹائیوں کی ہوتی تھی ۔ مگر بارش کا پانی اندر نہیں جا سکتا تھا ۔ سوڈان ۔ ہندوستان اور جاوا کے لوگ زیادہ تر جھونپڑوں میں رہتے تھے ۔ لیکن ۱۳۷۰ھ کے بعد جھونپڑوں کا وجود ختم ہو گیا ۔

بڑھئی لکڑی کے کام میں بہت زیادہ ماہر تھے ۔ مکانات کی چھتیں اور کھڑکیاں نقش و نگار سے اس طرح مرصع کرتے تھے کہ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں ۔ قصیدے اور اہم فیصلے چھت کے اندر لکڑی تراش کر عمدگی سے لکھتے تھے ۔ حرم شریف کے چاروں طرف اکثر مکانات ان کی اس فن کاری کی منہ بولتی تصویر تھی ۔ لیکن ۱۳۷۵ھ میں حرم کی توسیع کے باعث ان تمام عمارتوں کو منہدم کر دیا گیا ۔

قہوہ خانے

عرب کے دستور کے مطابق مکہ مکرمہ میں بھی بکثرت قہوہ خانے پائے جاتے تھے ۔ جو رفتہ رفتہ ہوٹل کا روپ دھار چکے ہیں ۔ ڈاکٹر ری بان فرانسیسی قہوہ خانہ کی کیفیات اس طرح بیان کرتا ہے :۔

Marfat.com

قہوہ خانے کثرت سے ہیں۔ چٹائیوں۔ قہوہ کی پیالیوں اور نارگیلوں (چلم) کے سوا کوئی سامان ان میں نہیں ہوتا۔ لیکن جو قہوہ یہاں بنایا جاتا ہے وہ اس قدر نفیس ہوتا ہے کہ یورپ واپس آنے کے بعد سب سے بڑی تکلیف یہ ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو از سر نو اس بے مزہ اور بے لطف جوشاندہ کا عادی کرنا پڑتا ہے جسے ہمارے ہاں قہوہ کہتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ مشرق میں قہوہ کا استعمال بالکل جدیدہ ہے۔ تمدن عرب کے عروج کے وقت نہیں تھا۔ قہوہ پیتے وقت اس خوشبودار اور مزیدار تمباکو کے پینے کا بھی دستور ہے۔ جس کی محض مصنوعی نقل یورپ میں آئی ہے۔

یہ تمباکو اکثر لمبے نیچے والی نارگیلیوں میں جن کی کئی شکلیں ہوتی ہیں پیتے ہیں۔ یہ نارگیلیاں اس طرح پر بنی ہیں کہ دھواں پینے والے کے منہ میں آنے سے پہلے پانی میں سے گزرتا ہے جس کی وجہ سے تمباکو کی سمیت رفع ہو جاتی ہے۔ نارگیلی کا تمباکو پہلے پانی میں بھگوتے ہیں پھر باریک کپڑے میں نچوڑ لیتے ہیں۔ تمباکو چلم پر رکھا جاتا ہے اور پھر اس پر دہکتے ہوئے کوئلے کا ٹکڑا رکھ دیتے ہیں بعد ازاں نیچے والے سرے کو منہ سے کھینچتے ہیں اور ذرا سی کش لگانے سے دھواں منہ میں آجاتا ہے۔[1]

اگرچہ حجاز اور دیگر ممالک میں "قہوہ خانہ" کے قیام کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں ہو سکی۔ مگر کم از کم پانچ سو سال سے ان کا وجود پایا جاتا ہے۔ قہوہ خانہ میں روح اور بدن کو خوش کرنے کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ ہر طرح کے پھل۔ کھانا۔ پانی اور دیگر مشروبات دن رات ہر وقت دستیاب ہوتے ہیں۔ ان میں جو سامان استعمال ہوتا ہے اس کی تفصیلات اس طرح ہیں۔

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۳۳۹

Marfat.com

لکڑی کی کرسیاں جن کی لمبائی قد انسانی کے برابر اور زمین سے تین فٹ اونچی ہوتی ہیں ایک کرسی پر تین آدمی آسانی سے اور ضرورت کے وقت چار بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ کرسیوں کے پائے لکڑی کے ہوتے ہیں اور بیٹھنے کی جگہ کھجور کی رسی سے بنی ہوتی ہے۔ یہی کرسیاں چارپائی کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں جن پر سردی اور گرمی ہر موسم کے مطابق بستر لگا دیئے جاتے ہیں لوگ دن رات انہی پر سوتے ہیں۔

ان قہوہ خانوں میں پانی اور چائے وغیرہ پینے کے لئے مٹی کے گلاس اور پیالیاں ہوتی تھیں۔ کہیں کہیں ٹین کے نفیس گلاس بھی پائے جاتے تھے ——— زائرین اور حجاج کی سہولت کے لئے قہوہ خانے دن رات کھلے رہتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں رابغ۔ ینبوع۔ مستورا اور کئی دوسری جگہ بھی قہوہ خانے موجود ہیں۔ ان میں ٹھنڈا پانی۔ مچھلی۔ لوبیا۔ انڈے۔ چاول مسور گوشت اور پھل وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔

اس زمانہ میں بھی یہ قہوہ خانے مکہ مشرفہ کے باہر اور مدینہ منورہ کے راستہ میں بہت سی جگہوں پر موجود ہیں جہاں استراحت کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی تمام چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔

ہوٹل یا فندق

مکہ مکرمہ بلکہ پورے حجاز میں ایسے ہوٹلوں کا کہیں نام و نشان نہیں تھا جو ریسٹوران کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اور ان میں مسافروں کے قیام و طعام کا انتظام ہو۔ اگرچہ مکہ معظمہ میں ہر دور میں ایسی عمارتیں موجود رہی ہیں جنہیں حجاج قیام کے لئے استعمال کرتے تھے جو "رباط" یعنی مسافر خانہ کہلاتی تھیں۔ لیکن ریسٹورنٹ نہیں تھا۔ بلکہ ۱۳۵۲ھ تک پورے سعودی عرب میں ایسا کوئی ہوٹل نہیں تھا۔

Marfat.com

جب لوگ مکہ مکرمہ سے جدہ یا جدہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ یا کسی دوسرے شہر میں سفر کرتے تو وہاں اپنے رفقا اور شناسا لوگوں کے ہاں بطور مہمان قیام کرتے۔ یا پھر تھوڑی یا طویل مدت کے لئے کسی کا مکان کرایہ پر لیتے۔ اور اگر کوئی سرکاری مہمان ہوتا تو وہ ریسٹ ہاؤس میں قیام کرتا۔ اسی طرح حجاج اپنے وکلا کے ہاں قیام کیا کرتے تھے۔

الاستاذ ابراہیم عبدالقادر المازنی بھی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ جدہ میں کوئی ریستوران نہیں ہے۔ آنے والے مسافر اپنے واقف کار لوگوں کے پاس یا پھر کرائے کے مکان میں قیام کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں سب سے پہلا ریسٹوران ۱۳۵۵ھ میں فندق مصر محلہ جیاد میں مصر کی وزارت مالیات نے بنایا تھا۔ جو بے حد خوبصورت اور بڑا تھا۔ جسے ۱۳۶۶ھ میں الشیخ کعکی نے خرید لیا پھر اس کے بعد آٹھ فندق اور بن گئے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

فندق مصر۔ فندق السلام۔ فندق الحرم۔ فندق عرفات۔ فندق التیسیر۔ فندق شبرا۔ فندق ام القری۔ اور فندق مکہ بالاس۔

آج کل ان کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ حرم محترم کے چاروں طرف فلک بوس ہوٹل اپنی نرالی شان دکھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بعض شاہراہوں پر اسی طرح کے خوبصورت، بلند و بالا ہوٹل موجود ہیں۔ صرف حرم کے ارد گرد جو بڑے بڑے ہوٹل ہیں ان کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

خوتیر ہوٹل۔ محلہ جیاد کے سامنے ۱۳ منزلہ ہے جو تمام ہوٹلوں سے بڑا ہے۔ اس کے ساتھ ہی غربی سمت شبرا ہوٹل ۱۲ منزلہ ہے۔ مروہ کی جانب باب السلام کے سامنے تقریباً ایک سو گز کے فاصلہ پر عمارت الاشراف کی دوسری منزل میں فندق زمزم واقع ہے۔ سبز رنگ کی ٹیوبیں جوڑ کر انتہائی خوبصورت "فندق زمزم" لکھا ہوا ہے۔ عمارت الاشراف مکہ مکرمہ کی تمام عمارتوں

Marfat.com

سے بڑی ہے۔ باب عمرہ کے سامنے مکہ ہوٹل ۱۲ منزلہ عمارت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی ۹ منزلہ عمارت میں ہوٹل عرفات واقع ہے۔ اس کے ساتھ ہی فندق قطب الدین اور فندق الانصار بھی ہیں۔ اسی طرح فندق افریقیا۔ فندق الحرم۔ فندق الفتح۔ فندق المدینہ۔ فندق القطان اور فندق الصفا وغیرہ بہت بڑے اور مشہور ہیں۔

جدہ روڈ پر جہاں مکہ مکرمہ کی آبادی ختم ہو رہی ہے۔ سڑک کے دائیں جانب فرانسیسی طرز کی ایک ماڈرن قسم کی عمارت میں ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل واقع ہے اور اس کے بالمقابل بائیں جانب غلافِ کعبہ بننے کا کارخانہ ہے۔

محلہ جیاد میں پاکستانی ہوٹل واقع ہے۔ جہاں صرف پاکستانی طرز کا کھانا ملتا ہے جو بازار کی نسبت رعایتی بھی ہوتا ہے۔

رباط

مکہ معظمہ جہاں اطراف واکناف عالم سے زائرین جوق در جوق سارا سال آتے رہتے ہیں ان کی آسائش اور راحت رسانی کی خاطر صاحب ثروت و دولت مند لوگوں نے مختلف ادوار میں متعدد رباطیں (سرائیں۔ مسافر خانے۔ ہاسٹل) تعمیر کرائیں اور انہیں وقف عام کر دیا جو چاہے وہاں قیام وآرام کریں۔ اس دور میں بھی چند رباطیں موجود ہیں۔ اکثر حجاج کرائے کے مکان اور ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں۔ یہاں چند رباطوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

رباط السدرۃ۔ حرم شریف کی شرقی جانب باب بنی شیبہ کے قریب واقع تھی امام تقی الدین فاسی فرماتے ہیں۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس نے تعمیر کرائی اور کب وقف کی۔ البتہ اتنا اندازہ پیش فرماتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل بنائی گئی تھی۔ اور یہ اسی جگہ واقع ہے جہاں ہارون الرشید

Marfat.com

کے زمانہ میں دار القواریر تعمیر ہوا تھا۔

رباط قاضی القضاۃ ابی بکر محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم المراغی۔ یہ رباط بھی مذکورہ رباط کے متصل تھی اور اس کا دروازہ حرم شریف کے باب الجنائز کے قریب تھا جو ۵۷۵ھ میں وقف کی گئی تھی۔

رباط امیر اقبال المستنصر عباسی یہ بھی باب ابن ابی شیبہ کے قریب دروازہ میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب تھی۔ یہ ۶۴۱ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔

رباط خلیفہ ناصر العباسی کی والدہ ماجدہ جو عُطیفہ کے لقب سے مشہور تھی۔ یہاں عُطیفہ والی مکہ کی رہائش تھی۔ ۵۹۹ھ کو وقف کی گئی۔ اس کے دروازہ پر یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ فقرا۔ صوفیار و اصفیار۔ اور علمار وغیرہ کے لئے وقف ہے۔

رباط حافظ ابی عبد اللہ بن مندہ الاصفہانی۔ یہ دار الندوہ کے قریب واقع تھی۔ اور برہان طبری کے نام سے شہرت پذیر تھی۔ اور اس کے دروازہ کے پتھر پر لکھا ہوا تھا کہ اصفہان سے آنے والے حجاج کے لئے چالیس دن کے لئے وقف ہے اور دوسرے ہر ملک کے زائرین کے لئے دس ماہ اور بیس دن گویا کہ سارا سال۔

رباط الشیخ ابی حفص عمر بن عبد المجید المیانشی، **رباط** الفقاعیہ یہ ۴۶۲ھ میں وقف کی گئی تھی۔ اور ایک رباط صالحہ کے نام سے مشہور تھی۔

رباط الخاتون جو ابن محمود کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۵۷۲ھ میں وقف کی گئی تھی۔ اس کے دروازہ کے پتھر پر لکھا ہوا تھا کہ یہ عرب و عجم کے صوفیار اور نیک لوگوں کے لئے وقف کی جاتی ہے۔ اور یہ فاطمہ بنت الامیر ابی لیلیٰ محمد بن انوشیروان الحسنی نے وقف کی ہے۔

Marfat.com

صنعت و حرفت

اب قارئین کی خدمت میں مکہ مکرمہ کے کاریگروں کے فنی کارناموں کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے جس سے اکثر لوگ بلکہ اہل علم حضرات بھی بے خبر ہیں۔ یہاں تک کہ اس شہر دلربا کے تذکرہ نگاروں نے بھی ان سے پہلوتہی کی ہے!

اہالیان مکہ قدیم زمانہ سے مختلف چیزوں کی صنعت میں خاصی مہارت رکھتے تھے جن میں سے بعض چیزیں برآمد بھی کی جاتی تھیں۔ مثلاً نجاری۔ حدادی۔ زرگری اور ظروف سازی میں مکہ کے کاریگر بہت مشہور تھے۔ لیکن یہ صنعتیں محدود نوعیت کی ہونے کے باعث مورخین نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ اور اسی وجہ سے عام لوگ بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں کہ وہاں صنعت و حرفت نہیں ہے۔ اگرچہ اب بحمد اللہ اس شعبہ میں قابل قدر ترقی ہو چکی ہے لیکن ہم بطور نمونہ صرف

Marfat.com

چند چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔

زرگری انسانی ضروریات، آرائش اور خوبصورتی کے لئے زیور کو بے حد قدر و منزلت حاصل ہے۔ خصوصاً عورتوں کے فطری احساسات اور خواہشات کا ان سے گہرا تعلق ہے۔ قدیم زمانہ سے مختلف بیش بہا قیمتی دھاتوں اور جواہرات سے زیورات بنانے کا سلسلہ قائم ہے۔ اس معاملہ میں دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مشرفہ بھی برابر کا شریک ہے۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے کے زیورات مصر، یمن، عراق اور بعض دوسرے ممالک کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مکہ مشرفہ کے کاریگر اس صنعت میں مدت دراز سے قابل تعریف ترقی کر چکے تھے۔ اس دور میں بھی انتہائی نفیس اور عمدہ، دلربا اور جاذب نظر زیورات بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے نادر الوجود اور بیش بہا قیمتی جواہرات سے مرصع سونے کے لاکٹ، ہار، کنگن اور نفیس و کریم قیمتی پتھروں کے نگینوں سے مرصع انگوٹھیاں قابل ذکر ہیں۔

بعض زرگر کئی پشتوں سے یہ کام کر رہے ہیں جب کہ بعض نئے کاریگروں نے ذوق اور شوق میں درجہ کمال حاصل کر لیا ہے۔ مکہ مکرمہ زیورات درآمد کرنے کا چنداں محتاج نہیں ہے۔

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں بھی تانبے کے برتن بنانے کا طریقہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔ خصوصاً ہانڈی اور کھانا پکانے کے برتن بڑے عمدہ اور خوبصورت بنائے جاتے تھے لیکن مٹی کی ہانڈی یا دوسرے برتن نہیں بنتے تھے کیونکہ مکہ شریف کی مٹی اس کام کے لئے موزوں نہیں تھی۔ البتہ مصر اور یمن میں مٹی کی ہانڈیاں بنتی تھیں اور یمن میں ہانڈیوں کے علاوہ چائے کے دیگچے اور پیالیاں بھی بنائی جاتی تھیں۔ اب بھی ان کی یہ صنعت مشہور ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مٹی کے برتن میں لکڑی کی آگ پر پکا ہوا کھانا تانبہ کے برتنوں میں تیل کے چولھے پر پکے ہوئے کھانے سے زیادہ خوش ذائقہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

"تانبے کے برتنوں کی صنعت اب تک مکہ مکرمہ میں قائم ہے۔ لیکن ۱۳۳۰ھ میں جب ایلومینیم کی مصنوعات ایجاد ہوئیں تو اس کے برتنوں کو اس قدر پذیرائی ہوئی کہ بازاروں کے بازار بھر سے پڑے ہیں۔ جب کہ حجاز کے شہروں میں یہ برتن ۱۳۶۰ھ میں آئے ہیں۔

صراحی کی صنعت

مکہ معظمہ میں پانی ٹھنڈا کرنے کے لیے مٹی کی صراحی کا استعمال بکثرت ہوتا تھا۔ یہ مختلف طرز اور سائز کی چھوٹی۔ بڑی۔ متوسط۔ گول اور لمبی کئی قسم کی ہوتی تھیں۔ پھر ان پر دیدہ زیب نقاشی کر کے اور بھی زیادہ دلکش بنا دی جاتی تھیں۔ ان میں پانی بھر دیا جاتا جو کچھ دیر بعد ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے مکہ مکرمہ کی نسبت مدینہ منورہ کی مٹی زیادہ مفید ثابت ہوئی اس مٹی کی صراحی مضبوط ہونے کے علاوہ پانی ٹھنڈا کرنے میں زیادہ مشہور تھی۔ اس کا رنگ سفید ہوتا تھا۔

۱۳۶۰ھ کے بعد جب برف، کولر اور فریج وغیرہ آ گئے تو ان صراحیوں کی صنعت ماند پڑ گئی۔ اور لوگ ان کی بجائے نئی ایجادات سے مستفید ہونے لگے۔ اس کے علاوہ وضو کے لیے مٹی کے لوٹے اور گھڑے بھی مکہ مکرمہ میں بنائے جاتے تھے۔

۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں راقم الحروف نے ان صراحیوں کا کرشمہ دیکھا کہ رمضان المبارک میں ظہر کے بعد زمزم سے بھر کر باب السلام کی جانب صحن حرم میں واقع گرم کنکریوں میں رکھ دی جاتیں۔ جب کہ دھوپ بھی کافی تیز ہوتی تھی۔ لیکن افطار کے وقت حجاج اور زائرین جب ان صراحیوں سے پانی پیتے تو خاصا ٹھنڈا ہوتا تھا۔ حالانکہ دھوپ میں اور پھر گرم کنکریوں پر پانی گرم ہونا تو یقینی امر ہے مگر اس کا ٹھنڈا ہونا حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ رمضان المبارک کے

Marfat.com

بعد ہم اپنی قیام گاہوں میں بھی ان صراحیوں کے ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء کو جب اللہ رب العزت نے زیارت حرمین شریف کی نعمت سے نوازا تو اس وقت ان صراحیوں کی بجائے برف اور فریج کا پانی بکثرت ملتا رہا۔ بازار میں صراحیاں بہت کم دیکھی گئیں۔ کیونکہ اب تو ان کا رواج بالکل ختم ہو گیا ہے البتہ بعض حجاج تحفۃً خرید کر لاتے ہیں۔

پلاسٹک کی صنعت

۱۳۸۲ھ میں الشیخ محمد احمد بوقری نے پلاسٹک کی مصنوعات کا ایک کارخانہ لگایا جس میں بجلی کا سامان۔ بعض عمارتی سامان سٹیشنری کی بعض چیزیں، بوتلیں اور کین وغیرہ بنائے جانے لگے۔ اس صنعت میں خاصی ترقی ہوئی اس وقت پلاسٹک کے لوٹے۔ بوتلیں اور کین بہت بڑی تعداد میں تیار کئے جارہے ہیں اور پلاسٹک کی چپلیں بھی بنائی جاتی ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔ اب تو تھوڑی بہت انڈسٹریز اور ٹیکسائل ملز بھی لگ گئی ہیں۔ فرنیچر اور برتن بھی بنائے جاتے ہیں[۱]

برف سازی

دوسرے ممالک کی نسبت مکہ مکرمہ میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی اولے بھی پڑتے ہیں جو اہالیان مکہ خصوصاً بچوں کے لئے نادر تحفہ ہوتا ہے۔ جنہیں جمع کر کے شربت میں ڈال کر خوشی خوشی پیتے ہیں۔ اگر اولے چھوٹے چھوٹے دانے ہوں تو انہیں حب الغمام

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۷۳ء زیر لفظ مکہ

Marfat.com

اور حبّ المزن کہتے ہیں۔ بعض اوقات انگور کے برابر یا اس سے قدرے چھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ یمن کے علاقہ میں بعض دفعہ انار اور سیب کے برابر بھی اولے پڑے ہیں۔

لیکن مکہ والے مصنوعی برف یعنی کارخانہ میں تیار شدہ برف سے ناواقف تھے۔ علامہ ازرقی کی روایت کے مطابق مکہ شریف میں ۱۶۴ھ میں پہلی مرتبہ برف اس وقت آئی جب خلیفہ مہدی عباسی فریضہ حج ادا کرنے آیا تھا۔[1] چنانچہ مختلف اوقات میں مندرجہ ذیل کارخانے لگائے گئے۔ جن سے شہر میں کسی حد تک برف کی ضرورت پوری ہونے لگی۔

۱۔ ۱۳۳۰ھ میں پہلا کارخانہ الحاج نسیم شامی نے لگایا۔ یہ کارخانہ جنت المعلاۃ کی جانب سوق المعلاۃ میں تھا۔ بعد میں الشیخ عبداللہ باحمدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خرید لیا۔ اور عرصہ تک اسی جگہ قائم رہا۔ بعد ازاں جدہ روڈ پر ام الدود کے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

۲۔ ۱۳۷۰ھ میں الشیخ صدقہ اور الشیخ سراج کعکی دو بھائیوں نے جرول میں ایک کارخانہ لگایا۔

۳۔ ۱۳۷۵ھ میں الشیخ عبداللہ کعکی نے مسفلہ میں لگایا۔

۴۔ ۱۳۷۷ھ میں الشیخ طٰہٰ خیاط نے مکہ اور منیٰ کے درمیان الششہ کی جانب لگایا تھا۔

۵۔ ۱۳۷۹ھ میں الشیخ محمد عمر سعید عبید نے مکہ اور منیٰ کے درمیان حوض البقر کے مقام پر کارخانہ لگایا تھا۔

اس وقت نہ صرف برف سازی کے کارخانوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے بلکہ اب تو تقریباً ہر گھر میں برف بنانے اور دوسری اشیاء کو محفوظ رکھنے کے لئے ریفریجریٹر موجود ہیں۔ مشروبات کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے ہر دکان پر ڈیپ فریزر موجود ہیں۔ یہ ترقی زیادہ تر ۱۳۹۴ھ مطابق

---

[1] اخبار مکہ عنوان تعمیر مہدی عباسی

Marfat.com

۱۹۷۴ء کے بعد ہوئی ہے۔ بلا ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء کے آخر میں آٹومیٹک برف ساز گاڑیاں بھی حجاج کو اپنی طلسم کاری سے محظوظ کر رہی تھیں۔ ان گاڑیوں کے باعث منیٰ میں حجاج کو بجید سہولت نصیب ہوئی۔ موٹر کے اگلے حصہ میں پائپ سے پانی داخل ہوتا اور دوسری طرف سے برف بن کر نکل آتی تھی جس کا بلاک تقریباً ۱ کلوگرام کا ہوتا ہے۔

آٹا مشین

قدیم زمانہ میں دنیا کے تمام ممالک میں گندم۔ مکئی اور دیگر غلہ پتھر کی بنی ہوئی ہاتھ چکی سے پیستے تھے۔ جن علاقوں میں پانی وافر مقدار میں ہوتا وہاں پن چکی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں بھی گندم۔ باجرہ۔ مکئی اور چنے وغیرہ ہاتھ چکی سے پیسنے کا رواج تھا۔ جیسا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق روایت ہے کہ وہ چکی پیسا کرتی تھیں۔ تقریباً ہر گھر میں ہاتھ چکی موجود تھی۔

دولت عثمانیہ کے آخری ایام میں ۱۳۰۷ھ میں فہمی آفندی قرملی الترکی نے محلہ الفلق میں آٹا پیسنے والی مشین لگائی۔ لوگ اسے دیکھ کر تعجب کرتے اور اسے "بابور الطحین" (انجن والی گاڑی) کہتے تھے۔ اس مشین کے آنے سے ہاتھ چکی کا رواج رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ میں بہت تھوڑے گھروں میں ہاتھ چکی باقی رہ گئی تھی۔ اکثر لوگ مشین سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ابتدا میں اس کا انجن ڈیزل سے چلتا تھا۔ مگر اس وقت بجلی سے چلنے والی مشینیں لگی ہوئی ہیں۔

اس دور میں اگرچہ مکہ مکرمہ کے لوگ گھروں میں روٹی نہیں پکاتے بلکہ تنور اور بیکری سے روٹی خریدتے ہیں اس کے باوجود تقریباً ہر محلہ میں مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ گذشتہ کئی سال سے پاکستانی حجاج کو راشن کے طور پر مکہ شریف میں گندم ملتی تھی جو پاکستان سے بوریوں میں بند کرکے بھیجی جاتی تھی۔ اکثر حجاج اسے مشین سے پسوا کر اپنے کام میں لاتے تھے۔ ممکن ہے کسی

Marfat.com

دوسرے ملک کے حجاج کو بھی اس طرح راشن ملتا ہو۔ علاوہ ازیں مکہ شریف میں گندم۔ باجرہ اور دوسری اجناس دکانوں سے دستیاب ہیں۔

آرا مشین

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں لکڑی چیرنے کا نہایت سادہ مگر سخت محنت طلب اور تکلیف دہ انتظام تھا جس لکڑی کو چیرنا مقصود ہوتا اس کا ایک سرا زمین میں گاڑ کر دو مستری اس کے اوپر والے سرے سے آرا چلانا شروع کرتے جب وہ نصف تک چیر لیتے تو اسے الٹا کر لیتے یعنی اوپر والا سرا زمین میں گاڑ دیتے اور زمین والا اوپر کر کے پھر آرا چلانا شروع کر دیتے اس طرح پہلے اس کے دو حصے کرتے پھر حسب ضرورت ان کی چھوٹی چھوٹی تختیاں اور بھٹیاں ایک آدمی بھی بنا لیتا تھا۔

اس طریقہ میں جہاں تکلیف اور مشقت بہت زیادہ ہوتی تھی وہاں وقت بھی کافی خرچ ہوتا تھا جب مکہ کی آبادی میں بہت اضافہ ہو گیا اور لکڑی کے کام کی مانگ بڑھ گئی تو ۱۳۵۸ھ میں الشیخ احمد نحاس نے بجلی سے چلنے والی آرا مشین لگائی جس سے کام میں بے حد آسانی ہو گئی۔ پھر رفتہ رفتہ دوسرے لوگوں نے بھی یہ کاروبار شروع کر دیا حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ تک شہر میں تیس آرا مشینیں لگ چکی تھیں۔ جن سے نجاری کے کام میں بہت سہولت ہو گئی۔

اگرچہ اس وقت مکانات کے لئے لکڑی کا کام بہت کم ہوتا ہے لیکن فرنیچر کی لکڑی ان مشینوں سے حسب ضرورت چیری جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ مذکورہ تعداد میں اب کمی بیشی ہو گئی ہو کیونکہ اب حالات کافی بدل چکے ہیں۔

Marfat.com

مکہ معظمہ کے باغات

مکہ مکرمہ کی سرزمین جس کا تعارف سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے "بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ" سے کرایا تھا۔ اور قرآن پاک نے بھی اس بے آب وگیاہ مقدس سرزمین کو اسی وصف سے یاد فرمایا۔ ہزاروں سال گذر جانے کے باوجود تاریخ بھی اسی نظریہ پر قائم تھی۔ مگر اس رنگ بدلتی دنیا میں عجائبات قدرت کا ظہور ہر روز ہوتا رہتا ہے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ صدیوں کے اٹل نظریات اور تجربات ہوا کی طرح تحلیل ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص سائنسی اور مشینی ایجادات نے تو دنیا کی کایا پلٹ دی۔ کہیں تسخیر خلا تو کوئی تعجب انگیز بات ہی نہیں رہی۔ اب تو چاند پر قدم جمانے کے بعد زہرہ پر کمند ڈالی جا رہی ہے جو زمین سے کروڑوں میل کی مسافت پر ہے ایک قدیم نظریہ کے مطابق فضا میں محدود حد سے تجاوز کرنا ناممکنات میں تھا لیکن خلائی دوڑ نے اس مزعومہ کو تار تار کر دیا۔ مواصلات کی محیر العقول ترقی نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔ معدنیات اور زیر زمین ذخائر کی دریافت پر صدیاں گزر چکی ہیں۔ مگر کروڈ آئل۔ پٹرولیم اور سوئی گیس جیسی دولت کروڑوں برس زمین کے پیٹ میں مخفی رہی۔ جن کے وجود کا کسی کو وہم تک نہیں تھا اسی طرح بہت سے علوم وفنون نیز عمرانی اور زرعی ترقی نے عہد کہنہ کے تجربات کو غلط ثابت کر دکھایا ہے۔ زرعی مشینی آلات اور کیمیاوی کھاد نے نہ صرف اجناس کی افزائش میں بے پناہ اضافہ کیا بلکہ عمل تقلیم کی بدولت نارنگی سے کنوں اور مالٹے کی نفیس ترین اقسام سامنے آئی ہیں۔ کھجور کے بار آور ہونے کے متعلق یہ مثل مشہور تھی کہ " دادا لگائے اور پوتا کھائے"۔ لیکن اب یہ مثل بھی غلط ثابت ہوگئی ہے۔ راقم الحروف نے پاکستان کے سابق صدر ایوب خان کے باغ واقعہ ٹیکسلا میں کھجور کے ایسے بے شمار درخت دیکھے جو چند سالوں میں بار آور ہو چکے ہیں)

Marfat.com

اسی طرح تمدنی اور عمرانی ترقی کے پیش نظر آج مکہ کے قدیم شہر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا بلکہ دنیا کے متمدن ممالک کے حسین ترین شہر کی تمامتر خوبیاں اور اوصاف کا یہ مجموعہ بن گیا ہے۔

کل تک تو یہی تصور تھا۔ لیس بها نهر ولا بئر یشرب ماؤها ولیس بجمیع مکة شجر مثمر، فاذا جزت الحرم فهنالك عیون وآبار ومزارع ونخیل اس میں نہ تو کوئی نہر ہے نہ کنواں جس سے پانی پیا جائے۔ اور نہ ہی تمام شہر میں کوئی پھلدار درخت ہے اور جب آپ حرم سے باہر نکلیں تو چشمے، کنوئیں۔ کھیت اور کھجوروں کے باغات پائیں گے۔ لیکن اب حرم کی حدود کے اندر بھی پھلدار اور پھولدار درخت شہر کے اندر اور باہر موجود ہیں۔ جن کی تفصیلات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

وہ سرزمین جو پیدائشی طور پر زراعت، ثمرات، کنوؤں اور نہروں سے خالی تھی آج فضل خداوندی اور لوگوں کی عمرانی جدوجہد اور محنت کے باعث سرسبز و شاداب، پھلواری اور پھلداری کے قابل بن گئی ہے۔ عصر جدید میں زرعی آلات اور عمرانی تجربات نے مکہ مکرمہ کے باغات کی بہاروں میں اضافہ کر دیا ہے۔ مختلف اوقات میں حدود حرم کے اندر بارہ باغات کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں سے بعض آج بھی موجود ہیں۔ اور بعض آبادی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی نذر ہو چکے ہیں۔ حدود حرم میں راقم الحروف نے بھی بعض باغات کا مشاہدہ کیا ہے جن میں قابل ذکر معابدہ تنعیم اور مسفلہ کے بعض باغات ہیں۔

۱۔ ۹۶۷ھ میں خواجہ قینی محمد بن محمود آفندی قاضی مکہ نے معلاۃ کے راستہ کی دائیں جانب باغ لگایا تھا۔ اسی جگہ ۹۸۰ھ میں خواجہ بہرام ناظر حرم۔ نے اس میں رفاہ عامہ کے لئے سبیل اور حوض تعمیر کرائے جس سے انسان اور حیوان فائدہ اٹھاتے تھے۔ پھر وزیر اعظم رستم پاشا کی زوجہ محترمہ نے اس میں اضافہ کیا تھا۔ اس باغ کا تذکرہ علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی کیا ہے

Marfat.com

۲۔ ۱۱۰۵ھ میں عثمان بن حمیدان مشیر امیر مکہ نے معابدہ میں باغ لگایا جو بہت وسیع و عریض تھا جس میں انواع و اقسام کی سبزیوں کے علاوہ پھلدار درخت بھی تھے۔ عثمان موصوف اسی باغ میں بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ اس کا ذکر تاریخ غازی جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ میں بھی موجود ہے۔ مگر اب اس کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔

۳۔ ۱۰۴۰ھ میں مسعود بن ادریس نے معابدہ میں جہاں ابی طالب کا حوض پایا جاتا تھا۔ باغ لگایا پھر اسے دخیل اللہ العواجی نے خرید لیا اور اسی نسبت سے اس کا نام بستان عواجی مشہور ہوا علامہ سباعی کے بیان کے مطابق اب اس کے نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں۔

۴۔ ۱۲۷۰ھ میں میر اسحاق علوی نے ہجلہ اور شبیکہ کے درمیان باغ لگایا۔ موصوف شریف عبدالمطلب اور والی کامل پاشا کے زمانہ میں تھے۔ لیکن اب یہاں آبادی ہو چکی ہے اس کا ذکر بھی علامہ سباعی نے کیا ہے۔

۵۔ باغ برکہ ماجن، حرم محترم سے دو کلومیٹر کے فاصلہ پر مسفلہ میں واقع تھا۔ غالب خیال ہے کہ یہ باغ سب سے قدیم ہے۔ کیونکہ برکہ ماجن اور اس کا شیریں پانی آٹھویں صدی ہجری سے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ اس کے پانی سے بہت بڑا رقبہ سیراب کیا جاتا تھا۔ جس سے مکہ مشرفہ میں سبزیوں کی معقول مقدار فراہم ہوتی تھی۔ یہ باغ ایک سے دوسرے ہاتھ میں چلا آ رہا اور آج بھی موجود ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس وقت کس کی ملکیت ہے۔ ۸۴۸ھ میں اس کی تعمیر اور اصلاح بھی کی گئی تھی۔ اور غالباً سید حسن ناظر اسکندریہ نے یہ اصلاح کرائی تھی۔ راقم الحروف نے ۱۳۹۴ء میں اس باغ کو دیکھا تھا اس میں ٹیوب ویل لگا ہوا ہے۔

۶۔ باغ وزیر عثمان نوری پاشا۔ موصوف دولت عثمانیہ سے پہلے مکہ کے والی ہو گذرے ہیں

Marfat.com

یہ سب سے پہلا باغ ہے جس پر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے قابل زراعت اور انتفاع بنایا گیا اس میں وافر مقدار میں ہر طرح کی زراعت کا انتظام کیا گیا۔ حرم محترم سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلہ پر جردل میں واقع تھا۔

۷۔ شریف عون الرفیق گورنر مکہ مکرمہ جن کی ولادت ۱۲۵۶ھ میں ہوئی اور امارت مکہ پر ۱۲۹۹ھ میں فائز ہوئے۔ انہوں نے جردل میں ایک باغ بنایا۔ جو کعبہ شریف سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا جس میں ہر قسم کے پھل دار درخت، سبزیاں اور دوسری اجناس تھیں۔ پھر ۱۳۱۰ھ وزیر عثمان پاشانوری نے اس کا انتظام سنبھالا۔ اور یہ بے نظیر باغ ۱۳۵۰ھ تک موجود تھا لیکن بعد میں اجڑ گیا۔ اور زراعت کے آثار مٹ گئے پھر اس قطعہ اراضی کو امیر متعب بن عبدالعزیز آل سعود نے خرید لیا۔ بعد ازاں ۱۳۶۷ھ میں یہاں ہسپتال بن گیا۔

اس باغ میں سبزیوں کے علاوہ اخروٹ، مالٹا، لیموں، انگور، چھوہارا، بند گوبھی، بینگن اور ٹماٹر وغیرہ بکثرت پائے جاتے تھے۔

الشیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس باغ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

یہ باغ جردل میں مستطیل شکل کا ہے۔ بحری جانب سے طول ۲۷۰ میٹر اور مغرب میں ۱۸۰ میٹر ہے۔ اس کے چاروں طرف دو میٹر بلند دیوار بنی ہوئی ہے۔ باغ کے درمیان ایک مربع شکل کا بہت بڑا حوض ہے۔ جس کا ہر ضلع ۱۶ میٹر ہے۔ اس کی گہرائی چار میٹر جب کہ زمین سے دیواروں کی بلندی سوا تین میٹر تھی۔ دیوار زرد رنگ کے مضبوط پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ اور اندر باہر سے پلستر شدہ تھی۔ اس حوض سے باغ کی آب پاشی کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دو حوض اور بھی تھے جن سے لوگ نہاتے اور کپڑے وغیرہ دھوتے تھے۔

Marfat.com

اس باغ میں اخروٹ مالٹا۔ لیموں۔ کھجور۔ انگور۔ گلاب۔ برسیم حجازی۔ بند گوبھی۔ ٹماٹر وغیرہ ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ ایسے پھولدار درخت بھی کثرت سے تھے جن کے پھولوں سے عطر اور خوشبوئیں بنائی جاتی تھیں[1]

۸۔ بستان الشہداء۔ یہ تنعیم کے راستہ میں واقع ہے جو حرم شریف سے پانچ کلومیٹر سے بھی کم فاصلہ پر ہے یہ کوئی چالیس سال پہلے وجود میں آیا تھا۔ اور اب بھی آباد ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اب کس کی ملکیت ہے۔

۹۔ ۱۳۵۲ھ میں الشیخ عبداللہ السلیمان سابق وزیر مالیات نے جرول میں اپنے مکان کے قریب بنایا تھا۔ یہ حرم محترم سے صرف دو کلومیٹر دور ہے۔ اور آج بھی پر از میوہ و بہار ہے۔ اس باغ کا تذکرہ مولانا ابو القلم خاموش فتح پوری نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس میں امرود بہت عمدہ قسم کا ہوتا ہے۔ پپیتا اور آم کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے پھل اور سبزیاں ہیں[2]

۱۰۔ شیخ محمد سرور الصبان وزیر مالیات و اقتصادیات نے جدہ روڈ پر ام الدرج کے قریب باغ لگایا تھا جو حرم سے چار کلومیٹر دور ہے۔ بہت خوبصورت اور ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے اس کے اندر ایک چھوٹا سا باغیچہ تفریح کے لئے بنا ہوا ہے۔

۱۱۔ باغ الشیخ عبداللہ الکعکی، یہ مسفلہ میں ہے۔ اس کے اور حرم کے درمیان چار کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ یہ سیر و سیاحت کے لئے بے حد روح پرور جگہ ہے۔ اس کی بنیاد ۱۳۶۹ھ میں رکھی گئی تھی۔

اس باغ کا ذکر رفعت پاشا نے بھی مرآۃ جلد ا صـ ۱۷۹ میں کیا ہے۔

---

[1] مرآۃ الحرمین جلد ا صـ ۱۹۵، ۱۹۶ [2] مرقع حجاز صـ ۱۵۶

Marfat.com

۱۲- منی کے راستہ میں یہ کافی لمبا باغ ہے اس میں کئی کنوئیں اور نل ہیں۔ اور بہت سے درخت ہیں۔ جن میں املی کے درخت بھی ہیں۔ یہ باغ ایک میل سے بھی زیادہ لمبا ہوگا۔ سڑک کے درمیان بے حد نشاط افزا منظر پیش کرتا ہے۔ پھولدار اور پھلدار درخت کثرت سے ہیں۔

بجلی کا استعمال

قدیم زمانہ سے مکہ مکرمہ کے لوگ گھروں اور سڑکوں پر روشنی کے لیے مٹی کے تیل سے جلنے والے چراغ جلاتے تھے۔ بازاروں میں قندیلیں جلائی جاتی تھیں۔ لیکن ۱۳۰۶ھ میں جب شہر میں بجلی آگئی تو بازاروں اور گھروں کو بجلی سے منور کیا جانے لگا۔ اگرچہ بجلی کا استعمال سب سے پہلے حرم محترم میں ہوا۔ اس کے بعد جب زیادہ عمدہ انتظام ہوگیا اور بجلی وافر مقدار میں سپلائی ہونے لگی تو پھر تمام شہر کو روشن کر دیا گیا۔

اس وقت بجلی کا نظام اس قدر عمدہ اور تسلی بخش ہے کہ نہ صرف بجلی سے روشنی کا کام لیا جا رہا ہے بلکہ ہزارہا مشینیں۔ پنکھے۔ ہیٹر۔ فریزر۔ ایرکنڈیشنر اور خدا جانے کیا کیا چیزیں چل رہی ہیں۔ بجلی گھر تنعیم کے قریب واقع ہے۔

ٹیلیویژن کا استعمال

۱۹۰۸ء میں کامبل سوئیٹون نے ٹیلیویژن ایجاد کیا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں ج۔ ل۔ بیرڈ نے اس میں بہت سی اصلاحات کیں۔ اسلامی ممالک میں سب سے پہلے ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں مصر میں استعمال کیا گیا۔ ۱۳۸۵ھ میں سعودی حکومت نے ٹیلیویژن سٹیشن قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ کو مکہ مکرمہ میں بھی ٹی وی کا استعمال شروع ہوا۔ جس پر پند و نصائح

Marfat.com

اور اصلاحی پروگرام نشر ہوتے تھے۔

لاؤڈ سپیکر

اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لیے حرم شریف کے ہر ایک مینار پر ایک ایک مؤذن اذان دیا کرتا تھا لیکن جب لاؤڈ سپیکر ایجاد ہوا۔ اور اس کے ذریعہ نہ صرف اذان کی آواز دور دراز تک پہنچائی جانے لگی۔ بلکہ لاکھوں مقتدیوں کو امام کی قرأت اور تکبیرات سننے میں بھی بے حد سہولت ہو گئی۔ اسی طرح درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور جمعہ وعیدین کا خطبہ سننے میں بھی ہر ایک آدمی محظوظ ہونے لگا۔

چنانچہ ۱۳۶۸ھ میں سعودی حکومت نے حرم شریف کے لیے لاؤڈ سپیکر درآمد کیا۔ جسے میناروں پر۔ مبلغین کے چبوتروں پر۔ نمازمیں امام کے سامنے اور خطبہ کے وقت منبر پر استعمال کیا جاتا تھا۔ موذن اور مکبر کی جگہ حنفی مصلیٰ کے اوپر بنی ہوئی تھی۔ اور اسی جگہ لاؤڈ سپیکر کی مشینری رکھی جاتی تھی۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں بہت زیادہ اضافہ اور ترقی ہوئی۔ رکن یمانی کے سامنے دولت عثمانیہ کی تعمیر کے باہر ایک دو منزلہ شیش محل بنایا گیا جس میں نہایت عمدہ قسم کے متعدد ایمپلی فائر نصب کئے گئے جن پر سینکڑوں کی تعداد میں یونٹیں چلتی ہیں۔ جن کی تفصیلات ہم نے پیش نظر کتاب کی دوسری جلد میں بیان کردی ہیں۔

علاوہ ازیں اسی چبوترہ میں ریڈیو سیٹ بھی نصب کیا گیا جس کے ذریعہ اذان۔ نماز اور خطبہ براڈ کاسٹ کیا جاتا ہے۔ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ میں مطاف کی توسیع کے باعث یہ چبوترہ منہدم کر کے اسی کے متصل برآمدوں میں نیا شیش محل بنا دیا گیا۔

Marfat.com

گھڑیوں کی آمد

قدیم زمانہ میں وقت معلوم کرنے کے بے حد سادہ اور مختلف طریقے رائج تھے۔ شمسی (دھوپ گھڑی) اور قمری گھڑیاں زیادہ قابل اعتماد سمجھی جاتی تھیں۔ بلکہ موجودہ سائنسی اور ترقی یافتہ دور میں بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لئے شمسی اور قمری گھڑیاں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں سورج کے سایہ سے بھی اندازہ کیا جاتا تھا اور رات کے وقت ستاروں اور مرغ کی اذان سے وقت معلوم کرنے کا رواج بھی تھا۔

لیکن محیر العقول سائنسی ایجادات نے وقت معلوم کرنے کے لئے گھڑیاں ایجاد کیں۔ اس صنعت نے اس قدر جلد ترقی کی، کہ عقل حیران رہ جاتی ہے چھوٹی اور بڑی انتہائی خوبصورت مختلف سائز اور ڈیزائن میں گھڑیاں ہر ملک میں دستیاب ہیں۔ آج سے پچھتر سال پہلے خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں بہت تھوڑی تعداد میں صرف جیب گھڑی پائی جاتی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور مضبوط اور قیمتی جیب گھڑی "راسکوف" تھی۔ اس کی قیمت سونے کی ایک گنی تھی یہ سویزرلینڈ کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی چابی نصف انچ سے کچھ لمبی اور دیا سلائی کے برابر موٹی تھی۔

سن ۱۳۶۰ھ میں متعدد انواع و اقسام، دیدہ زیب اور دلفریب جیب گھڑیاں اور ہاتھ گھڑیاں ٹائم پیس اور کلاک آنے لگے۔ ابتدا میں جیب گھڑی۔ ہاتھ گھڑی اور ٹائم پیس کو روزانہ اور کلاک کو ہفتہ وار چابی دی جاتی تھی۔ مگر اب ایسی آٹومیٹک ہاتھ گھڑیاں بن گئی ہیں جنہیں چابی دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح ہاتھ گھڑی ٹائم پیس اور کلاک (الیکٹرونک) سیل سے چلنے والے ایجاد ہو چکے ہیں۔ یہ سیل ایک سال تک چلتا ہے۔ اس کے بعد نیا سیل تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ کلاک کی صنعت

Marfat.com

میں یہ پیش رفت ہوئی کہ ہفتہ وار چابی دینے کی بجائے ۱۵-اور ۳۰ دن بعد چابی دی جانے لگی اور اس وقت بیٹری سیل سے چلنے والے ٹائم پیس اور کلاک بھی ایجاد ہو چکے ہیں جو مکہ مکرمہ میں بھی دستیاب ہیں چونکہ ان کی مختلف اقسام ہیں اس لیے ان کی قیمتیں بھی مختلف ہیں۔

قدیم زمانہ میں گھڑیوں کی صنعت میں سوئیٹرز لینڈ پوری دنیا میں مشہور تھا لیکن اس وقت جرمن ٹائم پیس اور جاپانی کلاک اور ہاتھ گھڑی کی صنعت میں پوری دنیا پر چھا گیا ہے اگرچہ بعض اقسام جاپانی۔ فرانس اور انگلینڈ کی مارکیٹ میں موجود ہیں۔ اس وقت چند مشہور اور قیمتی گھڑیاں حسب ذیل ہیں۔

رومیکا۔ رولیکس۔ رومر۔ لونجین۔ زینت اور راڈو۔

سٹوڈیو

قدیم زمانہ میں دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں بھی دخول کے لئے کوئی خاص پابندی نہیں تھی۔ لیکن بعض انتظامی اور ملکی امور کے استحکام کی خاطر دنیا بھر میں سرکاری، نیم سرکاری محکموں اور نو وارد لوگوں کے لئے فوٹو کی ضرورت پیش آئی۔ ابتدا میں مکہ مکرمہ میں شرعی احکام کے پیش نظر اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ مگر واقعات اور حالات کی سنگینی کے باعث بعض اہم ضروریات میں تصویر بنوانا ازبس ضروری تھا۔

چنانچہ ۱۳۵۰ھ میں فوٹو گرافی کی ایک دکان قائم ہوئی۔ تاکہ بیرون ملک جانے والے حضرات کے پاسپورٹ کے لئے یا دوسرے ممالک کے لوگ جو مکہ مکرمہ میں اقامت کے خواہشمند ہوں ان کے لئے تصویر سازی کی جاتے۔ اسی طرح بعض سرکاری اجلاس اور مجالس کی تصاویر لینا بھی مقصود تھا۔

Marfat.com

لیکن ابتدا سے اب تک عورتوں کی تصاویر پاسپورٹ، اقامہ یا کسی بھی ضرورت کے لئے جائز قرار نہیں دی گئی۔ یہ مطلقاً ممنوع ہے۔ مذکورہ بالا ضروریات میں جس قدر اضافہ ہوتا گیا رفتہ رفتہ فوٹوگرافی کا کام بھی بڑھتا گیا حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ میں مندرجہ ذیل ۱۳ دکانیں بن چکی تھیں۔

(۱)	صبری بوشناق	یہ مکہ مکرمہ کا باشندہ تھا جو پہلے سے یہ کام کر رہا تھا
(۲)	جمیل بوشناق	" " " "
(۳)	محمود شفیق	" " " "
(۴)	سعید شاورلی	" " " "
(۵)	الزبیر	یہ ہندوستان کا باشندہ تھا اور ۱۳۶۵ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا
(۶)	اسٹوڈیو الشباب	یہ دکان علی ہزاع کی تھی جس نے ۱۳۸۳ھ میں " "
(۷)	اسٹوڈیو الشرق	یہ حضرموت کا رہنے والا تھا ۱۳۶۹ھ " " "
(۸)	اسٹوڈیو اکفا	یہ جاوہ کا آدمی تھا ۱۳۷۱ھ " " "
(۹)	اسٹوڈیو الشمس	یہ بھی ہندوستانی تھا جس نے ۱۳۸۱ھ " " "
(۱۰)	اسٹوڈیو العلم الاخضر	یہ دکان ۱۳۸۲ھ میں شروع ہوئی۔
(۱۱)	اسٹوڈیو النصر	یہ آدمی جاوہ یا ہند کا تھا ۱۳۸۳ھ " " "
(۱۲)	محمد سلیمان الکثیری	یہ حضرموت کا رہنے والا تھا ۱۳۶۴ھ " " "
(۱۳)	اسٹوڈیو العاصمہ	یہ احمد محمد العدنی کا سٹوڈیو تھا جس نے ۱۳۸۲ھ " " "

اس کے علاوہ بھی بعض محلوں میں اسٹوڈیو پائے جاتے ہیں مگر ہم نے بطور نمونہ چند مشہور اسٹوڈیوز کی نشاندہی کر دی ہے۔ علاوہ ازیں طلباء اور بعض دوسرے لوگوں کے پاس بھی کیمرے ہوتے ہیں۔ خواہشمند حضرات مختلف مقامات کی تصویریں بناتے ہیں۔

Marfat.com

جہاں مختلف شعبہ جات کی ترقی ہوئی ہے وہاں فوٹوگرافی میں بھی کافی پیش رفت ہوئی۔ فوٹو سٹوڈیو کے علاوہ اب تو پورے شہر اور حرم شریف کے اندر اور باہر آٹومیٹک کیمرے نصب ہیں۔ جو مواصلاتی سیاروں کے ذریعہ بیرونی ممالک میں بھی تصاویر بھیجتے ہیں۔

مقدس مقامات کی زیارت کے لئے جب زائرین جاتے ہیں تو وہاں کئی آدمی کیمرے لئے ان کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں فوٹو بنوانے کی ترغیب دلاتے ہیں اور عموماً دس ریال میں ایک تصویر بناتے ہیں۔ یہ دھندا ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء تک تو نہیں تھا مگر اس کے بعد بہت زیادہ ہو گیا ہے۔

حرم شریف اور کعبۃ اللہ شریف کی تصاویر لینے سے حکام سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات کیمرے چھین کر توڑ بھی دیتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود چوری چھپے لوگ تصاویر لے لیتے ہیں۔ لیکن دوسرے ممالک کے خصوصی نمائندوں یا کسی خاص کمپنی وغیرہ کو حرم شریف کی تصاویر لینے کے لئے باقاعدہ اجازت لینی پڑتی ہے۔

عمرانی ترقی

یہ نظریہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا کہ مکہ کے لوگ عمرانیات اور تمدن سے قطعاً بے خبر ہیں اور وہاں عمرانی وسائل کا سخت فقدان ہے۔ لیکن اب تو سائنسی ایجادات نے ہر ناممکن کو ممکن کر دیا ہے چنانچہ اس وقت مکہ کے بازار۔ دکانات۔ مواصلات۔ تمدنی اور عمرانی زندگی کے ہر شعبہ میں یورپ کے ترقی یافتہ اور حسین ترین شہروں سے کسی چیز میں پیچھے نہیں ہیں۔ قارئین کی خدمت میں مکہ کی عمرانی اور تمدنی ترقی کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

بلدیہ (میونسپلٹی)	۱۳۳۲ھ	شہر کی فلاح و بہبود اور نگرانی کے لیے بلدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔
فونٹن پین	۱۳۳۴ھ	مکہ میں پہلی بار فونٹن پین آیا۔
موٹر کار	۱۳۳۸ھ	والی مکہ شریف حسین بن علی کو ہندوستان کے ایک رئیس نے کار تحفہ میں پیش کی۔ البتہ ۱۳۴۶ھ میں کثرت سے گاڑیاں چلنے لگیں۔
برف سازی	۱۳۳۹ھ	الحاج نسیم الشامی نے برف سازی کا کارخانہ لگایا۔
بجلی	۱۳۴۶ھ	پہلی مرتبہ بجلی آئی اور اس کا استعمال حرم شریف میں شروع ہوا۔ ۱۳۶۰ھ میں پورا مکہ بجلی کے قمقموں سے منور ہو گیا۔
پختہ سڑکیں	۱۳۵۲ھ	تارکول اور بجری کی آمیزش سے سڑکیں پختہ بنائی گئیں۔
اسکول	۱۳۵۴ھ	مروجہ تعلیم کا نظام شروع ہوا۔ اگرچہ دینی مدارس کا سنگ بنیاد فتح مکہ کے بعد نبیؐ علیہ السلام نے رکھا تھا۔
برقی پنکھے	۱۳۶۶ھ	برقی پنکھوں کی ابتدا بھی حرم شریف سے شروع ہوئی۔ لیکن اب تو پورا شہر ایئر کنڈیشنڈ بن چکا ہے۔
لاؤڈ سپیکر	۱۳۶۷ھ	حرم محترم جہاں لاکھوں فرزندانِ توحید نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ ان تک امام صاحب کی آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ سپیکر کا استعمال شروع ہوا۔
پریس	۱۳۶۹ھ	جب پہلی بار پریس نصب کیا گیا اس کا افتتاح قرآن مجید کی طباعت سے کیا گیا۔
وزارت	۱۳۷۴ھ	
شرشورہ	۱۳۷۶ھ	میت کی تجہیز و تکفین کے لیے یہ محکمہ قائم کیا گیا۔

Marfat.com

پختہ عمارات	سنہ ۱۳۷۵ھ	اس سال مٹی کی بجائے سیمنٹ سے پختہ مکان پہلی مرتبہ بنائے گئے۔
شفاخانے	سنہ ۱۳۷۱ھ	نئے آلات اور مشینری سے استفادہ کرنے کی غرض سے کثیر تعداد میں ہسپتال کھولے گئے۔
حمام	سنہ ۱۳۷۳ھ	حمام اور سیلون کا سلسلہ شروع ہوا۔
تعمیر مساجد	سنہ ۱۳۷۰ھ	پورے شہر میں بہت سی مساجد تعمیر کی گئیں۔
گرلز سکول	سنہ ۱۳۷۸ھ	لڑکیوں کے سکولوں کا اس سال اجرا ہوا۔
واٹر موٹر	سنہ ۱۳۶۰ھ	برقی موٹروں کا استعمال شروع ہوا۔ ان سے کنوؤں اور دوسرے مخازن سے مکانات میں پانی پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔
فوٹوگرافی	سنہ ۱۳۵۵ھ	اگرچہ شرعاً فوٹوگرافی ممنوع ہے مگر بعض قومی، ملکی اور بین الاقوامی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے اس سال فوٹو سٹوڈیو قائم ہوئے۔
ٹیلیفون	سنہ ۱۳۵۰ھ	شہر میں فون کا نظام شروع ہوا۔ اگرچہ سرکاری دفاتر میں اس سے قبل بھی ٹیلیفون کام کر رہے تھے۔
	سنہ ۱۳۵۰ھ	خشک دودھ، دہی اور بعض سبزیاں ڈبوں میں بند درآمد ہونا شروع ہوئیں۔
	سنہ ۱۳۵۵ھ	چھوٹے اور بڑے ڈبوں میں گھی کی درآمد شروع ہوئی۔
	سنہ ۱۳۸۰ھ	سڑکوں کی توسیع کا کام شروع ہوا پہلے ۱۰ سے ۲۰ میٹر تک چوڑی تھیں اور اس سال ۳۰ سے ۹۰ میٹر تک چوڑی کردی گئیں۔

اس باب کا اکثر حصہ علامہ طاسر کردی دامت برکاتہم کی تاریخ القویم جلد ۲ سے ماخوذ ہے اور اس کے علاوہ جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے حوالہ جات درج کردئے گئے ہیں۔

Marfat.com

مصادر و مآخذ

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

نمبر شمار	کتب	مصنفین عظام	مطبع
		الف	
۱-	ابن ماجہ	امام ابی عبداللہ بن محمد القزوینی۔ المتوفی ۲۷۳ھ	کتب خانہ نور محمد کراچی ۱۳۸۱ھ
۲-	ابوداؤد	امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعث " ۲۷۵ "	" " ۱۳۴۹
۳-	آثار البلاد واخبار العباد	امام زکریا بن محمد بن محمود قزوینی " ۱۲۸۳ "	بیروت ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۰ء
۴-	احسن التقاسیم	محمد بن ابی بکر بشاری	مطبع بریل ۱۹۰۶
۵-	اخبار العلماء	ابی الحسن علی بن قاضی اشرف القفطی المتوفی ۶۴۶ھ	مطبع سعادۃ مصر ۱۳۲۶ھ
۶-	اخبار مکہ	امام ازرقی	بیروت لبنان
۷-	اسیر مالٹا	سید حسین احمد مدنی	مکتبہ محمودیہ لاہور ۱۳۹۴ھ ۱۹۷۴
۸-	الاصابہ	امام احمد بن علی بن محمد بن علی العسقلانی " ۸۵۲ "	مکتبہ تجارۃ الکبریٰ ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹
۹-	البدایہ والنہایہ	الحافظ ابن کثیر دمشقی " ۷۷۴ "	مکتبہ المعارف بیروت ۱۹۷۴
۱۰-	الفاروق	علامہ شبلی نعمانی	دہلی ۱۸۹۸
۱۱-	العواصم من القواصم	قاضی ابی بکر بن العربی " ۵۴۳ "	مطبع سلفیہ قاہرہ ۱۳۷۵
۱۲-	النجوم الظاہرہ	امام جمال الدین یوسف بن تغری بردی " ۸۷۴ "	کوستاتسوماس ۔ الطاہر
۱۳-	اعلام الاعلام	امام قطب الدین	مؤلفہ ۹۰۵ھ مطبوعہ ۱۲۷۴
۱۴-	انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا		لندن مطبوعہ ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۷ء
۱۵-	" " یا تاریخ عالم		شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

Marfat.com

۱۶-	انسائیکلو ریلجنس	جیمس ہسٹنگز	نیویارک
۱۷-	النصرانیۃ و آدابہا	لاب لویس شیخو الیسوعی	مطبع آباء المرسلین الیسوعیین بیروت ۱۹۱۲ء
۱۸-	المسالک والممالک	ابن خرداذبہ	بریل لیدن ۱۳۵۶ھ

ب - ت

۱۹-	بخاری شریف	امام محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ	کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۵ھ
۲۰-	بلاد فلسطین و شام	جی لی اسٹرینج، مترجم مولوی سید ہاشمی	حیدرآباد دکن ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء
۲۱-	تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الحسینی زبیدی	کویت ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء
۲۲-	تاریخ ارض القرآن	سید سلیمان ندوی	دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۵ء
۲۳-	تاریخ ابن خلدون	امام عبدالرحمٰن بن خلدون " ۸۰۸ "	نفیس اکیڈمی " ۱۹۶۷ء
۲۴-	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی	ایچ ایم سعید " ۱۹۶۳ء
۲۵-	تاریخ اسلام والعرب	رودم لاندو	دارالعلم للملایین بیروت ۱۹۶۲ء
۲۶-	تاریخ انبیاء ابن خلدون	امام عبدالرحمٰن بن خلدون " ۸۰۸ "	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء
۲۷-	تاریخ بائبل	بلیکی مترجم طالب الدین پاسٹر	ہندوستانی پریسبٹیرین چرچ لاہور
۲۸-	تاریخ تمدن اسلامی	جرجی زیدان	مطبوعہ الہلال مصر ۱۹۰۲ء
۲۹-	تاریخ تمدن عرب	ڈاکٹر گستاولی بان	مفید عام آگرہ ۱۸۹۸ء
۳۰-	تاریخ حرمین الشریفین	مولانا عبدالسلام ندوی	پاکستان ۱۳۴۲ھ
۳۱-	تاریخ طبری اردو	امام ابی جعفر بن جریر الطبری " ۳۱۰ "	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء
۳۲-	تاریخ العالم العرب	ل۔ا۔ سیدیو۔ مترجم عادل زعیتر	عیسی البابی الحلبی ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء
۳۳-	تاریخ عرب قبل الاسلام	ڈاکٹر جواد علی	المجمع العلمی عراق ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۴ء
۳۴-	تاریخ کعبہ	شیخ حسین عبداللہ	
۳۵-	تاریخ القویم	علامہ محمد طاہر کردی مکی	النہضۃ الحدیثۃ مکہ ۱۳۸۵ھ
۳۶-	تاریخ لبنان	فلپ کے حتی۔ مترجم غلام رسول مہر	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۱ء

Marfat.com

۳۷	تاریخ مکہ و مدینہ	شیخ احمد ابراہیم الشریف		دارالفکر عربی قاہرہ ۱۹۶۵ء
۳۸	ترجمان السنۃ	مولانا بدر عالم		مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی
۳۹	ترمذی شریف	امام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ		مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء
۴۰	تفسیر ابن جریر عربی	امام جعفر محمد بن جریر الطبری	المتوفی ۳۰۱ھ	مطفی البابی مصر ۱۳۵۱ھ، ۱۹۵۴ء
۴۱	تفسیر ابن جریر مترجم	"	"	بیت الحکمت دیوبند ۔ بھارت
۴۲	تفسیر ابن کثیر	امام اسماعیل بن کثیر دمشقی	" ۷۷۴ "	سہیل اکیڈیمی لاہور ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء
۴۳	تفسیر زاد المسیر	امام جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی الجوزی	" ۵۹۷ "	المکتب الاسلامی دمشق ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء
۴۴	تفسیر روح المعانی	امام سید محمود آلوسی	" ۱۲۷۰ "	مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۵ھ
۴۵	تفسیر طبری	امام ابی محمد جریر جعفر طبری	" ۲۱۰ "	دارالمعارف مکہ
۴۶	تفسیر کبیر	امام فخرالدین رازی		مصر ۱۳۲۴ھ
۴۷	تفسیر کشاف	امام محمود بن عمر زمخشری	" ۵۲۸ "	طبع الکبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۸ "
۴۸	تفسیر قرطبی	امام ابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی		دارالکتب مصریہ ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء
۴۹	تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع		ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء

ج - ح

۵۰	جامع التواریخ	فضل اللہ الوزیر بن عماد دولہ		مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۶ء
۵۱	جامع الصغیر	امام جلال الدین سیوطی	المتوفی ۹۱۱ھ	مکتبہ سلفیہ فیصل آباد ۱۳۹۴ھ
۵۲	جامع اللطیف	امام ابن ظہیرہ		مکتبۃ الشعبیہ بیروت ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء
۵۳	جزیرۃ العرب	فوائد ہاشم الکبتی دمشقی		مطبوعہ ہاشمیہ ۱۳۶۴ھ ۱۹۴۴ء
۵۴	جزیرۃ العرب	ہمدانی		مکتبہ سلفیہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء
۵۵	جغرافیہ بطلیموس	بطلیموس		
۵۶	جمرۃ الانساب	محمد علی بن احمد بن سعید اندلسی	" ۴۵۶ "	دارالمعارف مصر ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء
۵۷	جمع الفوائد	امام مبارک بن محمد بن اثیر جزری	" ۶۰۶ "	میرٹھ ۔ ہند

Marfat.com

۵۸۔	جواہر الطنطاوی	امام طنطاوی الجوہری	مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۳۵۰ھ
۵۹۔	حالات عرب و عراق	امریکن پادری الیس ایم زویمر مع تقریر پادری جیمز ایل ڈینز	حمیدیہ سٹیم پریس۔ لاہور
۶۰۔	حیات محمد	امیل درمنغم	عیسیٰ البابی مصر

د — ر

۶۱۔	دائرۃ المعارف	علامہ محمد فرید وجدی	مصر ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء
۶۲۔	رحلۃ الحجازیہ	الشیخ محمد لبیب البتنونی	مطبع الجمالیہ مصر ۱۳۲۹ھ
۶۳۔	رحمت للعالمین	علامہ قاضی سلیمان منصور پوری	شیخ غلام علی لاہور ۱۹۶۶ء
۶۴۔	روض الانف	امام ابی القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ	مکتبۃ الفاروقیہ ملتان ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء
۶۵۔	زرقانی	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	مصر ۱۳۲۷ھ

س — ش

۶۶۔	سبائک الذہب	علامہ محمد امین البغدادی	بغداد
۶۷۔	سفرنامہ ابن بطوطہ	شیخ ابن بطوطہ	مطبوعہ بک لینڈ کراچی ۱۹۶۱ء
۶۸۔	سفرنامہ ابن جبیر	ابن جبیر	
۶۹۔	سلطان ابن سعود	سردار محمد حسین	جالندھر ۱۹۳۶ء
۷۰۔	سمط النجوم العوالی	عبدالملک بن حسین بن عبدالملک المتوفی ۱۱۱۱ھ	مطبع سلفیہ قاہرہ ۱۳۸۰ھ
۷۱۔	سیرت ابن ہشام	امام ابو محمد عبدالملک بن محمد بن ہشام " ۲۱۳ "	مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۶۵ء
۷۲۔	سیرت النبیؐ	علامہ شبلی نعمانی	ناشران قرآن
۷۳۔	سیرت محمد بن عبدالوہاب	علامہ احمد بن حجر بن محمد آل ابوطامی	مطبع حکومہ مکہ مکرمہ ۱۳۹۵ھ
۷۴۔	شاہراہ مکہ	ڈاکٹر ایچ بی خان	نور سی پبلی کیشنز کراچی ۱۹۷۶ء
۷۵۔	شفاء الغرام	امام تقی الدین محمد بن احمد بن علی الفاسی	مکتبہ خیاط۔ بیروت
۷۶۔	صورت الارض	علامہ ابی القاسم بن خوقل	مدینہ لیدن ۱۹۳۸ء

Marfat.com

ط - ع

۷۷ـ	طبقات ابن سعد	امام محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۳۹۰ھ
۷۸ـ	عرب اور اہل عرب	رچرڈ ایچ سینگر	مکتبہ معین الادب لاہور
۷۹ـ	عرب قبل الاسلام	جرجی زیدان	مطبوعہ الہلال ۱۹۳۹ء

ف - ق - ک

۸۰ـ	فتح الباری	امام ابن حجر عسقلانی " ۸۵۲ "	مصر ۱۳۴۸ھ
۸۱ـ	قاموس بستانی	پطرس بستانی	بیروت ۱۸۶۲ء
۸۲ـ	قسم مکہ مکرمہ	جعفر الخلیلی	دار التعارف بغداد ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء
۸۳ـ	کتاب اخبار الدول	علامہ ابی العباس احمد بن یوسف المعروف قرمانی	
۸۴ـ	کتاب الاشتقاق		
۸۵ـ	کتاب الاصنام	ابن کلبی	دار الکتب مصریہ ۱۹۴۴ء
۸۶ـ	کتاب مقدس		پاکستان بائبل سوسائٹی۔ لاہور
۸۷ـ	کتاب المنتقی	امام فاکہی	مکتبہ خیاط۔ بیروت
۸۸ـ	کتاب الہدیٰ	مولانا یعقوب حسن صاحب	واحد بکڈپو۔ کراچی

ل - م

۸۹	لسان العرب	امام ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم	بیروت ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء
۹۰	مراۃ الحرمین	الشیخ ابراہیم رفعت پاشا	دار الکتب قاہرہ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء
۹۱	مرقات المفاتیح	امام علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان طبع اوّل
۹۲	مرتیح الحجاز		
۹۳	مروج الذہب	امام ابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی "۳۴۶ھ"	مصر طبع رابع ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء

Marfat.com

۹۴۔	مسلم شریف	امام ابی الحسن مسلم بن الحجاج المتوفی ۲۶۱ھ	نور محمد کراچی ۱۳۷۹ھ
۹۵۔	مشکوٰۃ شریف	امام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	" " ۱۳۶۸ "
۹۶۔	مصنف عبدالرزاق	امام عبدالرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ	المجلس علمی بیروت ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء
۹۷۔	معجم البلدان	امام شہاب الدین ابی عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی " ۶۲۶ "	مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۳ھ
۹۸۔	ملت عربی	فلپ کے حتی	باراول ۱۹۳۰ء
۹۹۔	مملکۃ العربیۃ السعودیہ	صلاح الدین مختار	بیروت ۱۳۹۰ھ
۱۰۰۔	موطا امام مالک	امام مالک	نور محمد کراچی
۱۰۱۔	میراث اسلام	مترجم لفریڈگیام۔ بنرامس آرنلڈ	مجلس ترقی اردو۔ لاہور

ن

۱۰۲۔	نتائج الافہام	علامہ محمود پاشا فلکی	مطبعہ امیریہ۔ مصر ۱۳۰۵ھ
۱۰۳۔	نہایت الارب	علامہ ابی العباس احمد القلقشندی " ۸۲۱ "	قاہرہ ۱۹۵۹ء

تاریخ

المکۃ المکرمۃ (جلد دوم)

کعبۃ اللہ۔ حرم کعبہ اور ان کے ملحقات کی چار ہزار سالہ

نادر تاریخی دستاویزات

(زیر ترتیب)

Marfat.com

Marfat.com

تاریخ

جلد دوم

مکۂ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کی چار ہزار سالہ

مکمل مفصل اور مدلل تاریخ

مع

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

۱۔ جنت کا منظر ۳۰ روپے ۲۔ محبوب کے حسن و جمال کا منظر ۳۰ روپے

۳۔ حسن پرستوں کے انجام کا منظر ۱۸ روپے ۴۔ محبوب خدا کی دعائیں ۳ روپے

مکتبۃ الحبیب

پھولوں والی مسجد، رحمن پورہ، راولپنڈی

Marfat.com

تاریخ

جلد دوم

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کی چار ہزار سالہ

مکمل مفصل اور مدلل تاریخ

مع

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

۱۔ جنت کا منظر ۳۰ روپے ۲۔ محبوب کے حسن و جمال کا منظر ۳۰ روپے

۳۔ حسن پرستوں کے انجام کا منظر ۱۸ روپے ۴۔ محبوب خدا کی دعائیں ۳ روپے

مکتبۃ الحبیب

پھولوں والی مسجد، رحمٰن پورہ، راولپنڈی

Marfat.com